

شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک

عزبِ امام علی اللہ دہلوی
کی
اجمالی تاریخ کا مقدمہ

از ۲۸۹۱
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

مَطْبُوعَةٌ
دین محمدی پریس لاہور

ناشر:
کتاب خانہ پنجاب لاہور

قیمت ہر قلم اول ع

۱۹۴۲ء

بار اول

فہرستِ مضامین

۷	عرضِ مال
۹	اجمالی فہرست
۱۱	عرضِ مرتب (حاشیہ)

عزبِ ولی اللہ کا پہلا دور

۱۳	حکیم الہند امام ولی اللہ
۱۳	شاہ ولی اللہ کا زمانہ
۱۵	شاہجہان کے دارالخلافہ کے پہلو میں ایک بیتِ الحکمتہ و شاہ عبدالرحیم
	کا مدرسہ تعلیمیہ
۱۵	۱۷۹۱ء میں دہلی میں ایک عالمگیر انقلاب کی تاسیس سلطان عالمگیر
	کے تحت پر محمد شاہ کا جلوس اور مدرسہ رحیمیہ میں حکیم الہند امام ولی اللہ کی
	مستند تدریس پر جلوہ افروزی
۱۶	حکیم الہند نے قرآنِ عظیم کے ترجمہ و حکمتِ عملیہ اور اشراقِ قلبی کو علمی حقائق کی نقیشتیں
	کا ذریعہ بنایا
۱۹	۲- حکیم الہند بارہ سال تک علمی حقائق اور دہلی کی سوسائٹی کے مطالعہ
	میں مصروف رہے۔
۲۱	۳- اصلاحی پروگرام کے اساسی اصول

ب

- ۲۲ - - - - - احجاز قرآن کی نئی تشریح ..
- ۲۲ - - - - - ملت کے اخلاق کا مدار اقتصادی توازن ہے ..
- ۲۳ - - - - - ۴۔ علم حدیث کی تکمیل کے لئے سفر حجاز ..
- ۲۴ - - - - - انقلاب کے لئے کس درجے کا اجتہاد ضروری ہے؟
- ۲۶ - - - - - ۵۔ الہامی خواب ..
- ۲۷ - - - - - اس الہام کی تفسیر فک کل نظام ..
- ۲۸ - - - - - حکومت کے نظام کی تجدید ..
- ۲۹ - - - - - دینی اجتماعی نظام کی تجدید ..
- ۳۰ - - - - - اس تجدید کے ساتھ ایک طویل سلسلہ باہمی قتل کا فروغ ہے ..
- ۳۰ - - - - - فتح الرحمن ترجمہ قرآن کے حاشی میں اجمالی پروگرام ..
- ۳۱ - - - - - انقلابی پروگرام متحدہ بار شکست کھا کر کامیاب ہوتا ہے ..
- ۳۲ - - - - - شیخ الہند کی رہنمائی سے نئے پروگرام کی تاسیس ..
- ۳۳ - - - - - نیشنل کانگریس اس وقت ڈومنین سٹیٹس سے آگے نہیں جاسکتی ..
- ۳۴ - - - - - ہندوستانی جوان جب تک قرآن حکیم کی تفسیر میں حکیم الہند کو امام مان کر
- ۳۵ - - - - - انسانیت کو اپنا نصب العین نہیں بناتا۔ پریشان راحی سے نجات نہیں پاسکتا
- ۳۵ - - - - - حکیم الہند کی تجدید اصل ایک پارٹی پروگرام ہے۔ مخالف پارٹیوں کا مظاہرہ
- ۳۶ - - - - - ہندوستان میں قرآن حکیم کا پہلا فارسی ترجمہ شیر شاہ سوری کے استاد نے
- ۳۶ - - - - - کیا تھا جس کا طبع نظر بلاغت کا اعجاز تھا۔ دوسرا ترجمہ امام ولی اللہ دہلوی
- ۳۷ - - - - - لکھے جس کا نصب العین حکمت کا اعجاز ہے ..
- ۳۸ - - - - - امام ولی اللہ کی تصانیف میں جس قدر قواعد کلیہ ہیں وہ ان کے فلسفے کا
- ۳۸ - - - - - متن ہیں اور جس قدر مسائل شریعت ہیں وہ مشاہد ہیں۔

ج

- حکیم احمدؒ سیود و نصاریٰ کے رہبانوں کو اور یونان، فارس اور ہند ۳۹ کے حکماء کو اپنی دعوت میں یکساں خطاب کرتے ہیں۔
- دہلی ایک ایسا مرکز ہے۔ جہاں سے بین الاقوامی دعوت کا انتظام ہو سکتا ہے ۴۰
- دہلی نے حکیم احمدؒ کو اپنا امام مان لیا۔ ۴۱
- مدرسہ رحیمیہ سے دہلی کاٹچ ۴۲
- حکیم احمدؒ کا پروگرام چلانے والی مرکزی کمیٹی ۴۳
- مولانا محمد عاشق ۴۴
- مولانا محمد امین ۴۵
- مولانا نور اللہ ۴۶
- مرکزی کمیٹی کی شاخیں۔ نجیب آباد کا مدرسہ ۴۷
- رائے بریلی کا تکیہ شاہ علیہ الرحمہ ۴۸
- ٹھٹھہ میں ملا معینؒ کا مدرسہ ۴۹
- عارف سندھ شاہ عبد اللطیف بھٹائی ۵۰
- معرکہ پانی پت ۵۱
- امام ولی اللہ کے افکار مخصوصہ میں سے پہلا نظریہ ۵۲
- قرآن عظیم کا انٹرنیشنل انقلابی نظام مستقل اور ناقابل تنسیخ ہے۔
- دوسرا نظریہ ۵۳: قرآن پر عمل کا پہلا دور جو فتنہ عثمان پر ختم ہوتا ہے فقط ۵۵
- وہی زمانہ خیر القرون کا مصداق ہے۔ ۵۴
- اس کا نتیجہ ہے کہ موطا امام مالکؒ، اصح الکتب بعد کتاب قرآن پائی ۵۶
- تیسرا نظریہ ۵۷: قرآن عظیم کا تمام ادیان پر غلبہ خیر القرون میں متحقق ہو چکا ۵۷
- ہے اس کی تکمیل کے لئے کسی نبی یا ولی کا انتظار غلط ہے۔

- چوتھا نظریہ انسانیت کی فلاح چار اخلاق سے وابستہ ہے۔ تمام ادیان ۶۲
انہی اخلاق کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی دینی تعلیم کسی
حکومت کو جانت نہیں دیتی کہ وہ اقتصادی نظام کو ایسا بنا دے جس سے
ایک اجتماع ان اخلاق کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ - - -
پانچواں نظریہ: سقراطی انقلاب پر عمل کرنے کے لئے عرب اول یعنی مہاجرین ۶۸
اور انصار کا نمونہ سامنے رکھنا ضروری ہے۔ - - -
حجہ معترفہ بر حکیم الہند کے چوتھے نظریے کا کارل مارکس کے انقلابی ۶۹
پروگرام سے مقابلہ۔ - - -
سراج الہند امام عبدالعزیزؒ ۷۱ - - -
شاہ عبدالعزیزؒ کی امامت - - -
امام عبدالعزیزؒ کا الہامی خواب - - -
سراج الہند کا پشتہ سیکھنا - - -
اس زمانے میں جو مقصد پشتہ سے وابستہ تھا۔ اب یورپین زبانوں کے سوا ۷۹
پورا نہیں ہو سکتا۔ - - -
پچھلے پچاس سال میں جن ہندوستانیوں نے انگریزی سیکھی اُن کو ضرر ۸۰
زیادہ پہنچا۔ اب کاشتکار کو اگر یورپین سپاہی بنا دیا جائے گا تو اس سے
نفع زیادہ ہوگا۔ - - -
دینی حفاظت کا اصلی پروگرام - - - ۸۲
محرکہ پانی پت سے متوقع فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ - - - ۸۳
حکیم الہند کے الہامی خواب کے ایک سچے کی تعمیر ناؤ اور احمد شاہ کے ۸۴
سراج الہند نے اجتماعی نظام میں انقلاب کا فیصلہ کر لیا۔ سلطنت کی ذرا ۹۲
امرا سے عوام کی طرف منتقل کرنے کی تنظیم شروع کر دی۔ - - -

- قومی حکومت کی تہا سیں - - - - - ۹۳
- جملہ معترضین ایک تانچے میں شامل ہوا ہیں۔ قانونی حکومت کی تنظیم کے لئے امام ابوحنیفہؒ ۹۴
- اور امام ابو یوسفؒ کی مساعی، - - - - -
- امام ولی اللہ دہلویؒ کی تجدیدی نظام حکومت میں امام عبد العزیزؒ نے امام ۹۵
- ابو یوسفؒ کا کام کر دکھایا۔ - - - - -
- اگر امام عبد العزیزؒ کا اتباع نہ کیا گیا تو کوئی شرعی نظام مسلمانان ہند میں ۹۶
- قائم نہیں ہو سکتا۔ - - - - -
- سراج الہند کی تمام مساعی حکیم الہند کے پیر و گرام کی تکمیل ہیں۔ فتح العزیز ۱۰۰
- ”فتح الرحمن“ کا مقدمہ ہے۔ اور تحفہ اشاعہ شریعہ ”ازالة الخفاء کا۔
- تحفہ اشاعہ شریعہ کی ضرورت - - - - - ۱۰۲
- جملہ معترضہ شیعہ تخریک مسلمانوں کو قرآن عظیم سے غافل بناتی ہے اور یورپین ۱۰۳
- قومیں قرآنی انقلاب سے استفادہ کر رہی ہیں۔ - - - - -
- سراج الہند نے السنوی کو داخل درس بنا کر اپنے تجدیدی نظام حکومت ۱۰۸
- کے لئے ایچے تفتین کا ایک طبقہ تیار کر دیا جو قضاء و افتاء کا منصب نبھان سکتا
- سراج الہند نے اپنے نوجوانوں کو مہاجرین اولین کی سیرۃ کی پابندی سکھا کر ۱۰۹
- انہیں حکیم الہند کے انقلاب کا داعی بنا دیا۔ - - - - -
- حکیم الہند کے انقلاب کے لئے نوجوان داعی (دعاء حزب)۔ - - - ۱۱۱
- سراج الہند کی مرکزی کمیٹی - - - - - ۱۱۳
- الامیر الشہید مصلحتہ حریہ کے امیر ہیں۔ - - - - - ۱۱۶
- سراج الہند کے بعد صدر انجمن مصلحتہ حریہ (پانچ پائیکس) کے امیر ہیں ۱۱۷
- سراج الہند کی مرکزی کمیٹی کے اعمال۔ - - - - - ۱۱۹
- مولانا رفیع الدینؒ - - - - - ۱۱۹

- مولانا محمد سلیمان شہیدؒ - - - - - ۱۶۰
- مولانا عبد القادرؒ - - - - - ۱۶۱
- مولانا عبد الحیؒ - - - - - ۱۶۱
- دفعۃ الایمانؒ - - - - - ۱۶۳
- سراج الہند اشاعتوں کی مرکزی تقویت کے لئے دہلی کو نہیں چھوڑتے ۱۶۴
- خالد کدوی - - - - - ۱۶۵
- حکیم الہند اور سراج الہند اپنا خصوصی مسلک رکھتے ہیں - - ۱۶۶
- حکیم الہند کی تحریک اور نجدی تحریک میں فرق - - ۱۶۹
- ایشیخ ابراہیم کدوی مدنیؒ - - - - - ۱۷۱
- دفعۃ الایمان اور کتاب "التوحید" کا فرق - - ۱۷۳
- حکیم الہند اور نجدی تحریکوں کے تفارق پر نواب صدیق حسن خاں کی شہادت ۱۷۵
- امام شوکانیؒ - - - - - ۱۷۸
- مولانا محمد سلیمان شہیدؒ اور امام شوکانیؒ کا اصولی اختلاف - ۱۷۹
- حکیم الہند کے لئے مسلف صالح امام ربانی شیخ احمد سرہندی ہیں - ۱۸۱
- سراج الہند کی مرکزی کمیٹی میں ایک امیر المجاہدین کا اضافہ - ۱۸۳
- الامیر الشہید السید احمدؒ کی تعلیم و تربیت - - - ۱۸۴
- الامیر الشہیدؒ کی فطری ولولہ العزیز - - - - ۱۸۶
- الامیر الشہیدؒ کی تربیت عسکری - - - - ۱۸۷
- الامیر الشہیدؒ کی حکومت موقتہ - - - - ۱۸۸
- جدہ معترضہ، ڈیکٹر، بورڈ، سیاست اور پارلیمنٹ کے بیان میں ۱۵۱
- سراج الہند نے دو بورڈ بنائے، عسکری امور کے لئے الامیر الشہیدؒ کا بورڈ ۱۵۳
- اور تنظیمی امور کے لئے الصدر المحمید کا بورڈ - - - -

- سراج المند نے امام محمد اسحاق کو اپنا جانشین بنایا۔ ۱۵۵
- حزب الامام ولی اللہ دہلوی کی اساسی مصلحت امام محمد اسحاق سے متعلق ۱۵۶
- رہے گی اور سیاسی سرداری امیر شہید سے ۱۵۷
- مولانا عبدالحی کے آخر حیات تک امیر شہید کی شخصی و کیٹر شپ قائم نہیں ہوگی ۱۵۸
- ہندوئیں امیر شہید کی امامت پر ریت ہوئی ۱۵۹
- امیر شہید کی امارت و کیٹر شپ میں تبدیل ہوگئی ۱۶۰
- نجدی اور یمنی افکار کا حکیم المند کی پارٹی میں اختلاط ۱۶۱
- جملہ معترضہ: اس اختلاط کا منشا وہ تحریک ہے جو مولانا محمد اسماعیل شہید نے ۱۶۲
- ”حجۃ اللہ بالقرن“ پر عمل کرنے والی ایک جماعت عملاً ہی بنائی تھی اور وہی چھوڑنے ۱۶۳
- سے پہلے اس کا پروگرام چھوڑ چکے تھے ۱۶۴
- اس پرانی جماعت کے بعض افراد جو نجد میں رہ چکے تھے وہ اس مصلحت ۱۶۵
- کی پابندی سے انکار کرتے رہے جس کے لئے وہ جماعت توڑ دی گئی تھی ۱۶۶
- جملہ معترضہ: ایک نیشنل پارٹی جو انٹرنیشنل بھجان رکھتی ہے ایسی پارٹی کے ۱۶۷
- ساتھ نہیں چل سکتی جو خالصاً انٹرنیشنلسٹ ہو ۱۶۸
- افغانہ اور ہندوستانیوں کی کشیدگی نکاح کے معاملات میں ۱۶۹
- افغانہ اور ہندوستانیوں میں اختلاف امیر شہید کی آمریت سے ۱۷۰
- امیر شہید کو ذہر دیا گیا ۱۷۱
- ہم ہندوستانی بنا کابل میں سکھے ۱۷۲
- پاکستان کی اقتداروں سے لڑائیاں ۱۷۳
- فتح پشاور ۱۷۴
- الامیر شہید کا استبدادی فیصلہ اور پشاور کی واپسی ۱۷۵

- ۱۴۰ .. شکست خورد وہ افغانی خاندان کا انتقام تنگ افغانی کی صورت میں
- ہندوستانی مجاہدین کا قتل عام
- ۱۴۱ ہیر شہید کا کشمیر جاتے ہوئے بالا کوٹ میں قیام
- ۱۴۱ معرکہ بالا کوٹ میں امیر احمد الامیر اور مولانا محمد اسماعیل اور شاہ عبدالرحیم
- افغانی کی شہادت
- ۱۴۲ حکیم الہند کی تحریک پر ایک صدی گز گئی
- ۱۴۳ اس تحریک کے پہلے دور پر بہار، بصرہ، نجد، مسوئی کے ساتھ مکہ معظمہ میں چھپکے
- ۱۴۵ چالاک تاتخ نویں پہلے وعدہ کے خاتمے پر تحریک کو ختم کر دیتا ہے

حزب ولی اللہ کا دوسرا دور

- (الصدر المجید مولانا محمد اسحاق سے شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی تک)
- ۱۴۸ اس دور کی خصوصیات حنفی مذہب کی سختی سے پابندی اور ترکی سلطنت سے
- سیاسی اتصال
- ۱۸۱ تحریک کا پہلا مرکز دہلی قرار پایا مولانا مملوک علی کی ریاست میں مرکز کی کمیٹی
- کا قیام
- ۱۸۱ مولانا مملوک علی
- ۱۸۲ مولانا مظفر حسین
- ۱۸۳ مولانا امداد اللہ
- ۱۸۴ ترکی سلطنت سے اتصال کے اسباب
- ۱۸۵ دہلی کی شاہی حکومت کے زوال پر تحریک کا مرکز دیوبند بن گیا
- ۱۸۶ دیوبندی جماعت کا سیاسی مسلک

- مولانا محمد قاسم ۱۸۶
 مولانا رشید احمد ۱۸۷
 مولانا محمود حسن ۱۸۸
 جملہ معترضہ: دوسرے دور میں تحریک و محنتوں میں منقسم ہو گئی الصدا الحمید ۱۸۹
 کی جماعت جو یونیدی کہلاتے ہیں مولانا ولایت علیؒ کی جماعت جو صا و پوری
 مشہور ہیں مولانا تذکرہ حسین اور نواب صدیق حسن صا و پوری پارٹی سے
 تعلق رکھتے ہیں
 مولانا نذیر حسین دہلوی ۱۹۶
 نواب صدیق حسن خاں ۱۹۷
 مولانا ولایت علیؒ کی پارٹی کے متعلق مولانا شمس الحق کی تصریح ۱۹۸
 محاربہ دہلی میں الصدا الحمید کی پارٹی میں انشفاق ۲۰۰
 مولانا شیخ محمد تھانوی ۲۰۱
 جملہ معترضہ: ارتجاعی عناصر سے پارٹی کو صاف رکھنا سب سے پہلا کام ہے۔ ۲۰۲
 مولانا محمد قاسم کے ذمے سے مرکز حجاز سے دیوبند کو منتقل ہو گیا ۲۰۳
 پہلے دور کے معارف حقیقی فقہ کی پابندی سے شائع کرنا اور کابل و پشاور
 میں اپنا سیاسی وقار قائم رکھنا دیوبندی حزب کا اساسی مسئلہ ہے۔ ۲۰۴
 مدرسہ دیوبند حکومت انگریزی کے مصالح سے بغیر جانبداری برتنے گا۔ ۲۰۵
 مدرسہ دیوبند کی تاریخ کا پہلا دور مولانا رشید احمدؒ کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ ۲۰۶
 دوسرا دور شیخ الہند مولانا محمود حسن کی ریاست میں ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۳۵ھ ۲۰۷
 تک جس پر حکیم الہند کی تحریک کا دوسرا دور ختم ہو گیا۔ -
 حزب دہلی فقہ کا دوسرا دور اگر امام عہدِ عزیز کے وفات سے شروع کیا جائے ۲۰۸
 تو شیخ الہند کی وفات پر ایک صدی پوری ہوئی۔ -

- مولانا شیخ الہند کا پہلا کام شوکرالانصار کی تنظیم - ۲۰۹
- مولانا شیخ الہند کا دوسرا کام درجہ تکمیل کا افتتاح جہیں امام ولی اللہ کی نفی ۲۱۰
- اور مولانا محمد قاسم کی کتابیں نصاب بنا کر پڑھائی جائیں گی - -
- مدرسہ دیوبند کو دارالعلوم بنایا دارالحدیث کو اس کا مرکزی کالج قرار دیا ۲۱۰
- حریہ عمومی میں جمعیتہ الانصار کے توسط سے اپنی پارٹی کی پوری طاقت کو ۲۱۰
- خلافت اسلام کی تائید میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا - -
- مولانا شیخ الہند کی مذہبی تحریک سے دنیا کی انقلابی تحریک اور ہند کی ۲۱۱
- تحریک آزادی متاثر ہوئی۔ اس پر مستقل کتب انگریزی میں لکھی جائیں گی۔
- الصدر امجد نے عربی امام ولی اللہ کے دوسرے دور کو دولت عثمانیہ کے
- اشتراک سے شروع کیا تھا۔ دولت عثمانیہ کے زوال پر دوسرا دور ختم ہوا۔

تفسیر ادوار

- دولت عثمانیہ کی شکست کے بعد مولانا شیخ الہند نے ہندوستانی تحریک کو اپنا ۲۱۲
- مستقل موضوع بنالیا۔ - - -
- مولانا شیخ الہند کے ارشاد اور عمل سے ہم تیسرے دور کے لئے اپنا مستقل ۲۱۳
- پر وگرام استنباط کرتے ہیں۔ - - -
- مولانا شیخ الہند اس سیاسی دور کے فاتح ہیں جو رولٹ ایکٹ کی کھینچ ۲۱۴
- کے بعد کانگریس میں انقلابی عنصر لایا۔ - - -
- تم کتاب بحمدہ تعالیٰ

عرضِ حال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادَةِ الذِّیْنَ اَصْطَفٰی
 اَصَابِعُ۔ ۱۹۱۵ء میں ہسم کابل پہنچے چونکہ یہ سفر ہم نے حضرت مولانا شیخ الہند
 قدس سرہ العزیز کے فیصلے کی تعمیل میں اختیار کیا تھا۔ اس لئے وہ تاریخ ہند کا ایک
 اہم تاریخی واقعہ بن گیا۔ غالباً ڈاکٹر سر اقبال نے "حضرت راد" میں ہمارے ہی حضور و سفر کا ذکر کیا
 ہے۔ مصرعہ ۱۔

وہ حضرت بے برگ و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل
 کابل میں ساٹ برس رہ کر ہم نے اس مسئلے کے سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔
 کہ ہندوستان کی تاریخ کا آج کی دنیا سے کیا تعلق ہے؟ ہمیں آہستہ آہستہ محسوس ہونے
 لگا کہ ہمارے ملک میں چند نفوس عالیہ حقیقت شناس تو ضرور موجود ہیں جنہوں نے فراموش
 خدا واد سے تاریخ کو صحیح طور پر سمجھ لیا ہے۔ یا جنہوں نے یورپ میں رہ کر دنیا کے انقلاب
 کا مطالعہ کیا ہے۔ ورنہ عام طور پر غمگین۔

میں خواب ہیں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

کے مصداق ہیں۔

اس کے بعد جب ہم نے یورپ پہنچ کر انقلابِ فرانس اور اسکے نتائج کا عمیق مطالعہ شروع کیا، تو ہمیں اضطراب کے اُس سمندر میں، جو عالمگیر کے بعد تاریخی ہند میں موجیں مارتا تھا، روشنی کا ایک بینا نظر آیا۔ وہ امام ولی اللہ کی اجتماعی تحریک تھی جس کے انقلابی اصول ہم نے مکہ معظمہ میں بیٹھ کر متعین کر لئے۔

بفضلہ تعلیٰ اس قدر وسعتِ فہم پیدا ہونے کے بعد ہم امام ولی اللہ کی تحریک کو کارل مارکس (KARL MARX) کے نظریات (THEORIES) کے مقابلے میں دنیا کے لئے زیادہ مفید ثابت کر سکتے ہیں۔ اسکے نتیجہ کے طور پر جو انقلاب ہمارے دماغ میں پیدا ہوا، اس کا لامنی اثر ہے کہ واقعہ بالاکوٹ کے بعد جس قدر نئی تحریکیں ہندوستان میں پیدا ہوتی رہیں، اُن میں سے کسی ایک کو بھی ہم صحیح نہیں مانتے۔

اس وقت ہم اس اجتماعی تاریخ کے ایک مختصر مکتبہ کا تعارف کرانا چاہتے ہیں، جس میں امام ولی اللہ سے شیخ الہند تک اہم واقعات کا اشارہ ذکر کر رہا ہے اسے مقدمہ تاریخِ حزبِ ولی اللہ (حزبِ ولی اللہ کی تاریخ کا مقدمہ) کہا جائے گا امام ولی اللہ کی فلاسفی کی حقیقت جس طرح ہم سمجھتے ہیں۔ اُسے ہم ہرگز سمجھا نہیں سکتے جب تک اس تحریک کی تاریخ نہ پڑھا لیں۔ ہمارا یہ مقدمہ اس تاریخ کے لئے تمہید کا

کام دے گا۔ اصل میں یہ کام (یعنی وطنی تاریخ کی تحقیق) ہمارے ذہنِ نوجوانوں کا ہے اگر وہ ادھر متوجہ ہوئے۔ تو ہمارے اس فکر کی بنیاد پر ایک ہسٹریکل لٹریچر کھڑی کر دیئے۔

مقدمہ تاریخِ حزبِ ولی اللہ کی اجمالی فہرست

حکیم الہند امام ولی اللہ نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۲۲ھ (۵ مئی ۱۸۰۳ء) سے دہلی کے مفاسد کو ختم کرنے کے لئے قوگلا علی اللہ اپنی ذمہ داری پر ایک مستقل انقلابی تحریک شروع کی جس کا فیصلہ کیا۔ غالباً اس سے پانچ سال پہلے وہ اس مطلب کے لئے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ۱۲۳۹ھ میں شروع کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

تاریخِ ہند کا یہ عظیم الشان واقعہ انقلابِ فرانس سے (۵۸) سال پہلے ہو گزرا

ہے۔

حکیم الہند نے اپنا نصب العین معین کیا اپنے پروگرام کی تدوین کی۔ جمعیتِ مرکزیہ بنائی اور اس کی شاخیں ملک میں پھیلیں۔ اس طرح حزبِ ولی اللہ ایک مسلم پارٹی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس نے حکومتِ موقتہ (Provisional Government) بنائی۔ لیکن ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۲۲ھ (۶ مئی ۱۸۰۳ء) بروز جمعہ کو بالاکوٹ کے محکمہ انتہائی میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس صدی میں اس تحریک کے لئے تین امام ظاہر ہوئے اور ایک ادارت منعقد ہوئی

- (الف) امام ولی اللہ ۱۷۳۱ تا ۱۷۶۳ ء
 (ب) امام عبد العزیز ۱۷۶۳ تا ۱۸۲۴ ء
 (ج) امام محمد شحات ۱۸۲۴ تا ۱۸۴۶ ء
 (د) حکومت موقتہ کے امیر شہید سید احمد ۱۸۲۶ تا ۱۸۳۱ ء۔
 اس سال اس تحریک کا پہلا دور پورا ہوا۔

اس دور میں حزب ولی اللہ میں ایک ایسا انسان بھی پیدا ہوا۔ جو نہ امیر تھانہ امام
 لیکن اپنی مجاہدہ زندگی اور شہادت سے اپنے جد امجد کی تحریک کو زندہ کر گیا۔ وہ
 مولانا محمد اسماعیل شہید بن عبد الغنی بن ولی اللہ ہے۔
 اس تحریک کا دوسرا دور امام محمد شحات ۱۸۳۱ ء سے شروع کیا۔ آپ
 ۱۸۳۱ ء تک دہلی میں رہے۔ اور ۱۸۳۱ ء تک مکہ معظمہ میں۔ دہلی میں ان کا نائب مولانا
 مملوک علی، ان کے بعد الامیر امداد اللہ بارہ برس دہلی میں رہے یعنی ۱۸۵۹ ء تک۔
 ان کے بعد مکہ معظمہ میں۔

ان کا پہلا نائب یعنی مولانا محمد قاسم ۱۸۵۹ ء تک، پھر مولانا رشید احمد ۱۹۰۵ ء
 تک۔ شیخ الہند مولانا محمد الحسن ۱۹۲۰ ء تک۔

اس سال تحریک مذکور کا دوسرا دور ختم ہوا۔
 تیسرے دور کو مولانا شیخ الہند نے ۱۹۲۰ ء سے تھوڑا عرصہ پہلے شروع کیا
 ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ ء ہندی بیت الحکمتہ دہلی
 علیہ اللہ بسندھی
 ”ومتی اھم العامۃ قہم فونی“

عرض مرتب

کَمُتَبِّعٍ نَّعْرًا إِلَىٰ انْزِلِ خَبِيرًا

زیر نظر مقالہ، حضرت مولانا غم فیضیہم نے خود اپنے قلم سے ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو شروع کر کے ۲۵ اکتوبر کو ختم کیا مقالہ جدید حقائق کا مرقع ہونے کے علاوہ مجھ کی ہوتی تاریخ کا تذکرہ، اور محنت کردہ واقعات کی اصلی تصویر ہے۔ اس سے اس میں غلاق کا پیدا ہونا ضروری امر تھا۔ ساتھ ہی حضرت نے مقالے کو مختلف قطعات کی صورت میں قلم بند فرمایا۔ بنابر یہ میں نے محسوس کیا کہ خود حضرت مولانا سے سبقا پڑھ کر ہی اسکو حل کیا جاسکتا ہے چنانچہ حضرت نے کمال شفقت سے مقالہ مذکور مجھے ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۱ء سے پڑھانا شروع کیا جو تین مجلسوں میں ۲۶ اکتوبر کو ختم ہوا۔ شکل و مقل مقامات پر جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں ساتھ ساتھ قلمبند کرنا چاہا یا بعد ازاں حافظے سے کام لیکر صفحہ قرطاس پر لے آتا ایسے تمام مقامات پر میں نے حضرت کا حوالہ ضروری سمجھا۔ اسکے علاوہ حضرت کی کتاب التہدید والتمیہ التجید جلد سے میں نے ضروری اقتباسات جا بجا نقل کر کے اشکال کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسکے ماسوا نامہ نجی مستندات سے بھی مناسب مقامات پر حوالے نقل کر کے واقعات کی توضیح کی گئی ہے بعض مقامات پر تکرار محسوس ہوگا

مگر جو انہی میں ہونے کے علاوہ اس قبیم کے فراموش شدہ حقائق و واقعات، اور محرف
کرۃ تاریخ میں تکرار گوارا کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ تحریف کا پرانا داع کسی صورت سے
برسٹ سکے۔

اس اہم کام میں جس قدر محبت اور روا رومی برقی لگتی ہے۔ وہ اس سے
ظاہر ہے کہ اتنا بڑا تاریخی، علمی، اور حکمت کا خزانہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شروع ہو کر ۱۱ نومبر
کی سحر کو ختم ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مجھے اپنے ذاتی اور منصبی فرائض
کے ادا کرنے سے بھی چارہ نہ تھا۔ زیادہ وقت اُدھر صرف کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات
میں ان تمام کوتاہیوں کو میں اپنے ذمہ لیتا ہوں جو ناظرین کرام کو مقالے کی ترتیب
و تالیف میں نظر آئیں گی۔

نہ ظلم، نہ برگ سب نرم، نہ درخت سایہ دارم
ہم حیرتم کہ دھتک لہجہ کار کشت مارا؟

ہذا ما لنم

محمد نور الحق العلوی

تاج پورہ لاہور



حزب ولی اللہ کا پہلا دور حکیم الہند امام ولی اللہ

۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۶ھ

جس سال عالمگیر کے تخت پر سلطان محمد شاہ ممکن ہوئے۔ اسی سال دہلی کے

۱۔ شاہ ولی اللہ کا زمانہ | بتا بیخ ۱۵ ذیقعد ۱۱۳۱ھ بروز شنبہ سریراٹے دارائی ہند گردید۔
تا ۱۱۶۶ھ۔ یہ لقب ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ ملقب گشت۔ وازمیان
نام مبارکش نرخ غلہ ارزانی گرفت۔ و مقرر شد کہ ابتدائے سال سلطنت محمد شاہ بعد از عزل غریب میر
(کہ بر وڑچہاوشنبہ ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ حوقوع پذیریت) نو سیند۔ و ایام فرت کہ ہفت ہشت
ماہ۔ از زمان سلطنت فیض الدراجات و فیض الدولہ و خروج نیکو سیر لود۔ اعتبار نہ نمایندہ سیر التاخرین
پیشیہ اتفاق ہے کہ امام ولی اللہ در سلطان کی ولادت کا سال ایک ہے۔ صرت جینیہ کا
فرق ہے۔ شاہ صاحب کی ولادت ماہ شوال میں ہے اور سلطان غالباً ماہ ذیقعد میں پیدا ہوئے۔
و بھوتہ تاریخ و کالہ اللہ دہلوی۔

امام ولی اللہ کی ولادت بروز چہار شنبہ ۱۳ شوال ۱۱۱۱ھ اور وفات ۱۱۱۶ھ ہوئی۔ اور سلطان محمد عالمگیر کی وفات بروز جمعہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۱۶ھ ہوئی۔ اس صاحب شاہ صاحب کی ولادت سلطان محمد کی وفات سے چار سال پہلے ہوئی۔ اور شاہ عالم ثانی نابینا کھول بادشاہ (چوٹا شاہ) سے ۱۱۱۶ھ تک تخت و تاج پر تھیں رہا۔ کے عہد میں آپ کا انتقال ہوا۔

بنابر شاہ صاحب کو دس سلاطین دہلی کی سلطنت دیکھنے کا اتفاق ہوا یعنی ۱۔ عالمگیر اعظم ۲۔ بہادر شاہ اول ۳۔ مغل الدین جہاندار شاہ ۴۔ فرخ سیر ۵۔ فرخ الدراجات ۶۔ فرخ الدولہ ۷۔ محمد شاہ ۸۔ احمد شاہ ۹۔ عالمگیر ثانی ۱۰۔ شاہ عالم ثانی ۱۱۔ آخر الذکر نابینا سلطان کے عہد میں شاہ صاحب کی وفات سے تقریباً دو سال بعد کلاں نے بمقام الہ آباد بنگال و بہار اڑیسہ کی دیوانی بادشاہ سے لے کر کمپنی بہادر کے حوالے کی۔ سیر المتاخرین میں سے قرآن اسٹوڈیو دیوانی ہر سہ صوبہ بنگال و بہار اڑیسہ بنام کمپنی بہادر انڈیز شجاع الدولہ بادشاہ دکنہ علم و فہمست نمود چار ناچار قبول نمودہ بروز غن و خواہش او فرامیں اسٹوڈیو ششہ وادندہ۔ نیز و کچھ تا مینج و کاء اللہ ص ۳۱۳۔

دہلی میں محمد شاہ کی سلطنت جس اضطراب گذر رہی تھی شاہ ولی اللہ اس کو اچھی طرح جانتے تھے۔ حجاز میں رہ کر سلطنت عثمانیہ اور دوسری اسلامی حکومتوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ آپ ایک خط میں لکھتے ہیں: "احوال ہند بڑی فتنی نیست کہ خود مولد نشاء فقیر است۔ بلاد عرب نیز دیدیم۔ واحوال مروج ولایت از ثقات اسما شہیدم کہ کتاب تہذیب نے اللہ التجدیہ الذمہ لہا غم فہیم۔"

تاریخ ہند کا عالم جانتا ہے کہ مذکورہ بالا سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو کم و بیش خیر و اقبال و حوادث سے گزرنا پڑا۔ مساوات ہایہ کا تسلط۔ فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بعد کسی قید میں رہنا۔ پھر تورانی امرا کے ہاتھوں مساوات ہایہ کا زوال۔ مرہٹوں کی بغاوت اور انکا عروج۔ سکھوں کی بغاوت اور شاہ کی بغاوت۔ اور دہلی میں قتل عام۔ احمد شاہ ابدالی اور مرہٹہ پانی پت میں حق کا باطل پر غلبہ۔ سیاست ہند میں روہیلوں کی شرکت و مسابقت۔ ایرانی و تورانی امراء کی رقیبانہ چقیلش ہندوستان میں یوں

مناض صوفی، عالم و مولانا عبد الرحیم بن دحبہ الدین العمری دمشقی (۱۱۳۱ھ) کے
مدرسے میں حکیم الہند نام ولی اللہ دہلوی اپنے باپ کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے
۱۱۶۹ھ تا ۱۲۳۱ھ کا واقعہ ہے۔

۲۔ حکیم الہند نے بارہ برس بڑھاتے ہیں صرف کئے جو کچھ اپنے والد اور ان کے رفقاء

اقوام کی لپٹائی ہوئی تھیں پھر انگریزوں کا نکال دیہار وغیرہ میں حمل و قتل، اور اس قسم کے کئے
انقلابات شاہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

ظاہر ہے کہ ان لمذہ خیر حوادث کا اثر دہلی پر پڑا۔ جوشاہ صاحب کا مستقر تھی۔ اس سے
آ نکلتا رہنا لازمی امر ہے۔ انہی واقعات و حوادث کے پیش نظر انہوں نے اپنا انقلابی نظام نامہ
حکومت مرتب کیا۔ اسی انقلابی دستور عمل کی نمائندگی مقالہ زیر بحث میں کی گئی ہے و باریک النظر
۱۔ قلت وقد تحقق عندی ان الشیخ الاجل عبد الرحیم بن عبد بنی ورافیق
والقید الزیید عوالیہ الامام ولی اللہ ۱۱۳۱ھ التمسید فی انتماء القید ۱۱۳۱ھ
۱۱۳۱ھ چوں سال پنجم وراوند فقیر بکتاب نشست۔ و در سال ہفتم والد بزرگوار برنا زایا سادہ
کردند۔ و بروزہ وافتخار فرمودند، و ظہیر نیز دریں سال واقع شد۔ و خیال و خاطر ماندہ است۔ کہ
آخر ہمیں سال فرار از حظیم ختم کردم۔ و در سال دهم شرح ملا جامی سے خواندم۔ و راہ مطالعہ فی الجملہ
نشاد۔ و سال چهارم و پنجم ترمیم صورت گرفت۔ و دریں معنی والد بزرگوار غایت استعجال کردند۔ و
پانزدہم سال بود کہ با والد بزرگوار بحبت کردم۔ و بہ اشغال صدیقیہ خصوصاً نقشبندیہ مشغول
شدم۔ و ہماں سال طرفے از بیضادی خواندم و حضرت والد بزرگوار طعام و افرہیا ساقتند و خواص
عوام را دعوت فرمودند۔ و فاتحہ اجارت و کس خواندند۔ و بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم ایراد
در سال پانزدہم فرغ حاصل شد۔ و در سال ہفتم اندر فقیر حضرت ایشاں رحمت حق پوریتند و جزو لطیف
۱۱۳۱ھ بعد از وفات حضرت ایشاں فقیر۔ و از دو سال کما بیش برس کتب دینیہ و عقیدہ موافقت نمود
و در ہر علمی حرم واقع شدہ (جزو لطیف)

سے سیکھا تھا۔ اسی میں سے قرآنِ عظیم کا ترجمہ اور حکمتِ عملیہ اور اشراقِ قلبی سے علمی حقائق کا انکشاف بھی توجہ کا خاص مرکز بنے رہے۔ اس فکرِ عمیق سے وہ دہلی کی سوسائٹی کا مطالعہ کرتے رہے۔ اُس زمانے کی دہلی میں ایک طرف خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ تو اس

فتح الرحمن

از مننِ غلطی بریں فقیر آں بود کہ چند بارہ در مدرسہ قرآن مجید باتدر بر معانی و شانِ دخول و رجوع بہ تفاسیر نجدت ایشان حاضر شدم۔ و این معنی سبب

فتحِ عظیم افتادہ جزو لطیف

والد بزرگوار غالباً در حلقہٴ یاران۔ دول از مملکت سہرورد در مدرسہ رکوع بہ تذبیر و بیان معانی آں می خوانند (انفاس العارفین)

تقریباً ترجمہ زیر اورین در ۱۳۴۵ھ و شروع ترجمہ قرآن در ۱۳۵۰ھ و اختتام فتحِ ارکان در ۱۳۵۵ھ و افتتاح تدریس فتحِ ارکان در ۱۳۵۸ھ تا ہوا صاحبِ فتحِ ارکان کے شروع میں لکھا ہے کہ حج سے واپس آکر [اور سوا اٹل ۱۳۵۸ھ جزو لطیف] پانچ سال بعد ترجمہ لکھا گیا۔ اور گیارہ سال بعد پہلی بار اس کی تعلیم شروع ہوئی اس سے مرزا حیرت و طبری کی ایک غلطی نمایاں ہو جاتی ہے وہ لکھتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے ترجمہ قرآن لکھا۔ اس سے دہلی میں اس قدر شوش برپا ہوئی کہ وہ حج کے لئے مجبور ہو گئے۔ کتاب التہبید از مولانا غم فیضیہم۔

[خاندک] [شاہ ولی اللہ اور تعنیات الہیہ ۱۳۵۸ھ میں اپنے زمانے کی تین چیزوں کو خصوصیت ذکر کرتے ہیں۔ (الف) البرہان [عقل حکمت عملی اسکا ایک شعبہ ہے] و ذائد الاختلاط علوم البیونانین و اشتغال القدم بالکلام (ب) الوجدان [اشراق قلبی کشف] اس زمانے کے لئے یہ عنوان اس طرح بنا کہ ہمارے زمانے کے لوگ شرقاً و غرباً صوفیہ کے علوم قبول کرنے پر مجتمع ہو چکے ہیں یہاں تک کہ ان کے اقوال اور حالات کتابِ اسنت کی نسبت لوگوں کے قلوب زیادہ چپاں ہوتے ہیں۔ بلکہ عامۃ الناس کوئی چیز ان کے رموز و اشارات کے بغیر قبول کرنے لقیہ صفحہ ۱۴ - (ض ۲) بر صفحہ ۱۴، ۱۵ دیکھو۔

کو تیار نہیں ہیں۔ ختم انکو ہر مودہ ہر و نشانہ فقہہ او کان مذہب علی جانب خانہ لا یقبل دلائل من الصالحین۔ (ج) رسول اللہ صلی وسلم سے منقول علوم [نقل قرآن عظیم علی انحصار] جن کا عنوان ہے "السمع" و ذالک لدخولہم فی مللہ الا سلامیہ تم ان تین امروں کے ماسوا اس زمانے میں "اتبع کل ذی دلیہ" کا مرض بھی پیدا ہو چکا تھا، حالت یہ تھی کہ کوئی شخص مشکلات کو حل کرنے کے لئے کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ ہر کہ ویر اپنی سمجھ کے مطابق احکام شرعیہ کے معانی اور اسرار پر بحث کر لیتا ہے اور عقلیت کو اس تمام معاملہ میں اصل قرار دیتا ہے۔ ورنہ ترقیہ احد ا یقین علی المتشابہات وما اشکل علیہ من العلم ورنہ تراحدنا الا وینحوض فی فقہ معافی الاحکامہ والسمارہا۔ ویسمیل فی ذالک الی المقبول وصار کل رجل مذہب حسب ما فہمہ اسی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ اہل عصر فقہ کے مختلف اصناف میں اختلاف کر رہے ہیں خصوصاً خفیہ اور ثنائیہ۔ اور ہر فرقہ اپنا سا تذو کے لئے تعصب بڑھاتا ہے۔ اس سے ہر مذہب میں تخریجات بڑھ گئیں اور تین مستور ہو گیا۔

یہ اس زمانے کا اچھا خاصہ نقشہ ہے، شاہ صاحب اپنی تجدید کو انہی امور کی اصلاح سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ کما قال۔ فکان من جود اللہ ورحمۃ و لطفہ و حکمۃ ان جعل نفسیر ہذا الوعی للشیخۃ بوجہ لوامعنا فیہ لا ضلعل اختلاف ہ

حکمت عملی مولانا شیخ مظہر العالی نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو اسکی تشریح میں مجھے فرمایا کہ حکمت عملی سے مراد مطلق حکمت عملی ہے قرآن عظیم کی حکمت عملی یہ شاہ صاحب اپنا استخراج اور فیصلہ ہے۔ بالفاظ دیگر اس حکمت عملی کو قرآن کے قواعد کا ذریعہ بنانا یہ انکا اپنا ذاتی اساسی فکر ہے کیونکہ بلاغت کے ذریعے قرآن کا تعارف کرانے سے یہ سوسائٹی دور ہو چکی ہے بلاغت کے علوم پڑھتے پڑھتے اُلکی عمریں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور قرآن حکیم کو ہاتھ تک لگانا نصیب نہیں ہوتا۔

اکبر کے دور سے ہندوستانی سوسائٹی حکمت عملی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئی۔ ابوالفضل

کے ساتھ بھی تک ایک خوبی بھی یقیناً باقی تھی۔ طبقہ امراء میں آصف جاہ جیسا فرزانہ اور طبقہ محرفیہ میں مرزا محمد مظہر جیسا نجان اسی زمانے کی یادگار ہیں شہر میں مختلف گتھانے اور باکمال اساتذہ موجود تھے۔ گویا ایک مفکر کے لئے کافی وسیع میدان موجود تھا۔

تھے اکبری دربار میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ دربار اکبری کی، اور ہندوستان کی ہنیت اجتماع کی تاریخ لکھتا ہے۔ اس تاریخ کی اساس حکمت عملی ہے۔ وہ اکبر کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ اسی نقطہ نظر سے اپنی فرمانروا کو دنیا میں اپنے عہد کا بہترین انسان ثابت کرنا چاہتا ہے یہی فکر سلطان محمد شاہ ملک و دربار شاہی میں غالب رہا۔

بابریں شاہ صاحب نے اپنے شہر کی اعلیٰ اسوسائٹی کو قرآن کی طرف متوجہ کرنے کے لئے جو راستہ بنایا ہے ہمیں بہت زیادہ کامیابی کی توقع ہے۔ اکبر کے عہد کے حکمت عملی میدان میں آچکی تھی شاہ صاحب اسی کے پیش نظر قرآن کو سامنے لے آتے ہیں۔

دہنیتوں کی تبدیلی صدیوں کو دونوں کی طرح طے کرتی ہے۔ جو کام ایک انسان ایک دن میں کر سکتا ہے اگر اسی کی جماعت کی دہنیت کو بدل لکھ ہم وہی کام کرنا چاہیں تو اس میں سو برس ختم ہو جائیں گے۔

ہمارے خیال میں ہندوستانی مسلمانوں میں آج تک دوسری مسلم اقوام کی نسبت قرآن عظیم کی طرف جس قدر زیادہ توجہ پائی جاتی ہے، ان صدیوں کی پیچمنشوں کا نتیجہ ہے۔

محمد نور الحق عفرلہ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۱ء

۱۔ آصف جاہ اولیٰ جھنڈ نظام کا بدمعاش ہے سلطان عالمگیر کے دربار کا پروردہ اور سربراہ ورڈ ہے عالمگیر کی سلطنت ختم ہو گئی مگر آصف جاہ کی اولاد اب تک حکمران ہے آصف جاہ نے دہلی کی سلطنت کو تقویت دینے کے لئے سکیم تیار کی وہ اپنی عقل اور دانش کو دربار محمد شاہ کی تقویت کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا، لیکن ناکام رہا اس پر اس نے اپنی عقل کو خود اپنی شخصی ترقی و ترفیع فقید پر صفحہ ۱۹۔ ۱۹ صفحہ ۱۹۔

کے لئے لگا دیا جس میں وہ کامیاب ہوا۔ محمد شاہ ابتدا میں اس کا طر فدار تھا، مگر بداندیشی
 و درباریوں نے بادشاہ کو آصف جاہ سے بدظن کر دیا۔ بعد ازاں اس نے خود اپنے لئے جو کچھ
 کرنا تھا کیا۔ پہلے وہ اپنی تمام قوتیں و دربار کے لئے صرف کرنا چاہتا تھا۔ مولانا۔

سیکلمان ندوی مقدمہ سیرت سید احمد شہید ص ۱۱ میں لکھتے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم کے مکان
 کا ایک خہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانہ میں میری نظر سے گذرا، اس میں آپ کا ایک خط
 نظام الملک آصف جاہ اولی کے نام ہے جس میں انہوں نے نواب مرحوم کو مرثیوں سے جہاد
 کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آصف جاہ کے حالات اور اسکے کارناموں کے لئے سیر المتاخرین
 اور تاریخ ہند از ذکاء اللہ جلد نہم کافی ہے۔ وفات ۱۱۶۵ھ۔

۱۱۶۵ھ۔ مرزا مظہر جانجاناں شہید شمس الدین حبیب اللہ محمد وی قدس سرہ۔ از سادات
 عظام علوی است۔ باؤ اجداد سے از امرائے نامدار شاہی ہوئے۔ و قرابت بسلسلہ تیمور یہ
 دانستند۔ از ہر فن و علوم ظاہری بہرہ کامل حاصل نمود۔ پرشب چہار شنبہ مرحوم الحرام ۱۱۹۵ھ
 پاسے از شب گذشتہ بود کہ چند کس بردر و ازہ خالقہ دستک زدند۔ خادم عرض نمود کہ بعضی
 مردم پرلئے زیارت حاضر آمدہ اند۔ فرمود بپایند۔ ایں سکس اندروں آمدند۔ ازیشان یکے
 منغلخ ادہ بود حضرت مرزا را زخم قریب دل رسانیدہ قرار نمودند تا سہ روز بقید حیات بود و بر
 جمعہ بوقت شام جاں حق تسلیم کرد۔ ایں شب شنبہ بود و چچہ ایں وہم مرحوم الحرام ۱۱۹۵ھ
 خزینۃ الافعال

قال مولانا شیخ محمد قسیم فی کتاب التہجد النور الخامس فی تذکرۃ اصحاب
 الامام عبد العزیز دہلوی من المظہرین۔ فصل فی تذکرۃ قہم الطریقۃ
 الاحمدیۃ المجدیۃ الامام شمس الدین حبیب اللہ رحیم مظہر جانجاناں
 من القسوان الامام ولی اللہ الدہلوی قال الشیخ محسن فی الیام
 الجنی بعد ذکر الامام الدیانی الشیخ احمد السہروردی من اجلۃ صحابہ

المتأخرین قیم الطریقہ شمس الدین المظہر المعروف بجلال جان الشہید
الدهلوی من ذریعہ محمد بن الحنفیہ۔ کان ذاتصال کثیرۃ۔ قراء الحدیث علی الحاج
محمد افضل السیالکوتی۔ واخذ الطریقۃ المجیدۃ من اکابر اہلہا۔ وکار ولہ
فی اتباع السنۃ والفقوۃ المکشفیۃ نشان عظیم۔ شہدائۃ الصوفیہ والحدیث
بفضلہ وجلالۃ کشفیہ السیالکوتی وابی عبد العزیز والحاج فاخر الالہ لیاوی
ولہ شعر بدیع ومکاتیب نافعۃ۔ وامر المحدث محمد حیات السنک المسد فی علی
قوله بحرب العمل بالحدیث بشہرہ وان خالف المذہب۔ توفی بیلۃ عماشوراء
وقد اسرخ بعضهم عام وفاته بما ورد فی بعض الاحادیث عاش حمیداً ومات شہیداً
ومن اجلۃ اصحابہ القاضی ثناء اللہ الاموی ثم العثماني من علماء فاتی قتل بیلۃ
بقرب دہلی۔ کان فقیہاً اصولیاً زاهداً مجتہداً لہ اختیارات فی المذہب وتصنیف
عظیمہ فی الفقہ والتفسیر والزہد وکان شیخ المظہر لفتی بہ انتہی۔ قلت
لصاحب الامام حبیب اللہ محمد مظہر والامام ولی اللہ احمد کلاخوین المترا^{ضی}
المناصرین۔ ولا یزال الدہلی بیاختارہا علی اہل بلادہ۔ توفی فی الامام محمد مظہر فی سنۃ ۱۱۹۵
شہیداً باقتیال خدام بعض الشیعۃ من امراء دہلی۔

قال رہفی اللہ عنہ

ہر لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ این مشق را جز بے گناہی نیست تعقیبے
امیر روایات میں ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی قتل میں نجف علیجاں حاکم
وہابی کا ہاتھ تھا۔ جو نہ ہیا۔ فسخی تھا۔

بحوالہ نش۔ م۔ صفحہ ۲۴۶

۳۰۔ امام علیؑ نے اپنے اس بارہ برس کے مطالعے میں اصلاحی پروگرام کے دو اصول معین کر لئے:-

(الف) علمی اصلاح کے لئے قرآن عظیم کی حکمت عملی کو اسکے معجزہ ثابت کرنے کا عنوان بنانا۔

(ب) دولت و ملت کے تمام اخلاقی اور علمی مفاسد کا مرجع اور مدار، اقتصادِ عدم توازن کو قرار دینا۔

۳۱۔ وہ اپنے فن کو مدلل کر کے، اُسے قوم میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے جس قدر علم حدیث کی ضرورت انہیں محسوس ہوئی وہ دہلی میں حاصل نہیں

نظر یہ اعجازِ قرآن | قرآن حکیم ہا ترجمہ انہوں نے سفر حج سے پیشتر شروع کر دیا تھا۔ تصدیق ترجمہ

ترجمہ ادین اللہ میں ہوئی یہ کتاب تہیہ۔ لیکن آئندہ اسی مقالہ میں تصریح فرمائیں گے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کا کام غالباً ۱۱۳۱ھ میں شروع کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

فلسفی مزاج مدعیان اسلام نے بہت پہلے اس اعجازِ قرآن کو جو عربی بلاغت سے وابستہ ہے۔ چنداں اہمیت نہیں دی۔ اس پر ان کے مخالفین نے بہت کچھ لے دے کی ہے لیکن اگر

ان اقوال کی یہ توجیہ کی جائے کہ عربی اقوام چونکہ عربی بلاغت کے سمجھنے سے قاصر تھیں اس لئے ان کے سامنے اعجازِ قرآن کا معیار عربی بلاغت نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ان اقوام کے لئے اعجاز کا

معیار کوئی دوسری چیز بنا ضروری ہے۔ قویہ قول قابل قبول ہو سکتا ہے عبد الرحیم خیاط معتزلی عالم کتب

”الانتصاف“ میں نقل ہے: وکلن النظامہ ابراہیم بن سید: یزید عماد بن قطر القہاق و تالیفہ لیساً بحجۃ للبنی صلی اللہ علیہ وسلم: وان انخلق بقدرہ: و علی مشدہ

ابوالعلاء احمد معتمدی نے ایک کتاب اسی باب میں لکھی ہے جس کا نام ”اصطوحۃ“ ہے یعنی خدا تعالیٰ نے از جانب خود قوائے بشریہ کو معارفہ قرآن سے روکا ہوا ہے ورنہ انسان

ایسا قرآن بنا سکے۔ وقال فی ذالک ان النعم انکم یخیرق العاوة یا فضلکم حتی صالکم معجز
 للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لان کل قصیم وبلیع قادر علی الاتیان بشئہ الا انہم
 معوا من ذلک لا ان یکون القرآن فی نفسہ معجز الفصاحتہ۔ وھو مذهب
 لجماعۃ من المتکلمین والرفضة منهم لبشر المرطبی والمرقنی البراقسم مد
 معجم الادب علی اقوت المحوی ص ۱۳۹ ۱۲ محمد نوری علیہ السلام

اقتصادی توازن عام طور پر تصوف فلسفہ اخلاق سے شروع کیا جاتا ہے۔ اقتصاد
 ضروریات حیوانی وندگی کے لئے بیشک ضروری مانی جاتی ہیں لیکن
 انسانیت سے براہ راست انکا تعلق نہیں مانا جاتا۔ اس نے ہماری سیاست کو کھوکھلا کر دیا ہے
 ہمارے بڑے عقلمند اور زیادہ بااخلاق صوفیہ سب کے سب اجتماعی سیاست سے دور رہتا اپنا
 کمال سمجھتے ہیں اور یہ کتب تصوف کی سب سے بڑی کوتاہی ہے۔ مگر شاہ ولی اللہ اس اصول کو حجتہ اللہ
 میں متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے سمجھاتے ہیں چنانچہ حجتہ اللہ ص ۱۷ میں فرماتے ہیں: اگر
 کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری ہے تو اسکی صنعت و حرفت اعلیٰ کمال پر پہنچ جاتی ہے
 اسکے بعد اگر حکمران جماعت، آرام و آسائش، اور زینت و تفاخر کی زندگی اپنا شعار بنالے
 تو اسکا بوجھ قوم کے کاربگیر طبقات پر اتنا بڑھ جائے گا کہ سوسائٹی کا اکثر حصہ حیوانوں جیسی زندگی
 بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اسوقت برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے انکو
 اقتصاد کی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اسوقت وہ گدہ گدوں اور بلیوں کی طرح صرف روٹی کمانے
 کے لئے کام کریں گے جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدائے تعالیٰ انسانیت
 کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور الہام کرتا ہے یعنی ضروری ہے کہ قدرت
 الہیہ انقلاب کے سامان پیدا کر کے قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے چنانچہ
 کسری و قیصر کی حکومت نے ہی قہرہ (آرام و آسائش، رفاهیتہ بالغنا) اختیار کر رکھا تھا
 اس مرض کے ازالے کے لئے امتین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا۔ فرعون کی ہلاکت

ہو سکتا تھا۔ اس کی تحصیل تکمیل کے لئے انہوں نے سفر حجاز اختیار کیا۔ کامل اساتذہ کی صحبت، اور اعلیٰ علمی کتابوں کے مطالعے سے دو سال میں انہوں نے حدیث

اور قیصر کسری لڑکی تباہی اسی اصول پر لوازم نبوت سے شمار ہوتی ہے (۱) یہاں ضمنی طور پر مثالوں کے ذیل میں کہ دہلی کے بادشاہوں اور امیروں کی حالت بھی کسری و قیصر کے ٹک بھگ جا پہنچی ہے فرماتے ہیں۔ وما تدرأ من ملوٹ بلادک ینینک عن حکایاتہم

دوسرے موقع پر جہاں ربڑ سے بحث کی ہے (دیکھو ترجمہ اللہ بالغہ ص ۳۸) کہ اسلام نے ربڑ کو قطعی طور پر بند کر دیا ہے وہاں تفصیل سے بتایا کہ رفاہیت بالغہ کے مرض سے سوسائٹی کو محفوظ کر دینا ضروری ہے۔

اس طرح پورا فلسفہ نہایت اعلیٰ طریق پر مرتب ہو جائے گا انسانی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی نظام ایسا ہونا ضروری ہے جو انکا ضروریات کو پورا کرے اور اسکے بعد ان کے پاس کچھ وقت بچ جائے تاکہ وہ اپنے لطائف کی تکمیل کر سکیں۔ اقتصادی نظام کی درستی کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ انسانی اجتماعیت کے اخلاق مکمل ہونگے، اور ان اخلاق کی تکمیل ہی قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجات دلائے گی۔ پھر ان اخلاق کی تکمیل دوسرے درجہ پر جنت کی نعمتوں سے مستفید کرے گی۔ اور تیسرے درجہ پر جا کر اس کو ربوبیت رب العالمین کے لئے تیار کرے گی اگر اسے نبوت کا مقصد ٹھہرایا جائے اور جہاں نبوت نہ ہو وہاں انبیاء کے اتباع (صدیق و حکیم) ان کا کام کریں تو نبوت انسانیت کے لئے ایک فطری چیز بن جائے گی، اور یہی شاہ ولی اللہ کی خلافت کی روح ہے۔ مولانا محمد نور الحق علوی - ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء

۱۔ سفر حجاز۔ بعد ازاں، دوازدہ سال، شوق زیارت حرمین محترم میں دیر افتا - وید
آخر اللہ فقیر، بیچ مشرف شد و سال ۱۲۴۱ھ بمجاورت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ و اور فائز

وقفہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر لیا جو تجدید انقلاب کے لئے ایک ضروری امر ہے
اس کے ساتھ ان کی قوت اقتراق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت
سے استفادہ کا موقع بہم پہنچایا۔ فیوض الحرمین میں انہوں نے وہ فلسفی، سیاسی
اجتماعی فوائد جمع کر لئے ہیں جو اس طرح حاصل کئے۔

(بقیہ صفحہ ۲۳) از شیخ ابو طاہر قدس سرہ۔ وغیرہ از مشائخ حرمین محترمین مرفی گشت۔ و در
میان ہر وضع مندرجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ شدہ فیض ہایافت و بامتداد حرمین۔ از
علماء و خیراتباں صحبت ہائے رنگین افتاد۔ و مرقہ جامعہ شیخ ابو طاہر کہ حاوی جمیع خرق صوفیہ
توالت لغت۔ پوشیدہ۔ و آخر ایں سال حج گزارده سال ۱۲۴۰ متوجہ وطن مالموف شدہ۔ و روز
جمعہ چہارم جب در کنف صحت و سلامت بہ وطن رسید۔ و اما بدینعت ملائک فتح جبریل
مقدمہ مصفی ہیں ہے۔ اجتہاد در عصر فرض بالکفا یہ است۔ و مراد از اجتہاد
اجتہاد در ایں جانہ اجتہاد مستقل است بشکل اجتہاد شافعی کہ در معرفت تعدیل
در حج رجال و معرفت لغت و مثل آں ما محتاج شخص دیگر نبود۔ و ہم چنین در دلائل مجتہدانہ
مستوفی بارشلو کہ نہ بل معرفت احکام شرعیہ از اولہ تفصیلیہ و تفریح و ترتیب مجتہدانہ الگ
بارشاد صاحب مذہب بودہ باشند۔ و ام کہ تفہیم کہ اجتہاد در عصر فرض است بوجہ آں
است کہ مسائل کثیر الوقوع غیر محصور اند۔ و معرفت احکام اہلی در اں ہا واجب و اونچہ
مستور و مدون شدہ است غیر کافی۔ و در اں ہا اختلاف بسیار کہ بدین رجوع بادلہ حل
اختلاف آں نتوال کرد۔ و طرق آں بامجتہدین غالباً منقطع۔ پس بہ غیر عرض بر قواعد اجتہاد
راست نیاید۔ ص ۱۱ طبع قدیم۔

حضرت مولانا نے ۵۲۵ھ کو مجھ سے فرمایا، جب تک کوئی انسان اپنے
فکر مستقل اختیار نہ رکھتا ہو وہ کوئی انقلاب پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ استقرار فکر کے

تین درجے ہیں (اولیٰ اشرفیات میں خلافت راشدہ کو امام بنانا ضروری ہے جو شخص اپنے آپ کو اس سے بھی مستثنیٰ بنالے اور قرآن عظیم کو اپنے مستقل فکر و عمل کو ناپا پس ہے اسے مجتہدین میں شمار نہیں کرتے وہ دراصل اپنی موروثی ذہنیت کو قرآن کا لباس پہنا دیتا ہے۔ خلافت راشدہ کا انبیا کرنے والا ایک حکیم اگر اپنا مستقل فکر رکھتا ہے اور اس کے فکر میں اور خلافت راشدہ میں کوئی واسطہ نہیں آتا۔ اور وہ خلافت راشدہ کے دستور عمل کو پرکھ کر اپنے فکر سے تطبیق دے لیتا ہے تو یہ مجتہد مطلق مستقل، اس کی مثال ائمہ ثلاثہ ہیں۔ کیونکہ امام احمد کو ہم امام شافعی کے اتباع میں شمار کرتے ہیں۔ اگر امام شافعی کے مذہب کے ساتھ امام احمد کا مذہب ملا کر دونوں کیا جائے تو یہ ایک بڑی چیز ثابت ہوگا۔ جیسے صاحبین کا مذہب امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ملکر بہت بڑی چیز بن گیا ہے جس نے چار دلائل عالم کو مسخر کر رکھا ہے۔ قلت قال الشیخ فی کتاب التمهید ونحن نحسب ان مذهب الامام احمد قمة المذہب الشافعی۔ قال الامام ولی اللہ فی کتاب "الانصاف" ومنزلة مذهب احمد من مذهب الشافعی بمنزلة مذهب ابی یوسف وجمہل من مذهب ابی حنیفة الا ان مذهبہ لم یجہد فی التدوین مع مذهب الشافعی کما دون مذهبہما مع مذهب ابی حنیفة فلذلك لم یعد مذهباً واحداً قیاماً تری۔ ولبس قد ونیہ مع مذهبہ عسیر اعلیٰ من تلقاها علی وجهہما ففحن فخرج من الفقہاء الخبا بلة ان یکو فامتبحرین فی مذهب الامام الشافعی وکذا قد نرجوا من الشوخی ان یتبحروا فی الفقہ المحتبلی۔ فان اصطلح المحنیفة ولما لکیة علی مثل ذالک یکو خیراً للمسلمین۔ [نور]

(دوم) دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک مجتہد مستقل کو استا و مان کر یمن اُس سے سیکھ لیا جائے مگر استا و کی طرح اس عالم کا اعتماد بھی براہ راست خلافت راشدہ پر ہو جیسے صاحبین ایسے ائمہ کو مجتہد متب کہا جاتا ہے یہ دوسرا درجہ ہے اجتہاد کا اور انقلاب کے لئے کم از کم

۵۔ اب ان کی انقلابی قوت علمی اپنے مرتبہ کمال پر پہنچ گئی جو کچھ انہیں مستقبل میں پیش آنے والا ہے اُسے انہوں نے خواب میں دیکھ لیا چنانچہ انہوں نے شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۳۲ھ ہجری ۱۷۱۳ء کو مکہ معظمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا۔ اس کا حاصل ہم اپنی زبان میں تحریر کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۵) اس درجہ کا مجتہد ہونا از بس فروری ہے۔
(مجموعہ) اسکے بعد ایک تیسرا درجہ تجویز کیا گیا ہے جسے مجتہد فی المذہب کہتے ہیں۔ اس کا تعلق خلافت راشدہ سے نہیں ہوتا۔ مجتہد مستقل اور اسکے اتباع میں جتنے مجتہد منسوب پیدا ہوئے انکے اختلافات کو یہ ایک اصول کے اندر حل کر دیتا ہے۔ اس لئے ایک مذہب کی کتابیں پڑھنے کا یہ استاذ کامل ہوتا ہے۔ نیز یہ شخص داخل انتظام کے لئے (قاضی منقہ) بننے کے لئے بہت کارآمد ہے۔
یہی نظام داخلی کو مستحکم بنا دیتا ہے جیسے حنفیہ میں شمس الائمہ برنسی وغیرہ ائمہ منقہ میں جس قدر مجتہد گزرے اس کی تطبیق نہیں ملتی۔ خراسان کے ایک ایک گاؤں میں دس دس مجتہد نے المذہب گڈے ہیں۔
مذہب حنفی کے بقا اور استحکام کی یہی وجہ ہے سلطنتیں مٹ گئیں۔ مگر عظام میں مذہب حنفی موجود و محفوظ ہے۔
اور اس کی مخالفت ترک اسلام کے مترادف سمجھی جاتی ہے ۱۲ محمد نور الحق شب ۲۴

شاہ صاحب کا الہامی خواب | اصل خواب فیوض الحرمین ص ۸۹ میں مذکور ہے حضرت مولانا غفرلہ عنہم کتاب التہدید و صمد لدوۃ غلط میں فرماتے ہیں "استبدادی حکومتوں کا خاصہ ہے کہ حکمران کے ماسوا کوئی شخص سیاسیات پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔ اس لئے حکماء اسلام کا ایک طبقہ جو شعور و شاعری کا مذاق رکھتا ہے! اپنی مظلوم تعالیم میں قصص و حکایات، یا مدارج و تفصیل کی صورت میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ اور جنہیں اس طرح اظہار خیالات کا موقع نہیں ملتا۔ ان کے افکار صادقہ کا سلسلہ واقعات مستقبل کی صورت اختیار کر کے خواب میں نظر آتا ہے۔ ان کے معتقد اس بشارت کو سنتے ہیں! اور اس کی تعبیر میں خود کرتے ہیں! اور حقیقت واقعہ عیاں ہو کر نظر آنے لگتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶) شاہ صاحب نے اپنا انقلابی نظریہ حجاز میں مکمل کر لیا تھا۔ جسے آپ نے فیوض الحرمین میں ایک خواب کی شکل میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں شب جمعہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ کو میں نے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس زمانے کا نظام قائم کر رکھنے میں ایک واسطہ بنایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا سردار مسلمانوں کے شہروں پر خائب آگیا ہے۔ اس نے ان کے اموال لوٹ لئے۔ اور انہیں قید کر لیا۔ اور اجیر جیسے شہر میں کفر کے خصوصی احکام جاری کر دیئے۔ اور اسلامی قانون کے خاص کام ممنوع قرار دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے متاثر ہو کر میں غضب سے بھر گیا۔ اور میرے غضب کا اثر اس ہجوم میں بھی پھیل گیا جو میرے گرد جمع ہو رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی رہنمائی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ میں نے جواباً کہا کہ قاتلے کین نظام برقرار بر سیدہ نظاموں کو توڑ دو اس کے بعد وہ ہجوم آپس میں جنگ شروع کر دیتا ہے۔ پھر میں ایک شہر کے قریب پہنچا تا کہ اس کو برباد کر دوں۔ اور صرہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ اور گناہ شہروں کو برباد کرتے ہوئے اجمیر پہنچ گئے۔ یہاں میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے کفار کے سردار کو ذبح کر ڈالا۔ اور اس کی دگ مائی گردن سے خون بڑے زور سے بہہ رہا ہے۔

اس خواب کی تعبیر میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مرہٹوں کی بڑھی ہوئی قوت کی شکست کا اشارہ ہے۔ اور شاہ ولی اللہ ایک طرح پر اس کے سر انجام دینے کا واسطہ ہیں۔ اجمیر کا ذکر اس لئے آتا ہے کہ دہلی کا روحانی مرکز اجمیر تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ اجمیر میں تشریف لائے۔ اور یہیں سوا شمس اسلام کا کام شروع کیا۔ جس کے نتیجے میں ہلی فتح ہوئی۔

اس خواب کے دو سال بعد ۱۱۳۷ھ میں باجی راؤ شمالی ہند پر حملہ آور ہوا۔ اور ۱۱۳۵ھ میں نادر شاہ کی بیفارسے تمام سابقہ انتظامات کمزور ہونا شروع ہوئے۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جس میں مسلمانوں کی خانہ جنگی اور ان کے نظام سلطنت کی بوسیدگی ظاہر کرنے کے ماسوا کوئی قائمہ نظر نہیں آتا۔ مگر اسی احمد شاہ نے ۱۱۳۹ھ ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ میں پانی پت پر مرہٹوں کا خاتمہ کر دیا۔

ہندوستان کے جن مسلمان امیروں نے احمد شاہ کو اس حملے کی دعوت دی تھی۔ ان میں نواب نجیب اللہ پیش پیش تھے۔ یہ تاریخی حقیقت معلوم ہے۔ کہ نواب نجیب اللہ شاہ ولی اللہ کے خاص

الف انہیں یقین دلایا گیا کہ وہ ان مفاسد کے علاج میں ایک مستقل ذمہ دار حیثیت کے مالک ہیں یعنی ان کا انقلابی کمال اپنی مستقل حکومت کا مقتضی ہے۔

ب۔ انہیں بتایا گیا کہ پہلا نظام توڑ کر اس کے عوض وہ نیا نظام قائم کرنے کا ذریعہ بنیں گے یعنی وہ ہندوستانی مسلمان کے تمام دینی علوم اور سیاسی و اجتماعی تحریکات میں مستقل نام ہوں گے۔

ترجمہ صفحہ ۲۷ سر شریں میں سے تھے۔ اُسے ہماری تعبیر قبول کرنے میں کوئی حذر نہ ہوگا۔ قلت و سیاحتی بعض ما يتعلق بذالک۔ نور،

اس واقعہ کے قاعدے قائل تھے کہ نظام کو شاہ ولی اللہ نے اپنے انفعالی نظریے کا عنوان قرار دیا اور تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف کی تمام کتابوں میں جو پکائیں کے قریب ہیں۔ مناسب مواقع پر اجتماع کے فساد کی تفصیل، اور انقلاب کی ضرورت پر کافی ضبط سے بحث کی ہے۔ محمد نور الحق خلوی

۱۔ مستقل حکومت الٰہی مجتہد جس طرح کبھی منتخب ہوتا ہے اسی طرح بعض حکومتیں بھی پہلے خاندان حکومت کے تابع ہو کر منتخب کا درجہ پیدا کر لیتی ہیں اس کے بالمقابل مجتہد مستقل کی طرح اصل انسانیت پر غور کر کے نئے اصول و ضوابط پر ایک حکومت پیدا ہوتی ہے اسی کو حقیقی مستقل حکومت کہنا چاہئے۔ شاہ صاحب کے علوم کا تقاضا ہے کہ ایسی حکومت پیدا کی جائے جس کو خلافت راشدہ کے سوا کبھی اور سے انقباض نہ ہو۔

۲۔ اگر شاہ صاحب کے اصول کو چھوڑ کر کوئی شخص اسلام کی علمی طاقت کو محفوظ رکھنا چاہے تو کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ نیز اگر ان کے سیاسی اصول ترک کر کے حکومت بنانا چاہے گا تو یقیناً ناکام رہے گا۔

تعبیحات الیہ میں ہے کہ مجھے تقرب الی اللہ کا ایک نیا طریقہ عطا کیا گیا ہے جس سے تمام پرانے طریقے منسوخ ہو گئے ہیں۔ لوگوں کو پرانے طریقوں سے محبت ہے جس سے ان کو ایک قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

مگر تقرب الی اللہ ان طریقوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

(مقیّمہ دینیر، یہاں پر اس قدر تفسیر کرنے کی ضرورت ہے کہ امام ولی اللہ اپنے طریقے میں خدا یاد کرنے کے اشغال کو حکومت بنانے کے قوانین، ہر دو چیزوں کو ایک مرتبہ پر جمع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کا نام خلافت ظاہر رکھا ہے۔ اور حکومت پیدا کرنے والی جماعت کا نام خلافت باطنہ تجویز کیا ہے۔ کلمہ کی اصطلاح میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو پہلے درجے کو گورنمنٹ کہا جائے گا۔ اور دوسرے درجے کو پولیٹیکل پارٹی۔ جو اس گورنمنٹ کو پیدا کرتی ہے۔ قلت و اجماع فیوض الحرمین۔ نور الحق۔

یہ دونوں چیزیں سیاست میں آگے پیچھے نہیں کی جاسکتیں، بلکہ مساوی عزت کی مستحق ہیں؛ صاحب ان کے لئے سیاست کا وہ خصوصی نقطہ جو اسلام میں مشتمل تھا۔ یعنی خلافت۔ اس کو دو حصے بنا کر دونوں جماعتوں کو ایک نقطے پر جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی پولیٹیکل پارٹی کے لئے ذکر و فکر ضروری ہے۔ علاوہ دینی حکومت کبھی پیدا نہیں کر سکے گی۔

اب وہ جس وقت اپنا طریقہ کا نقطہ استعمال کرتے ہیں۔ تو اس میں ان کی ساری تحریک علمی ہویا اخلاقی و جہانی یا سیاسی سب کے سب یکساں داخل ہیں۔

اس تفسیر کے بعد ہمارا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ شاہ صاحب کے خلاف کوئی طریقہ ذکر و فکر کا مقرب الی اللہ نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح شاہ صاحب کے اصول چھوڑ کر کوئی سیاسی تحریک حکومت ہر یا حکومت پیدا کرنے والی جماعت۔ وہ دینی حکومت پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوگی۔ شاہ صاحب کے مذکورہ ذیل جملوں کا مطلب ہم بھی سمجھتے ہیں۔ کہ طریقت و اشغال۔ اور مذہب و سیاست۔ سب چیزیں ان ہی کے اتباع میں تقرب الی اللہ کا باعث بن سکتی ہیں۔ فذلّٰی تریٰ مذہباً بعداً مذہبہ۔ ولا طریقاً فی السلوٰۃ بعد طریقہ یشتغل علیٰ روحہ لجن بد۔ نعم تریٰ اہل الطرق والمذہب یتمسکون برسوم المذہب والطرق ویشتغلون بالاشغال المفیدۃ لنوع من السلوٰۃ۔ واما المذہب فمفتود فذلّٰی القیامۃ الّٰی وحدت لہذا الوصی رمزت من کمالہ قبل ان یوجد فی الناس مذہباً

الغرض یہ تصریحات بظاہر طریقت کے لئے لکھی گئیں۔ مگر ہماری سمجھ یہ ہے کہ سیاسی اصول میں

ج۔ انہیں سمجھایا گیا۔ کہ ان کی اصلاحات نافذ ہونے کے لئے یا بھی لڑائیوں کا طویل سلسلہ پیش آنے والا اس طرح سارے خواب کا حاصل یہ نکلا۔ کہ حکیم الہند مکمل اجتماعی انقلاب کے شروع کرنے والے ہیں۔

اس عزم کے ساتھ وہ دہلی واپس آئے۔ اور سب سے پہلے انہوں نے اپنا ترجمہ قرآن و فتح الرحمن، مکمل کیا جس میں اپنا پروگرام جمالیامندرج کر دیا۔ اور ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء سے اس کی تدریس شروع کر دی۔

۱ بقیہ صفحہ ۲۸) بھی وہ دنیا بھر کے امام ہیں۔ ہندوستان تو رہا بجائے خود۔ یورپ میں بھی ان کے اصول سے بہت کڑی حکومت نہیں رہ سکتی۔ ہم اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھوا سکتے ہیں۔ مگر ہماری ملک کی فضا اس کے موافق نہیں ہے۔

شاہ صاحب کا اجمالی پروگرام | فتح الرحمن کے حواشی میں آپ نے تمام وہ چیزیں درج کر دی ہیں جو ان کی تجدید کے لئے بمنزلہ اساس ہیں۔ سب سے پہلا امر یہ ہے کہ حکومت مکہ میں پیدا ہوئی۔ اور اس کا نظام لڑائی کے بغیر مستقل تھا۔ وہ عدم تشدد کی پابندی سے حکومت پیدا کرنے کا مستقل نظام تھا۔ یہ سورہ رعد کے آخری فائدہ میں انہوں نے درج کر دیا ہے۔

قلت قال تعالیٰ اولم یزکوا انا ناتی الارض ننقصہا من اطرافہا واللہ یحکم لامعقب محکمہ۔ دھوسریع الحساب تیخے روز بروز شوکت اسلام ہر زمین عرب منتشرے شود۔ ودار الحرب ناقصے گرد و از اطراف آں۔ حامی مفسرین این آیت را مدنیہ دانند۔ و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد۔ و مراد از نقصان دار الحرب اسلام۔ اسلم و غفار و مدینہ و قرآن من است پیش از ہجرت ۷ حاشیہ فتح الرحمن غرض مکہ میں عدم تشدد کے اصول پر ایک حکومت بن چکی تھی۔ فوراً ہی۔

شاہ صاحب نے اپنے تصوف کے طریقہ کی بیعت کو اسی نظام کی نقل بنایا۔ یہ دوران کی

(بقیہ صفحہ ۳۰) سیاست میں قصوف کو دینی بلند درجہ دینے کا حقیقی سبب ہے۔ جو شخص حکومت کے سارے مناصب چلانے کے لئے افراد کی تربیت عدم تشدد کی پابندی میں پہلے مکمل نہیں کر لیتا۔ وہ لڑکر کوئی نیا نظام حکومت پیدا نہیں کر سکتا۔ لڑکر بھلی حکومت کو توڑ سکتا ہے۔ مگر اس کی جگہ نیا نظام قائم کرنے کے لئے اس کو آدمی میسر نہیں ہوں گے۔ تقیہات ۱۲۱۲ء میں ایک اشارہ ہے۔ کہ آپ کو اس الہام کے مکمل کرنے کے لئے انبیاء کی طرح صبر سے کام کرنا چاہئے جس میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ امام ہندی کی طرز کے آدمی ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ وہ اپنی جماعت پہلے تیار کریں۔ چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز نے نظام حکومت چلانے کے لئے پورے آدمی تیار کر دیئے۔

یہاں ایک خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر وہ شکست کیوں کھا گئے؟ ہم اپنی پرانی ذہنیت میں اس شبہ سے بہت متاثر ہے۔ پھر رو کر کسی کو دو چار جلی کٹی سا کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ مگر اٹانے سیاست میں جب ہمیں یورپ کی انقلابی تحریکوں کے مطالعے کا موقع ملا۔ تو یہ اصول سمجھ میں آیا کہ ایک اعلیٰ انقلاب کے لئے متعدد بار شکست کھانا ضروری ہے۔ اسی لئے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں یا بھی خانہ جنگیاں پیدا ہوتی رہیں۔ یہ چیز اصل میں انقلابی تحریک کے لوازم میں سے ہے۔ اسکے بعد ہم مطمئن ہو گئے۔ کہ اگر شاہ صاحب کی تحریک ایک بار شکست کھا گئی۔ تو یہ حقیقت میں تحریک کی شکست نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم نے اپنے دیوبندی اساتذہ کے کام کو نئے شاہ صاحب کی تحریک کا دوسرا دور قرار دیا۔ مکمل سیجھی تفصیل نے اصل المقالہ (نور) اس دوسرے دور کو ہم مولانا شیخ الہند کی وفات پر ختم کرتے ہیں۔ اس دور میں بھی وہ تحریک دوبارہ شکست کھا چکی ہے۔ مگر وہ اپنے نتیجہ میں تیسرے دور کے لئے مبادی تیار کر گئی ہے۔ اور میں اسی امید پر زندہ ہوں مجھے اس تحریک کی آخری کامیابی میں کسی قسم کا شبہ و تردد اسلگیر نہیں ہے۔

سوشلسٹ انقلابی تحریک سب سے پہلے فرانسیسی انقلاب کے موقع پر شروع ہوئی اور ٹوٹ گئی۔ پھر دوسری بار منظم ہوئی۔ اور شکست کھا گئی۔ بعد ازاں دوسری میں سین نے اس کو

تیسری بار منظم کیا۔ اور اس کا نام اسی مناسبت سے تھریڈ انٹرنیشنل تجویز ہوا۔ اصل کارل مارکس کے نام میں اور لینن کے موجودہ نظام نامہ میں بہت کچھ تبدیلی آچکی ہے۔ مگر وہی تحریک اپنے تیسرے دور میں کامیاب ہو کر رہی۔ اور زمین کے ایک بڑے قطعہ پر اپنی حکومت قائم کر سکی۔

اسی طرح میں تیسری اجتماعی تحریک شاہ صاحب کے اصول کے لئے تجویز کرنا چاہتا ہوں (الف) جس میں مصطفیٰ کمال کا قومی انقلاب ایک جزو ہوگا۔ (ب) شاہ ولی اللہ کا عقلی و اقتصادی فلسفہ اس پر حکومت کرے گا (ج) اور عدم تشدد کی پابندی سے انڈین نیشنل کانگریس کے اندر رہ کر حکومت بنانے کے لئے لائق آدمی تیار کرنا ضروری ہوں گے۔ میں ان چیزوں کی ذمہ داری لے کر ایک نئی پارٹی مولانا شیخ الہند کی یادگار میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہر مسئلہ اصول حضرت شیخ الہند کے ملحقین کو رہے ہیں۔

۱۔ شاہ ولی اللہ کے فلسفے کو وہ درجہ تکمیل میں داخل کر چکے ہیں۔

۲۔ ان کے زمانے میں ترکی کی نقل علی گڑھ کالج میں موجود تھی۔ مولانا شیخ الہند کالج کی تحریک اپنے اندر مضحکہ خیز کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ان کے آگے کام کرنے والوں میں اگر ایک طرف مولانا کفایت اور مولانا شبیر احمد تھے۔ تو دوسری طرف ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی بھی تھے۔ علی گڑھ کالج اگر ایک قدم آگے بڑھنے کا۔ تو مصطفیٰ کمال کی نقل کرے گا۔ ہم اس ترقی یافتہ علی گڑھ کو اپنے اندر لینا چاہتے ہیں۔ دیوبندی جماعت کا جو آدمی حوصلہ نہیں رکھتا اس کو سیاسیات سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے اس کو کوئی حق نہیں کہ اپنے کسی کام کو مولانا شیخ الہند کی طرٹ منسوب کرے۔

و تلك شعرائكم للشعر قدما وقد نسخت بشيخ الهند حالا

۳۔ مکی زندگی کے لئے شاہ صاحب نے جو سیاسی اصول مقرر کیا ہیں، اس کی اتباع اور تیاری کے لئے انڈین نیشنل کانگریس میں وسیع میدان ملتا ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر ہم کانگریس میں نئی پارٹی بنانا چاہتے ہیں۔

ہماری قوم پرانے اصول حکومت قبول چکی ہے۔ اب یورپین طریقے کے نظام حکومت پر

(بقیہ صفحہ ۳۲) کامیاب ہو سکے گی۔ افغانسان، ترکی، عربی ممالک سب کے سب یورپین طریقے پر اپنی حکومتوں کی تجدید کر رہے ہیں۔ اب ہم شاہ جہاں کی حکومت کا احادہ نہیں کر سکتے۔ روم دہی رہے گی مگر صورت یورپین ہوگی۔ ہمیں ڈومینین ٹیس قبول کرنا ہے۔ اس تیاری کے لئے ہمیں یورپ کی ایک بڑی حکومت کا تعاون حاصل کرنا ہوگا۔ ہم بہت سی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر برٹش کامن ویلتھ میں رہنا منظور کرتے ہیں۔

مگر کانگریس کے تمام طرفداران ان چیزوں کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ یورپ میں جس طرح انقلاب ہوا۔ اسی قسم کے انقلاب کی وہ یہاں توقعات باندھے بیٹھے ہیں۔ لیکن ہمارا ملک یورپ سے بہت سی بنیادی امور میں مختلف ہے۔ اُن کے یہاں تعلیم عمومی نے اور ۲۰، پریس کی ترقی نے اور ۳۰ فوجی خدمت کے لزوم نے انقلاب کے لئے میدان تیار کر دیا۔ ہمارے عوام علم سے بے بہرہ، اور فوجی جوش سے ہزاروں کوس دور ہیں۔ لہذا وہ یورپ کے طریقے پر انقلاب کو کبھی سنبھال نہیں سکتے۔

اس کا دو بار تجربہ ہو چکا ہے۔ پہلے روس میں ہوا۔ روس کی عمومی تعلیم اچھی نہیں تھی۔ تاہم خیال کر لیا گیا۔ کہ ہم اس انقلاب کو کامیاب بنا کر دکھا دیں گے۔ مگر وہ اس میں سو فیصدی فیل ہوئے ٹسکت گئے بعد انہوں نے عوام کی تعلیم کو اساس قرار دے کر جبر اور ڈکٹیٹر شپ سے کام لے کر ایک حصہ ملک کو تیار کیا۔ اور اس کے مناسب انقلابی نظام بھی تبدیل کر دیا۔ تب کہیں جا کر وہ حکومت بنا سکے جو لوگ کارل مارکس کے متبع ہیں وہ لیبن کے کام کو کبھی تعریف کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس میں انہوں نے بہت سی تبدیلیاں منظور کر لی ہیں جو اس ملک کے لئے ضروری ہیں۔ روس کے انقلاب کو ہندوستان میں بٹھ کر پڑھنے والے ایسے امور سے کبھی واقف نہیں ہو سکتے۔

دو ٹہری بار انقلاب ترکی میں ہوا۔ روسی عوام میں غے الجملہ ابتدائی تعلیم تھی۔ ترکی اس سے بالکل بے بہرہ تھا۔ مصطفیٰ کمال مجبور ہوا۔ کہ عربی زبان اور عربی رسم الخط کو قطعی طور پر ترک کر کے اپنے ساتھیوں کو مادری زبان و رسم حروف میں سکھائے۔ اپنی ڈکٹیٹر شپ کے زور سے

وہ بہت جلد ایک پارٹی بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

ہمارا ملک روس اور ترکی ہر دو سے پیچھے ہے۔ ہمارے ہاں ایک مختصر متوسط طبقہ پیدا ہوا جو یورپ کے تمام علوم جانتا ہے۔ وہی کانگریس کو چلا رہا ہے اور وہی انقلاب کی توقعات باندھ رہے ہیں مگر انقلاب عوام کی مشارکت کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ اور یہ لوگ ہندوستانی عوام کے نزدیک جانا بھی پسند نہیں کرتے۔

گاندھی جی ان تمام چیزوں کو سمجھتے ہیں۔ مگر گجرات سے باہر ہندوستان کے کسی ٹکڑے میں اپنی طرز کی حکومت نہیں بنا سکتے۔ گاندھی جی ادنیٰ طبقہ کی خدمت اور تربیت کے لئے متوسط طبقہ کو جوان کو لیڈر مانتا ہے، متوجہ کر سکتے ہیں۔ ہم اس کی پوری قدر کرتے ہیں۔ مگر یہ انقلاب کے مبادی میں معمولی درجے کی چیز ہے۔ انسانیت کے مفاد عامہ کے لئے انقلاب میں اپنے مقصد کے لئے..... اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنا انقلاب کی اصل اساس ہے۔ یہ چیز گاندھی جی کی شخصیت میں عطا وجہ الکمال موجود ہے۔ لیکن ان کے معتقدوں میں شاید فی صدی ایک میں ہو اس لئے ہم گاندھی پارٹی کے مصنوعی شور و شب سے متاثر نہیں ہوتے۔

ہم اپنے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق انسانیت کی اصلاح کے لئے قربانی کا جذبہ نہایت آسانی سے پیدا کر سکتے ہیں۔ قرآن عظیم کا مقصد معین کرنے میں لام ولی اللہ ہماری نظر میں متفرد ہیں۔ اس لئے ہم ان کے سوا کسی کی تفسیر کو قبول نہیں کر سکتے۔

ہم جس طرح اپنے نوجوانوں کو قرآن عظیم سے اس مقصد عالی پر لے آتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہندو تعلیم یافتہ نوجوان ہم پر اعتماد کرے۔ تو ہم اس کو ولی اللہ فلاسفی پڑھا کر بھگوت گیتا کی تعلیم سے اس مقصد پر لے آئیں گے۔ یہی طرز ہمارا بائبل ماننے والی اقوام کے ساتھ ہے گا۔ ہم ولی اللہ فلاسفی پر ساری بائبل پڑھا کر انسانیت عامہ کے مفاد پر ان کو جمع کر دیں گے۔

انقرض مولانا شیخ الہند جن میں تین چیزیں بتائے ہیں اول یہ کہ آپ نے درجہ کیمیل میں شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور مولانا محمد یونس کا حکمت داخل کرائی۔ دوم سیاسی تحریک میں دیوبندی جماعت کیساتھ

اس زمانے میں ایسے باخبر لوگ موجود تھے جنہیں اس انقلابی تحریک کا احساس ہوا
 انہوں نے عوام میں شورش پھیلا کر فوجپوری سے نکلنے وقت حکیم الہند پر حملہ کر دیا۔
 حکیم الہند نے اپنے پروگرام کی تفصیل میں بیسیوں کتابیں لکھیں۔ وہ سب قلمی کی
 علمی زبان یعنی عربی۔ اور شاہی زبان یعنی فارسی میں لکھی گئیں جن میں اپنے اصول اور
 مسائل منتشر کر دئے تاکہ نااہل لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۴) علی گڑھ پارٹی کو مساوی درجے پر شامل کرنا منظور کر لیا۔ سوئم یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس
 کے اندر جا کر بیرونی ممالک اسلامیہ کی سیاسیات سے علیحدگی اختیار کر کے کام کیا جائے۔ واللہ
 التوفیق۔

شاہ صاحب قاتلانہ حملہ | شاہ ولی اللہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہ سو برس کے بعد
 سرزمین ہندوستان میں قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا لیکن
 بعد اس کی اشاعت ہوئی تو تھلک مچ گیا۔ کٹ ملاؤں نے سمجھ لیا۔ کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا
 دی گئی۔ اب جہلا کبھی قابو میں نہیں آئیں گے۔ اور ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جایا کریں گے۔
 حلاوت کفر کے فتوے دینے کے شاہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور قتل کرنے پر تل گئے۔ ان کے
 اشارے پر چند بدعاش شاہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے۔ اس سازش کا آپ کو دہم و گمان بھی نہ تھا
 ایک روز شاہ صاحب عصر کی نماز فوجپوری میں پڑھ رہے تھے۔ ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا۔ کہ دروازہ
 پر شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آوارہ گردوں کی ایک جماعت تلوار
 ہونا چاہتی ہے۔ شاہ صاحب کے ساتھ فقط چند خدام تھے۔ اور یہ جماعت بڑی تعداد میں تھی نہایت
 نے چاہا کہ کھاری باولی والے دروازے سے نکل جائیں۔ مگر انہوں نے اس طرف آکر ٹھہر لیا۔ شاہ صاحب
 کے پاس ایک جھڑی تھی۔ آپ نے حملہ آوروں سے دریافت کیا کہ آخر آپ لوگ میرے قتل درپے

(بقیہ صفحہ ۳۵) کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو نے قرآن کا ترجمہ کر کے عوام کی نگاہ میں ہماری قوت برباد کر دی۔ اگر یہی حالت رہی تو ہماری آئندہ نسلوں کو کوئی ذرہ برابر وقعت نہیں دے گا۔ آپ نے نہ صرف ہمیں برباد کیا ہے۔ بلکہ ہماری اولاد کو بھی تباہ کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی حامی نعمت کو چند افراد یا ان کی اولاد کے لئے خاص کر دیا جائے؟ کچھ دیر تو وہ بدل رہی قریب تھا کہ وہ کوئی بڑا اقدام کریں۔ کہ شاہ صاحب کے خدام نے تلواریں سونٹ لیں۔ اور وہ اوپاش جوان ملاؤں کے ساتھ تھے۔ تلواریں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور آپ سلامت گھر پہنچ گئے۔ حیات ولی ص ۳۲۱ واضح ہے کہ یہ طرز بیان مؤلف حیات ولی نے مرزا حیرت دہلوی سے لیا ہے۔ اس ادبی فسانہ طرازی کو چھوڑ کر اصل واقعے کو حقیقی طور پر معلوم کرنے کی ضرورت ہے عوام میں اور امام ولی اللہ میں کیا بات ہوئی۔ اور کس طرح تلواریں دکھا کر ان کو ڈرایا گیا۔ یہ سب سخن گسترانہ امور ہیں۔ اصل واقعہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیخہ حکام کو یہ بات ناگوار گزری کہ عوام قرآن سے واقف ہوں۔ مولانا غم فیضی امیر الروایات میں ہے کہ قہلی میں نجف علیخان کا تسلط تھا۔ اس کے حالات کے لئے میرزا حسین اور تاریخ ذکا، اللہ دہلوی ملاحظہ ہو۔ نور، جس نے شاہ ولی اللہ کے پیچھے اترا کر ہاتھ بیکار کر دیے تھے۔ تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں۔ اور اسی نے مرزا منظر جانچا ناں کو شہید کروا دیا تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکال دیا تھا۔ بحوالہ مشن۔ ص ۲۷۷۔

فائیک کا قرآنی کریم کا فارسی ترجمہ، ہندوستان میں سب سے پہلے ملک العلماء شہاب الدین ہندنی دہلی آبادی دستوفی ۱۲۷۹ھ مؤلف بحر موج و بدیع المیزان وغیرہا ترجمتہ فی الجداول ص ۸۹۳۔ نور، نے اپنی تفسیر بحر موج میں لکھا ہے۔ بحر موج میں وہ ہر ایک فن کے متعلق تحقیق قرآنی علیحدہ علیحدہ عنوانات سے لکھتے ہیں مثلاً: سب سے پہلے ایک آیت نقل کریں گے۔ اور اُس کے نیچے لکھیں گے۔ (الترجمہ) پھر فارسی ترجمہ کر دیں گے۔ پھر لکھیں گے۔ (لاعراب) پھر البلاغت۔ پھر نشان نزول وغیرہ۔ ساری کتاب ہی طرح مکتب کی ہے۔ تو اب اس میں ترجمہ قرآن ایک مستقل باب اور مکمل صورت اختیار کر گیا۔ اس کتاب کی پہلی جلد طبع ہو چکی ہے۔ ملک العلماء لکھنؤ حاشیہ کا فیہ یاد دیر میں شراکت کے ترجمہ فارسی کو دیکھ کر مولانا جامی نے ایک جہت پیدا کر کے شریعہ ملاحی لکھی۔ ملک العلماء کی شرح کا فیہ کا نہایت خوشخط نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

اس پروگرام کی نوعیت سمجھنے کے لئے جاننا چاہئے کہ امام ولی اللہ امت محمدیہ میں ایک عظیم الشان صدیق اور حکیم تھے اس مدرسے کے ارباب کمال، انبیاء کی طرح اپنا مخاطب تمام انسانیت کو بناتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر وہ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں مگر امام ولی اللہ کی کتابیں غور سے پڑھی جائیں تو صاف نظر آئے گا کہ ان کی زبان اگرچہ عربی کی زبان ہے لیکن ان کا مخاطب عربی کے اعلیٰ طبقے کے توسط سے، ایک طرف یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی عربی بولی تو ہیں۔ تو دوسری طرف یونان، ایران، ہند کے صابی دآرین، قومیں بھی مساوی درجے پر خطاب میں شریک ہیں:

اَوْبَانِ عَالَمِہِ کَا اسْتِیْعَادُ دُورِ کَرْنِے کَے لَئے مَوَلِیْنَا مُحَمَّدِ اسْمَاعِیْلِ شَہِید (۱۲۷۰ھ - نور)

کی کتاب العبقات اقلت راجع ۶۵ وما قبلہ وبعدا - نوں سے چند سطرں نقل کرنا

اے یعنی شاہ ولی اللہ جب قرآن شریف کی تشریح کرتے ہیں تو اس میں یونان اور ہند کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ یہ چیز ہمارے اہل علم پر گراں گزرتی ہے۔ وہ شاہ صاحب کو ایک مدرسے اور ایک مسجد کا مجدد اور امام وغیرہ وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں۔ مگر انسانیت کا ذمہ دار قرار دینا انہیں سخت ناگوار گذرتا ہے۔ ہم صلاحیت پسند بزرگوں کے استبعاد کو دور کر سکتے ہیں۔ خدی طبیعتوں کو خطاب کرنا نہیں چاہئے۔ قرآن شریف نے ”مَنْ تَوَلَّى وَادْبَرَ“ کو اپنے مخاطبین کی صف سے نکال دیا ہے ہم ایک حکیم امت محمدیہ کے کلام میں قرآن شریف کے اسی اصول پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے خدی طبیعتوں کو مخاطب بنانا نہیں چاہئے:

شاہ صاحب کا مقصود اصلی انسانیت عامہ استبعاد دور کرنے میں امام ولی اللہ کا

دقیقہ صفحہ ۳۸ صریح فیصلہ نقل کر دینا کافی ہوگا۔

والف، بدورِ بازو میں ارتفاقات کا بیان کھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اذا نحن امعنا في تصوير هذه الارتفاقات باحكامها وعلومها فلا تغفل عن
نكتهين احدهما انا نذكر صورة ولا نريد ان نخصصها بل اياها وما يماثلها
يقاربها مما يصححه القواعد الكلية التي علمناها وتختلف بحسب علوم كل قوم
وحالاتهم بعد دخولها في تلك القواعد والثانية ان ميزان الارتفاق الاول هو
حاجة كل محتاج من بني آدم من قبل طباعه وميزان الثاني هذا الارتفاق الاول
مع العلوم التجارية والاخلاق الصالحة وعلى هذا القياس (هـ)

(ب) اس سے زیادہ تفصیل بدورِ بازو کے مقالہ ثالث کے شروع میں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-
”هل تستطيع ان تعلم ان الارتفاقات التي بنى عليها نظام البشر والاقترابات
التي اودعت في طباع البشر ولا سيما الاحسان والتعب والاجتناب عن الشرور
كلها امور هيبة في بصور كثيرة فمن هذا المنكاح مثلاً فمن اتى بالاعلان والاداف
راغنا وفقد اتى بالواجب عليه كما ان من جعل من شرطه الشهود والايجاب و
القبول لفظاً فقد اتى به ايضاً وذلك لان الواجب الاصل هو تعيين المنكوحه
بحيث لا يشارك فيها احد وهذا حاصل في الفصلين كذلك التقريب الى الله
تعالى يمكن بالتجرد وقلع خواص الانسانية ويمكن بالتأدب بأداب الجوارح مع
بقاء اصل الانسانية وخواصها وقس عليه جميع ما اعطيناك من امهات المسائل
في الارتفاقات والاقترابات فانما يمكن ان يحصل في صور شتى“

ولا تغتر بما سقنا اليك من تصورها وتهيدها على الملة الخفيفة فانها
على طريقة التمثيل لا غير

فلا تظن الواجب الاصل محصوراً فيه بل الحق ان الواجب الاصل لا يكاد

ضروری ہیں مولینا شہید مقررین کے وحی کلمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم اور
صدیق کے حق میں لکھتے ہیں

وَإِنَّهُ لَوِ وسَّدَ لَهُ وَسَادَةٌ لِقَضَىٰ بَيْنَ أَهْلِ التَّوْرَةِ بِتَوْرَاتِهِمْ وَ
أَهْلِ الْإِنْجِيلِ بِأَنْجِيَامِهِمْ وَأَهْلَ الْقُرْآنِ بِقُرْآنِهِمْ - وَسُرَّةُ إِنْهُ مَا مِنْ فَتَاهٍ
أَجْتَمَعَ عَلَيْهِ جَمْعٌ غَفِيرٌ مِنَ الْعُقَلَاءِ وَلَا سَيِّمًا أَصْحَابَ الْأَتِّصَالِ بِالْغَيْبِ
كَبَرَاهَا بَيْنَ النَّصَارَى وَالْيَهُودِ وَاشْرَاقِيَةِ الْيُونَانِ وَأَصْحَابِ النُّورِ
الظُّلُمَةِ مِنَ الْفَرَسِ - وَجُوكِيَةِ الْهِنْدِ، الْأَوَّلَةُ مَقَامٌ رَاسِخٌ فِي خَطِيرَةٍ
الْقُدْسِ وَأَصْلٌ مَوْشَسٌ فِيهَا.

• بقیہ صفحہ ۳۸ • یدہا ہل عندہ ملۃ من الملل ولا ان ینکدہ احد معن ینسب بشار وان عصاہ
انما النزاع والخلاف فی التصویر بصوۃ معینۃ والستہید علی وضع خاص (انتہی صفحہ ۳۸)
ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ولی اللہ کی تصانیف میں جس قدر قواعد کلیہ مذکور
ہیں وہ ان کے فلسفے کا متن ہیں۔ اور جس قدر مسائل شریعت بیان ہوئے وہ ان قواعد کی
مثالیں ہیں۔

ان قواعد کو ان مثالوں میں منحصر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس طرح متدین اقوام کے عقل مند
افراد ایک بین الاقوامی تحریک پر مجتمع ہو سکتے ہیں۔ قرآن عظیم کا خصوصی قانون فقط اس بین الاقوامی
سپرٹ کو صحیح اصول پر محفوظ کر دے گا۔ واللہ الموفق۔

کتبہ عبید اللہ السندھی ۱۲ اکتوبر ۱۳۲۸ھ ہند

ثم اختلط به الفساد من اهل الافكار الحرية وشوب المتخرفات
 المخزونات من التقليدات والرسوم والخطا في التعبير وعدم المطابقة
 بين العاقله وبين المتلف من الغيب وحمل الخلف كلام سلفهم على عالم يريد
 واشباه ذلك. فالحكيم يدرك اصلهم المؤسس في حظيرة القدس ممتازا
 عن التخالط لتيقظ روحه - فتنبه ولا تكن من الغافلين - هذه العبقات
 اپنی قوم کی تخصیص محض اس لئے ہے کہ ان کے تعلیم یافتہ حصے کو دنیا کے سامنے
 عملی نمونہ بنا سکیں۔ اگر زیادہ غور سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں۔ تو یہ محسوس ہوگا کہ
 وہ اپنی قوم کے ہر فرد کو انسانیت عامہ کی تعلیم کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ ان کے
 زمانے کی دہلی ایک ایسا مرکز تھی جس میں اقوام عالم کے سب نمونے ملتے ہیں دہلی
 میں یہ استعداد ہے کہ اسکے توسط سے یہ تعلیم سارے ہند، اور پھر ساری دنیا میں
 پھیل سکے۔

لے اشادة الی ما من قوله عمر فیضهم۔ اگرچہ وہ بظاہر اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں۔
 «خود الحق»

دہلی کی مرکزیت | دہلی کی اس مرکزیت کا سنگ بنیاد اس وقت سے بہت پہلے سلطان
 الشمس الدین التمش (خلیفہ خواجہ بختیار المستوفی ۳۳۲ھ کے عہد سے لگے
 دیا گیا تھا۔ خواجہ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی ۲۱۱ میں اور قاضی منہاج الدین لطہات

دبقیہ ۴۲، نامری ۴۶ میں فرماتے ہیں۔ از عہد شمس الدین سلطان از خوف قتل و کمال چنگیز خان
ملوک و امرائے نامدار کہ سالہا سال سری و سرکاری کردہ بودند۔ و وزیرار و معارف بسیار در گاہ
شمس الدین پیوستند۔ از وجود آنچنان ملوک و وزیرار و معارف کہ در ربع مسکون نظیر محمد داشتند
بارگاہ شمس الدین در گاہ محمودی و بخیری شدہ بود۔ از اول عہد دولت او استماع علمائے بانام و
سادات کرام و ملوک و امراء و صدور و کبرا، زیادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود۔ و خلایق
اطراف گیتی بدہلی جمع آورد۔ تا آنکہ شہر دہلی از فضل و کرم و محط رجال آفاق گردید۔
۲۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن متوفی ۶۷۱ھ جسکے عہد میں خیرالاحصاء کہا جاتا
ہے، کے عہد میں ماوراءالنہر خراسان، عراق، آذربائیجان فارس، روم و شام کے ملوک و حکمران
چنگیزیوں کی دست برد و ترکناز سے بھاگ کر بلبن کے زیر سایہ دہلی میں باعزت زندگی بسر کرنے
لگے تھے۔ ان نو واردوں کے اسما کی مناسبت سے دہلی میں پندرہ حملے آباد ہوئے جن کے اسما کی
تفصیل تاریخ فرشتہ ۵۱ میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ اکناف حام میں سے ہرفن اور ہر علم کی
بے نظیر اور یگانہ دہر مہتیاں بلبنی بارگاہ میں مجتمع ہو گئیں جن کی وجہ سے دانشمندیوں نے بارگاہ
بلبنی کو بارگاہ محمود اور بخوی پر ترجیح دی ہے۔

۳۔ سلطان علاء الدین غلی اسکندر ہند متوفی ۶۸۶ھ کے عہد کا نقشہ امیر خسرو متوفی ۷۲۵ھ
نے ان کہی نہ بھولنے والے الفاظ میں کھینچا ہے۔

خوش ہندوستان و رونق دیں	شریعت را کمال عسرت و تمکین
زعیم باعمل دہلی بخسار	ز شاؤں گشتہ اسہم آشکار
سلماناں بہ نعمانی روش خاص	ز دل ہر چار آئیں را بہ اخلاص
نہ کیں با شافی نے مہر بازید	جماعت را وسعت را بجاں مہید

قال الامام عبد الغزیز بن ولی اللہ الدہلوی

يَا مَنْ يُسَائِلُ عَنْ دَهْلِيٍّ وَدِفْعَتِهَا عَلَى الْبِلَادِ وَمَا حَاذَتْهُ مِنْ شَرَفٍ

حکیم الہند اپنی دعوت سے دہلی کے اعلیٰ طبقے کو کامیابی سے متاثر کر سکے۔
اس کے لئے وقتاریخی شہادتیں کافی ہیں۔

الف، مرزا محمد مظہر جانجاناں فرماتے ہیں: "حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ
طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند۔ در تحقیق اسرار معارف و نحو امض علوم طریز خاص ارند
با این ہمہ علوم و کمالات، از علماء ربانی اندر مثل ایشان در محققان صوفیہ کہ جامع اند
در علم ظاہر و باطن و علم توہیدان کردہ اند چند کس گذشتہ باشند۔ در اوج کلمات طہیات
ص ۸۳ و ص ۸۴ نور الحق،

ب، دوسری شہادت سلطان محمد شاہ کے دربار کا فیصلہ ہے: "وہ امام ولی اللہ کے

وَأَنَّهُمَا دَرَّةٌ وَأَكْلٌ كَالصَّدْفِ
غَيْرُ رَجَازٍ وَغَيْرُ الْقُدْسِ وَالنَّجَفِ
خَلْقًا وَخُلُقًا بِلَا عَجَبٍ وَلَا صَلَفٍ
لَمْ تَفْتَحْ عَيْنُهُ إِلَّا عَلَى الصُّحُفِ
نَوَاقِلُهُ السَّمْسُ وَالصُّحُفُ تَلَكِّفُ
كَمِّ مِنْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِأَيْنٍ ذِي شَرَفٍ
أَنَّهُمَا رَحْلٌ جَرَتْ فِي أَسْفَلِ الْغُرَفِ
وَأَنَّ الْبِلَادَ أَمَاءٌ وَهِيَ سَيِّدَةٌ
فَأَقْبَتْ بِلَادَ الْوَدَى عِزًّا وَمَرْتَبَةً
سَكَنَ بِهَا خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قَاطِبَةً
بِهَا مَدَارِسُ نَوَاطِفِ الْبَصِيرَةِ بِهَا
كَمُّ مَسْجِدٍ زُخْرِفَتْ فِيهَا مَنَارُكُهُ
لَا عُرْوَانِ زَانَتِ الدُّنْيَا بِزِينَتِهَا
وَمَاءُ جَوْيٍ جَوَى مِنْ حَوْثِهَا فَحَكِي
کتاب التمهید۔ نقل من آثار الصنادید للشیخ السید احمد خان (عمر فارح)،

مدرسے کو پرانی دہلی کے ایک چھوٹے سے احاطے میں دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ جہاں آباد
کا ایک پورا محلہ اس کے لئے خاص کر دیتے ہیں۔ یہی مدرسہ مذکورہ بالا تحریک کا
مرکز تھا۔ امام ولی اللہ اور اُن کے بعد امام عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۳۹ھ میں اسے
بعد امام محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۲ھ میں اسی مدرسے میں بیٹھ کر اُس تحریک کی رہنمائی
کی جو سلطنت دہلی کی تجدید کے لئے کام کرتی تھی
اس کے نمونے پر دوسرے دور میں مدرسہ دیوبند بنایا گیا۔

مدرسہ رحیمیہ | شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں جس
کی بنیاد شاہ عبدالرحیم ڈال گئے تھے بلکہ کو دس دینا شروع کیا۔ بارہویں صدی کے آغاز اور
گیارہویں صدی کے اختتام پر شاہ عبدالرحیم نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم
کیا جو اب ہندوئوں کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا گیا تھا۔ ولی اللہ
جب شاہ صاحب کے علمی کمال کا شہرہ بڑھا اور طلبہ اطراف و اکناف
ولی اللہ کالج | سے آنے لگے تو مدرسہ رحیمیہ اُن کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ سلطان محمد شاہ
نے امام ولی اللہ کو بلا کر شہر میں ایک عالی شان مکان سے کر دار الحدیث کا اس میں افتتاح کر لیا
اس کے بعد قدیم جگہ خیر آباد ہو گئی۔ یہ نیا مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوبصورت
تھا۔ اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے استحکام کی یہ حالت تھی کہ شورشِ شیعہ نہ اپنی پہلی
حالت پر قائم رہا۔ اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ کہ اس شورش میں مہجرت ہوئی تھی
گئے۔ کٹری تھے تک نوک اٹھائے گئے۔ تو آج بھی شاید وہ باقی رہتا۔ اس کی وسعت اور کشادگی
کایہ عالم تھا۔ کہ اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں۔ مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب

حکیم الہند نے اپنے پروگرام کی تدوین کے ساتھ اپنے رفقا کی مرکزی جماعت بھی
تیار کی جو تعلیم و ارشاد کے ذریعے سے انقلابی تحریک کی اشاعت، ایک طرف صوفیہ
اور علماء میں، اور دوسری طرف امراء و اولیائے دولت میں کرتی رہی۔ ان میں
سے مولانا محمد عاشق پھلپتی، مولینا نور اللہ بڈھانوی، مولانا محمد امین کشمیری
مشہور ہیں۔

دقیقہ صفحہ ۴۳ کے مدرسہ سے نام سے مشہور ہے۔ اور آج تک پکارا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب
کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے وہی مشغلہ درس و تدریس جاری رکھا۔ اور اس مدرسہ
نے تعلیم و دنیا میں وہ نام پیدا کیا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے
صاحبزادہ ہیں کوئی نہ رہا۔ تو مولانا محمد اسحاق صاحب کی دہشتور، نور، نے مدرسے کی
خدمت اپنے فرائض۔ اس مدرسے کی مسجد کا حال شاہ عبدالعزیز صاحب اس طرح بیان فرماتے ہیں:
”دراں ہنگام بزرگاں بسیار و اولیا بسیار از یاران والد متکلف مسجد یونہی موقوفات شاہ
عبدالعزیز علیہ السلام جب مولانا محمد اسحاق نے ۱۲۵۶ھ میں ہجرت کی تو مولینا مخصوص اللہ دہشتور،
اور مولینا موسیٰ خٹک مولانا رفیع الدین دہشتور، اس کی نگرانی فرماتے لگے ان حضرات کے
انتقال کے بعد مولوی موسیٰ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں عبدالسلام بہت صغیر سن ہے اور ایک صاحبزادی
وہ گئیں۔ خاندان بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو عبدالسلام صاحب کو پڑھاتا لکھاتا بغرض یہ سلسلہ جو کئی پشت
سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔ اب چونکہ نیکل جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد کی ہے اس لئے
اس گلی پر مدرسہ لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔ اتفاقاً از کتاب دارالحکومت
دہلی ۱۲۸۶ھ و ۱۲۸۷ھ۔ از مولوی محمد بشیر صاحب سبحان من لا یزول مملکت و ہوا لکی القیوم ہندوستان

مولانا محمد عاشق بھلہتی | مولانا غم فیضیہم کتاب التہمید (حصہ اردو) میں فرماتے ہیں علم

طور پر صدی پہلی علم شاہ ولی اللہ صاحب سے مستفید ہوئے
 حرمین شریفین سے با مذاق عالم اُن سے علم سیکھنے کے لئے وہی آتے رہے۔ لیکن ان کے کل نظریے
 کو سمجھنے والے تین چار رفقا سے زیادہ نہیں ہیں۔ (الف، اُن کے مامول زاد بھائی شاہ محمد عاشق
 (ب، جمال الدین شاہ محمد بن ولی اللہ کشمیری (ج، شاہ نور اللہ بڈھانوی (د، شاہ ابوسعید ریوی
 پہلے تین حضرات شاہ عبدالغفر کے استاد ہیں۔ اور چوتھے حضرت شاہ ابوسعید خلیفہ ولی اللہ وجد
 ماوری حضرت سید احمد شہید ہیں۔ امیر شہید آپ ہی کے نواسے ہیں۔ (۲۳)

الشیخ محمد عاشق [ابن الشیخ عبید اللہ بن الشیخ محمد قدس سرہ] دوہوضی اللہ عنہ جدی البوامی
 اودع محبتی من اول ترعرعہ وکان سیدی لبوابی وایاہ متحابین للہ -
 فیقول اندیسر فی ذلک، وعسی ان یکون لہ شان۔ ثم اُلبہم طلب طریق الحق منی
 ومنہ محبتہ عظیمہ فی مسترعة بظاہرہ وباطنہ وقلبہ وقالیہ ولسانہ۔ ودرق
 الاقبال التام علی الاخذ منی فما زال یصعد ویسعد حتی دایت فیہ تیقف لطیفہ
 انا والنجرا لیمت وحتی دایت فیہ تمکنا تاماً واستقر اُراقویاً۔ وامنت من تقلب
 احوالہ وتذبذب اقوالہ۔ ورایتہ قد انفقہ لہ باب الذی بلینہ وبین علیہ الثانیۃ
 فہو یاخذ ما یاخذ من منبعہ من غیر تقلید ورضیت اخلاقہ واعمالہ استحسنست
 اطوارہ ووضاعہ۔ وھو محمد اللہ (منہ نصی ودماء علی وحافظ اسرار وناظر
 کتب۔ بل ھو کان الباعث علی تسوید کثیراً منها واللباشر لتبہیضہ واظن ان علی
 یقف فی الناس من جہتہ۔ فالہمت ان ابشعہ الناس خبرہ ولا ادع سترہ ملکوتنا و
 لا اذرہ فالبتہ الخرقۃ الصوفیۃ الیاس اجازۃ کما البسہا سیک الوالد الباس
 اجازۃ وانا بیک وکما البسیہما ابو طاهر المدا فی۔ وخرقہا مستوعبۃ لجسیم خرق
 الاولیاء۔ وجزت نہ ان یلقن الاشغال الصوفیۃ الی سمعہا منی او لم

یہ اس کے بعد اپنے مرکزی جمعیت کی شاخیں اطرافِ مملکت میں قائم کرائیں۔
نجیب آباد کا مدرسہ اور دائرۃ (تکبیر) شالہ حکم اللہ دئے بریل،
حکیم السنہ کی انقلابی تحریک کے مرکز تھے۔

بقیہ صفحہ ۴۵۔ یسعم وان يتصرف في العريدین السائلین ویاخذ الفقه من طبقا
الناس اجمعین وان یدرس الحدیث والفقه والتفسیر وسائر علوم الدین
عما اخذ منی وشارک فی اخذ من مشائخ الحرمین المحتومین الخ فقیہیات
الہدیہ ۱۲۵ و ۱۲۶

روزے دراؤ اثر ایام خود۔ بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق شاہ کردہ والد ماجد فرمودند
کہ بایک گروہ دوستی دارند۔ وایں دوستی سبب اتہاج و سرور من مے شود۔ ستر این کلمہ من بعد
بنظور پیوست کہ ایں عزیز بایں فقیر ارتباط طریقت پیدا کرد۔ و متبع شد۔ و امید این است
کہ ایں دوستی مثمر فوائد بسیار باشد میرا نفس العارفین مشہد بعد از والد ماجد از یاران عمدہ
ایشان مثل شاہ محمد عاشق۔ و خواجہ محمد امین ولی اللہی نیز علوم، حاصل کردم شاہ محمد عاشق
در سماع و قرأت بر شیخ ابوطاہر و دیگر مشائخ حرمین بر شریک حضرت ایشاں بودند و بحالہ نافذت
قال الشیخ محسن فی "الایانہ الجنی" ومن اجلۃ اصحاب الشیخ ولی اللہ
الشیخ محمد عاشق، قد شادکہ فی الاخذ من مشائخ الحجاز۔ ومن مؤلفات
کتاب فی السلوک معروف۔ والشیخ محمد امین الکشمیری بخاراد والدہلوی
قہرآء، کان یتنسب الی شیخہ و یعرف بالنسبۃ الیہ و ہما اللذان اخذ
عنہما الشیخ عبد العزیز۔ کما ذکرہ فی عجالہ ۹۲ مسمی مولانا نور اللہ بخاروی
آپا نام ولی اللہ کے مکان سے ہیں۔ تعلیمات جو اول صفحہ اول پر شاہ صاحب نے ان کو

پہچان جواز نامہ لکھ کر دیا ہے۔ مفصل موجود ہے۔ فقہ حنفی میں شاہ عبدالعزیز کے استاد اور آپ
(۹) کے خسر بھی ان کے بیٹے مولانا مہتاب اللہ ہیں جن کے صاحبزادے مولانا عبداللہ الحی ہیں۔ مولانا عبداللہ الحی
شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ ہیں۔ ان کے بھائیوں کے بعد سب سے بڑے آدمی ہیں۔ انفاس

العارفین حالات شاہ عبدالرحیم میں ان کے حتمہ حتمہ حالات موجود ہیں ۱۲ ذی القعدة

(حاشیہ صفحہ ۴۶) احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینے میں نواب نجیب اللہ خاں
نجیب آباد کا مدرسہ اور نواب حافظ الملک رحمت خاں والی بریلی وغیرہ امداد

مشرک تھے۔ حافظ الملک کی سرکار سے سینکڑوں طلبہ کو ماہوار امداد ملتی تھی۔ جو شاہ صاحب
کے کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ نواب نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ کے خاص مستر شہین سے تھے۔
شاہ صاحب ہی کے مشورے سے انہوں نے اور ان کے رفقاء نے احمد شاہ ابدالی کو قندھار
سے بلایا۔ احمد شاہ کے بلانے میں وہ ایک واسطہ ثابت ہوئے۔ دراصل شاہ صاحب
کی روحانیت کام کر رہی تھی۔ اس جنگ میں افواج ابدالی کے ساتھ نواب شجاع الدولہ وزیر
اور نواب نجیب الدولہ کی افواج سرگرم کار ہیں اور بڑے اعلیٰ کارنامے دکھائے۔ ابدالی کی
جنگ میں نواب نجیب الدولہ مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ سیر المتاخرین میں ہے: بعد از حصول
ایں فتح دستہ الامام احمد شاہ ابدالی از میدان جنگ دپانی پت، خوامیدہ در سواد دہلی نزول فرمود۔
و چند روز توقف نمودہ سلطنت برائے شاہ عالم و وزارت بنام شجاع الدولہ و امیر الامرائی بنام
نجیب الدولہ مقرر نمود۔ و بہرہ و سفارش ہم دگر نمودہ نجیب الدولہ را مامور بہودن شاہجہان
آباد کرد۔ ۱۶ شعبان ۱۱۷۴ھ ہذا باغ شاہ لاہور دہلی بہتصہ قندھار بکران بہت زیر راں کشید۔ ۱۵
نواب نجیب الدولہ نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ تاکہ شاہ ولی اللہ کے طریقے کی تعلیم و اثرات
ہو۔ نواب مذکور کی عظمت و جلالت اور علم دوستی کا اندازہ شاہ عبدالعزیز کے ارشاد ذیل
سے کیا جاسکتا ہے: نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بودا دے پنج روپیہ و اعلیٰ پنج صد روپیہ سی یافت
(ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۷۷)

سندھ میں ملا محمد معین کا مدرسہ محلہ ان کا ایسا مرکز تھا جس سے مشہور عارف

دہلیہ مفتوحہ، نواب نجیب الدولہ ایسا حافل اور ہوشیار تھا۔ کہ کمر ہوتے ہیں امانت اور ایمان داری
تو اس وقت اس پر ختم تھی۔ وہ اپنے پرانے آقاؤں۔ نواب دو بیٹے خاں رحیلہ۔ اور نواب زبیر
شجاع الدولہ کی فرماں برداری کئے جاتا تھا۔ اس وقت بھی جو امر داس ٹوٹی چھوٹی سلطنت کو
نبھار رہا تھا تہ تاریخ ہند از ذکار اللہ ص ۳۱۶

دائرہ شاہ عظیم الشان | سید شاہ عالم اللہ عبد عالم گیر کے مشہور عالم ربانی اور صاحب
سلسلہ شیخ تھے۔ آپ شیخ آدم بنوری کے بڑے خلفاء میں سے
تھے۔ اس طرح سے آپ اور حضرت مجدد کے درمیان صرف حضرت شیخ بنوری کا واسطہ تھا۔
سرتاپا اتباع سنت کا نمونہ تھے۔ شاہ غلام علی صاحب نقشبندی دہلوی کے در المعارف میں
ہے۔ کہ آپ کے انتقال کی رات عالم گیر نے خواب میں دیکھا۔ کہ آج رات جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی۔ علماء سے
تعبیر دریافت کی۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ تاریخ بلکہ لینی چاہئے۔ اس رات کو سید عالم اللہ صاحب
کی وفات ہوئی ہوگی۔ کیونکہ ہی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ
مشابہ ہیں۔ سرکاری وقائع نگار کی اطلال سے معلوم ہوا کہ اسی شب کو سید صاحب نے انتقال فرمایا
سید احمد امیر شہید کی ولادت اسی دائرے میں جو اب تک علم اللہ کے نام سے مشہور ہے۔

منہ السنہ ۱۲۰۰ھ میں اپنے والد سید محمد عرفان کے گھر ہوئی۔ فقیرت سید احمد ص ۵۰۵ ۱۲۱۵ھ نور الحق
سہ اشخ معین الدین نقوی عرف مخدوم ٹھارو البصرہ بمولہ مخدوم محمد شمس اودان کے صاحبزادے
عبد اللہ کے استاد ہیں۔ شیخ عبد الحق دہلوی کے طریقہ کے خلاف شاہ ولی اللہ کے طریقہ کو ترجیح
دینے کے لئے آپ نے طرہات الطیب لکھی۔ اس کتاب کا الدر امثال فیہ عشر خصوصیات طور پر مطالعہ
کرنا چاہئے جس میں انہوں نے امام بخاری کی تاریخ صغیر کی اس عبارت کا رد لکھا ہے۔ جہاں

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی بعض خصوصی تعلق رکھتے تھے۔

ابقیہ صفحہ ۴۸ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ پر جرح کی ہے۔ کتاب مذکور لاہور میں طبع ہو چکی ہے۔
ابجدیش ہی نے طبع کرائی۔ اس کا رد شیخ عبداللہ مذکور نے لکھا جس میں شیخ عبدالحق کے
طریقے کی تزییح ہے۔ کتاب کا نام ذب اللہ بابا بات عن الدراسات ہے دارالرشاد
سندھ میں اس کا ایک نسخہ خطیہ موجود ہے۔ پورا تذکرہ شاہ معین الدین کا تحفۃ الکلام تاریخ
سندھ میں موجود ہے۔ کتاب مطبوعہ ہے۔ کاش میرے پاس بھی اس کو کوئی نسخہ ہوتا کراچی
مدرسہ مظہر العلوم میں کتاب موجود ہے۔ دامن شعراء

سگت راغون دل دادم کہ با من آتش گردو ندانستم ز بخت بد کہ او دیوانہ خواہد شد
شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی کتاب الرسالہ مطبوعہ سندھ
زبان میں وہی درجہ لکھا ہے۔ جو فارسی میں ثنوی مولانا
روم کا ہے۔ اُس کو ہندو اور مسلمان سب مساوی طور پر پڑھتے ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ انگریزی
میں بھی ہو چکا ہے۔

شاہ محمد معین مصنف دراسات اللیب اور شاہ عبداللطیف ہم مسلک بزرگ ہیں اور
وحدة الوجود کے دونوں یکساں عارف ہیں۔ شاہ محمد معین جب فوت ہونے لگے۔ تو آپ نے
وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ تیار کر کے مسجد میں رکھ دینا۔ جب تک شاہ عبداللطیف نہ آئیں اُن
کا انتظار ضروری ہے۔ شاہ عبداللطیف صحرا نور دتے۔ کیا معلوم کہ وہ کس صحرا میں ہونگے اور
اُن کو کس طرح اطلاع ملے گی۔ اور کب آئیں گے؟ مگر جنازہ تیار ہونے کے بعد ہی دیر بعد آپ
تشریف لے آئے۔ اور امامت کرائی۔ بعدہ کہا کہ آج کے بعد ٹھٹھ سے ہمارا تعلق منقطع ہو گیا ہے
فائدہ۔ کپتان الیگزینڈر مہلشن اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ شہر ٹھٹھ سندھ میں مختلف
علوم و فنون کے پیارے گھر تھے۔ علامہ نقوی جو ہندوستان کی سیاست کے لئے تشریف لائے

حکیم الہند نے دہلی کی حکومت کے اشتراک سے اپنے پروگرام کا ایک حصہ مکمل کر لیا۔ وہ ہے معرکہ پانی پت۔ پانی پت کا واقعہ حکیم الہند کے مذکورہ بالا خواب کی تعبیر تھی۔ اس تعبیر کے دو برس بعد ۱۷۷۷ء (۱۱۷۷ھ) میں امام ولی اللہ نے وفات پائی۔

اگر اہل علم حکیم الہند کی تصانیف انہماک سے پڑھیں تو انہیں اُن کے مخصوص نظریات پر یقین حاصل ہوگا۔ اُن کے وہ افکار جو اُن کو بالبدایت معلوم ہونگے، ہم اُن میں سے پانچ بطور نمونہ یہاں ذکر کرتے ہیں:-

بقیہ صفحہ ۴۹ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ محمد شاہ تغلق کے عہد میں صرف دہلی شہر میں ایک ہزار مدارس تھے۔ پروفیسر ماکس ملز سرکاری کاغذات کی بنا پر لکھتا ہے کہ برطانوی حکومت سے قبل بنگال میں ۸۰ ہزار دینی مدارس تھے۔ اس کے دوسرے نقطوں میں یہ بھی ہونے کے آبادی کے ہر چالیس افراد کے لئے ایک مدرسہ قائم تھا۔ رپورٹ وارڈ نے ۱۸۲۱ء میں بیان کیا تھا کہ انڈیا ڈسٹرکٹ سکولوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں ہر اکتیس لڑکے پر ایک سکول ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے)

معرکہ پانی پت | امام ولی اللہ کی مذکورہ بالا خواب کے دو حصے ہیں جسے دل کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

دائیت ملک الکفار قد استولی علی بلاد المسلمین۔ اس خواب کا مشاہدہ یوں کرایا گیا کہ لال تلے پر مڑھوں نے قبضہ کر لیا۔ نور وہم ماہ ذی الحجۃ ۱۱۷۷ھ قلعہ دلال قلعہ بدست بھاؤ افتاد۔ دھرم سرانے شاہی و جمیع کاہنہ کے لئے سلطنت اختیار مرہ رقت۔ و ذلک

دبقیہ صفحہ ۵۰، تقدیر العزیز علیہ سیر المتأخرون ص ۹۱۲ قولہ - وھبوا مالکم
جس وقت دل قلعہ پر مٹوں نے قبضہ کیا۔ اس وقت کی موٹ گھسوٹ کا اندازہ لگانے کے
لئے ذیل کا حصہ پڑھئے: "دناؤت ونگت چٹنی بہاؤ بھرتیہ بود کہ سفت دیوان خاص شاہی را
کہ از نقرہ میدنا کار بود۔ بر کندہ مسکوک ساخت۔ و طلا و آلات۔ و نقرہ آلات مزار اقدام
نبوی و مقبرہ نظام الدین معروف بہ اولیاء۔ و مرقد محمد شاہ مثل عود سوز، و شمع دان و
قنادیل و غیرہ طلبیدہ مسکوک نمود۔ ص ۹۱۲۔" ملک الکفار بھاؤ کی مذکورہ ذیل دناؤت بھی
قابل تعجب ہے۔ میر غلام علی خزانہ عامرہ ص ۴۸ میں لکھتے ہیں: "بالاجی راؤ بااں اقتدار کہ سلطنت
دکن و ہند بدست آوردہ بود۔ نان باجرہ مے خورد۔ نان گندم خوش نداشت۔ باد بجان خام
دائبر خام و کرسنہ خام پر غبت تمام مے خورد۔ چول اصل پیشیہ براہمہ گداؤی است۔ و در کیش
ہندو ال مقرر شدہ کہ صدقات را بہ براہمہ باید داد۔ طباع آں قوم نسلا بدنسلی بدریوزہ گری
مقتود شدہ۔ و طامعی و ابن الغرضی لازم باہیت برتنی گردیدہ۔ بنا بریں باوجود حصول مرتبہ
سلطنت و امارت شیوہ گداؤی از طینت آں مایہ نہ رود۔ ہر محتاجی کہ بحکام و متصدیان
براہمہ مذکور رجوع مے کند نظراں مایہ نہیں کہ برائے مایہ آوردہ سہ
بدست خلق عالم کاسہ دریوزہ مے بسیغم گداچوں پادشاہ گرد گدا ساز و جہانے را
و مدار خدائے آں خواہ غنی باشد یا فقیر بردال تور دار ہر، است و بادال عکاز
روغن کہ آن را در ہندی بگھاڑ گویند مے کنند۔ و از خامیج نیز روغن بکار نمی برند کہ بیوست
اوراد و دناؤت و مریج سرخ و حلتیت (حینگ)، و زرد چوبہ ہم در ماکولات اشیاء بسیار استعمال
مے شود۔ مریج سوائے آنچہ در بچن داخل نمودہ اند۔ ہنگام خوردن باطعام بافراط مے خوردند۔
قولہ - اظہر فی بدلتہ اجمیر شعائر الکفر و ابطال شعائر الاسلام یعنی
دہلی جس کا روحانی مرکز اجمیر ہے۔ اور خواجہ معین الدین نے وہیں سے اشاعت و تبلیغ اسلام
کا کام شروع کیا تھا جس کے نتیجے میں دہلی فتح ہوئی۔ اسی دہلی پر ملک الکفار کا قبضہ ہو

دقیقہ منہ ۱۵۱ چک ہے جس کے بعد اس نے شائر کفر کا اعلان کر دیا۔ اور شعائر اسلام کو ختم کر دیا۔ میرزا خیرین میں ہے: بھاؤ قلعہ داری شاہجہان آباد بہ نار و شکر برہمن تفویض نمودہ۔ جیسے راجپوت قلعہ ہمراہ اوکر دھڑا۔ ۹۱۲۔

الغرض امام ولی اللہ نے جس رنگ سے خواب میں دیکھا۔ انہیں خصوصیات کے ساتھ ملک الکفار مسلمانان ہند پر غالب آیا۔ اور ان کے مرکز سیاسی پرائس نے قبضہ کر لیا۔

خواب کا دوسرا حصہ | احمد شاہ ابدالی نے یکا یک ہندوستان پر حملہ کر کے مرہٹہ تحریک کو پانی پت کے میدان میں ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

میرزا خیرین میں ہے کہ فواج دکن مع بھاؤ دیشورائو، دوساں راؤ وغیرہ سرداران متسلل گشتہ بیخ و بنیاد عمرو دولت مرہٹہ پر کندہ گشت و تاملتے انجماعت مذکور در ہندوستان نمایاں نہ بود۔ و در تمام قلمرو ہندوستان یک نفر مرہٹہ نے نمودہ۔ ۹۱۳۔ در حقیقت اس کا سبب خواب مذکورہ بالا کا یہ ٹکڑہ ہے۔ دأیتی فی المناہر قائل المانہا ان اعنی بذلک ان اللہ اذا اراد شیئاً جعلنی کالجرحۃ لا تمانہ مرادہ۔ آپ کے بارہ ہونیکا تحقق عالم و سباب کے رو سے اس طرح ہوا۔ کہ سب سے پہلے بھاؤ نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے نواب شجاع الدولہ والئے اودھ سے ساند باز شروع کی۔ اسی سلسلے میں اپنا ایک برہمن سفیر اس کے پاس بھیجی۔ اس کے جواب میں شجاع الدولہ نے کہا: ”ازدلتے براہمہ دکن بر ہندوستان مسلط شدہ اند۔ روادار آبرو۔ در فاہ و آسائش احد سے از خلق نیستند ہمہ را برائے نمود و اتہام خود می خواہند۔ مردم از دست ایشان بجاں آمدہ۔ برائے پاس ناموس و آبروئے خود۔ در فاہ عالمی شاہ ابدالی را بہتت از ولایت طلب داشتہ۔ و صدقات اورا بہ نسبت ایدائے مرہٹہ سہل انگاشتہ سیر۔ اس کے بعد نواب نجیب الدولہ وغیرہ امراء ہند کے متعلق تحریر ہے: نواب نجیب الدولہ و راجہائے ہندوستان از دست مرہٹہ و عماد الملک بجاں آمدہ زوال دولت و ملک خود از دست برد مرہٹہ برائے العین مشاہدہ نمودہ ہوئے۔

استدعا بخیرت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ خوانان و رواد اور ہندو شندہ سیر قولہ یقتلوا
 بینہم وقولہ فقام رجل وسألنی عن المسلمین اقتلوا فیما بینہم فوقف
 عن الجواب فلما صرح بتاریخ ہند شاہد ہے کہ مرہٹوں کی اس جنگ میں مسلمانوں کی ایک
 جماعت اُن کی فوج میں بھرتی ہو کر میدان جنگ میں لڑی۔ عرب اور ہندوستانی فوج کے
 علاوہ توپ خانے کا سردار ابراہیم گاروی تھا۔ اس نے ہمت کر کے توپوں کی زنجیر بندی کی۔
 اور مرہٹوں کو کچھ دیر تک بجائے رکھا۔ سیر میں ہے "تاریخ" بجادی الاخریٰ بدوڑ چہار شنبہ
 ۱۱۷۰ھ بجاد فوج ہارا ترتیب دادہ ابراہیم خاں رابع توپ خانہ فرنگی پیش رو گذار شستہ۔
 افواج مرہٹہ ہر ہر گویاں از سنگر بہ لشکر ابدالی رو آورند۔ و ابراہیم نگرگ باز گو کہ توپ
 از مد گذار نید۔ و بجاد مغلیہ ملازم خود را حکم پیش رفتن داد۔ و آل اسپاں را حنا دادہ
 مقابل عساکر ابدالی آمدند ۹۱۴ھ قولہ فبطش بہ القوم فذبحوا فلما رأیت
 الدام یخرج من اوداجہ متدفق فقلت لہ تاریخ نامی میں مذکور ہے کہ بجاد نے دلی
 پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ اپنے بھتیجے بسواس راؤ پسر بالاجی راؤ کو تخت دہلی پر بٹھا کر
 یہ اعلان کر دے کہ اب سے ہندوستان کے تخت و گلیں کے مالک مرہٹہ برہمن ہیں۔ مگر جنگ
 پانی پت کے خاتمے تک اُس نے اس اعلان کو ملتوی کرنا مناسب خیال کیا۔ لیکن اسی
 جنگ میں بسواس راؤ امیدوار تخت و تاج۔ اور تخت بخش والا بجاد ہر دو کام اُسے۔ سیر
 المتخرین میں ہے۔ اندیسواران اول بسواس راؤ پسر بالاجی راؤ۔ کہ شاہزادہ آندا بود۔ در
 عین شباب بر قم تفتنگ گشتہ شد۔ و بعد او سپہ سالار سدا شیور راؤ معروف بجاد۔ برادر عم زاد
 بالاجی راؤ ہلاک گردید۔ و اندیسواران نامور غنیم کسے جاں سلامت نہ برد۔ الا دو کس
 و بعد ازیں شکست فاش بالاجی راؤ ہم غصہ مرگ گشتہ۔ پس از پنج ماہ و سیزدہ روز نوروزیم
 ذی قعدہ سال مذکور بہ سپہ و برادر ملحق گردید۔ و ابراہیم خاں گاروی اسیر گشتہ ساتتے سربایہ
 ماہیان میدان بود۔ پس از زدن آب شمشیر از سرش گذشت ۹۱۴ھ

«الف» قرآن عظیم اپنے انٹرنیشنل انقلابی نظام میں مستقل موثر ہے یعنی
 رہتی دنیا تک مسلمانوں کی کوئی جماعت جب بھی اس پر عمل کرے گی۔ اس سے
 وہی نتائج پیدا ہونگے جو دورِ اول میں دنیائے دیکھے۔ یہ قرآن کی تاثیر ہے
 کسی آدمی یا زمانے کی تخصیص لغو ہے۔»

بقیہ صفحہ ۵۳ یہ ہے تفسیر وجعلنی کابجاء حۃ کی۔ اور یہی معنی اس ارشاد کے ہیں۔
 ونفث من تلك الحضرة في نفسی لا من جهة هذا العالم۔

قولہ حتی وصلنا الاجمیر۔ بعینہ اسی طرح ابدالی مع افواج قاہرہ کے شہروں
 کو فتح کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ اسی تباہ کن کا تقاضا ہے کہ شاہِ ابدالی فتح کے بعد حکومت ہذا
 حقداروں کے حوالے کر کے خود سداقہ دار روانہ ہو گیا۔ یہاں حکومت کرنے کا خیال تک
 اُس کو نہ آیا۔ فللہ الحمد فی الاولی والاخرۃ۔ عفو الرحمن۔

۱۵۔ اسلام کی انقلابی حقیقت کا اور اک اسی ایک اصول سے وابستہ ہے۔ کہ اسکے
 تمام انقلابی اثر کی اصل الاصول قرآن عظیم کی تعلیم ہے۔ اور اس کا اثر کسی دور سے مخصوص
 نہیں ہے جب کبھی کوئی جماعت صدقِ دل سے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ نتائج
 یکساں مرتب ہونگے۔ عیسائی دنیا اسی چیز کو عام نظروں سے اوجھل کرنے کے سعی کرتی رہتی
 ہے۔ مگر جی زیدان نے توساف صاف لکھ دیا کہ خلافتِ شیخین کا نظام محض محبت و اتفاق
 کا نتیجہ تھا۔ یعنی قرآن میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اتنا عظیم الشان انقلاب پیدا کر سکے۔ چند
 افراد اتفاق سے مجتمع ہو گئے۔ اور انہوں نے ایک بار ایسا کر دکھایا۔ لیکن ہمیشہ یوں ہو
 یہ غلط ہے۔ اس تعلیم کے اثر کو زائل کرنے کے لئے وہ نہایت لطیف اور دقیق حربے کام
 میں لاتے ہیں۔ مثلاً زمانہ حال کی مجالس دئے سیرت کا نظام بھی اسی قسم کا ایک مختصر ہے۔

(ب) مسلمانوں کی اجتماعی تحریک جسے قرآن حکیم کی تفسیر کے طور پر سیکھنا ضروری ہے۔ وہ دور اول، یعنی مبعوث سے فتنہ عثمان پر ختم ہو گئی۔

بقیہ صفحہ ۴۴ جو مسلم عوام کو پلایا جا رہا ہے، تحریک مذکورہ کو چلانے والے یہ بھی ہیں نہ مگر جن لوگوں نے اُن کو یہ نقشہ دیا۔ ان کا اصل مدعا یہی ہے کہ اسلام کی تمام تر تعلیمات کا اثر بچائے قرآن کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شخصیت میں مضمر ہے۔ اگر آئندہ بھی کوئی ایسی شخصیت برائے کار آگئی، تو ممکن ہے کہ یہ اثر دوبارہ پیدا ہو سکے یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت انتظار مہدی میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ہ نور الحق

لہ انبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاں کہ خیر القرون قرنی۔ ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم وراثتہم تسبق ایمانہم شہادۃم وشہادۃم ایمانہم رقرن اولیٰ، قرآن آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم از ہجرت تا وفات (دو قرن ثانی) زمان شیخین و در قرن ثانی؛ زمان ذی النورین (استشہد علیہ نور) تفصیل میں اجمال آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ کہ بعد قتل عثمان بطور پیوستہ۔ در احادیث متواترہ مشکوٰۃ الطرق بیان فرمودند چنانکہ عنقریب مذکورے گردو۔ و ما قبل آں را بوجہ متعددہ از صفات مدح گردانیدند۔ و ما بعد آں را بانواع بسیار از صفات ذم نکوہیدند چوں ملاحظہ آں ہمہ طرق می نمایم کہ مختلف اند در تعبیر و متحد اند در اصل مقصود۔ جس قوی ہمے رسد کہ مراد از قرون ثلاثہ تفصیل ہاں مدت است۔ و تقسیم بقرون ثلاثہ و مدح آں قرون نیست۔ الا باعتبار کمال مدبران آں قرون و قائمان بالامر و الای و باعتبار شیوع اعمال خیر و ظہور دولت اسلامیدہ و انجامزد موعود اللہ عزوجل در ظہور دین حق۔ و ازالۃ الخفا مشہود

اہل مدینہ نے ان تعلیمات کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور وہ مؤطا امام مالک میں مدون ملتی ہیں۔ اس لئے تمام کتب حدیث وفقہ پر مؤطا کو مقدم ماننا چاہئے۔

مؤطا امام مالک ^{۷۲} اہل اہل مدینہ سبب اختیار اقوال تابعین اہل مدینہ آں
آنست کہ مدینہ وروح بلاد وول اعصار پودہ است وعلما زمانا
بعد زمان دران جا میرفتند وآنرائے خود را بردارنے اصل مدینہ عرض سے گردند۔ پس
نزدیک اہل مدینہ علوم منفعہ بودند کہ نزدیک غیر ایشان نبودند۔ و مشائخ مالک ہمارا
اہل مدینہ اندالاشش کس ابوالزبیر از اہل مکہ۔ وحید طویل والیوب سختانی از اہل بصرہ
وعطاء ابن عبد اللہ از اہل خراسان وعبدا لکریم از اہل جزیرہ وابراہیم بن ابی عبیدہ از اہل شام
مصطفیٰ شرح مؤطا ص ۱۲۴۔

قال مالک السنۃ الی لا اختلاف فیہا عندنا کذا لو کذا۔ نیز مراسیل اور
منقطعات سے انہوں نے اپنی کتاب کو بھر دیا ہے۔ وہ اس بات کو قبول نہیں کرتے
کہ کسی دوسرے کے سامنے انہیں اپنے اسانید بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اہل مدینہ
کی روایت کو اپنے طور پر ٹھیک سمجھ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ قومی روایتوں میں لازمی چیز ہے۔
جن لوگوں نے ریاست اسلامی سے قومیت کو علیحدہ کر دیا۔ وہ حدیث کے اس طریقہ تحقیق
سے نا بد ہو گئے۔ یہ صحیح ہے کہ دینی امور میں ہر ملک کی روایات اس طرح معتبر نہیں ہو
سکتیں۔ یہ تخصیص فقط اہل مدینہ منورہ کے لئے ہے۔ مگر قومی روایت ہر قومی مرکز سے
قبول کرنا پڑے گی۔ ہر ایک قومی آدمی اپنی قوم کی روایت کو بالبداهت صحیح مانتا ہے
مگر دوسروں کے سامنے ایک جہد اُس کے اثبات کے لئے نہیں پیش کر سکتا۔ یہ امر تمام
اقوام میں یکساں مشترک ہے۔ لہذا قومی تحقیقات میں ان چیزوں سے تغافل برتنا کوئی
عقلندی کی بات نہیں ہے۔ دینی تعلیم چونکہ عوام میں اجتماعی طور پر مدینہ منورہ سے پھیلنا

رج، قرآن عظیم نے تمام ادیان پر جس غلبے کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ اسی دور
 اول میں پورا ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے لئے کسی نبی یا ولی کا انتظار غلط ہے
 قرۃ شیعہ اہل بیت کے نام سے غلط پروپیگنڈا کر کے مسلمانوں کی ذہنییت
 جس قدر مسموم کر چکے ہیں حکیم الہند کی تصانیف اس کا علاج ہیں۔

دقیقہ صفحہ ۵۶ شروع ہوئی۔ اور حضرت عثمان کی شہادت (۳۵) تک وہ تسلسل قائم رہا
 اس لئے اس خاص معاملے میں مدینہ طیبہ کا مقابلہ نہ تو مکہ معظمہ کر سکتا ہے۔ اور نہ بصرہ و
 کوفہ و بغداد۔ اسی اساس پر ہم مؤطا مالک کو قرآن شریف کے بعد اول درجے کی اسلامی
 روایت مانتے ہیں۔ ہم امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، وغیرہ ائمہ محدثین کے بہت ممنون
 ہیں۔ کہ انہوں نے مؤطا کی اس شان کو برقرار رکھا۔ اور دوسرے نہیں اس دور کی اصطلاحات
 کے مطابق مؤطا کو اول درجے کی کتاب ثابت کر دیا۔

خروج مہدی کا عقیدہ | قال الامام مولی اللہ فی ازالة الخلفاء۔ باقی ماند اینجا
 مسئلہ درخایت اشکال در حدیث ابن ماجہ اشارہ بقصد
 خروج ابو مسلم از خراسان واقع شدہ۔ و آن خلیفہ را مہدی گفتہ اند و ترغیب بر نفرت او نموده
 اند۔ (۱۱) خروج ابن ماجہ عن حدیث علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود قال
 بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قبل فتیۃ من بنی
 ہاشم قلما راہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغرو دقت جینا ہ و تغیب
 لونہم فقلت ما انزل تری فی وجہک شیئاً تکرہہ فقال انا اہل بیت اختیار
 اللہ لنا الاخرۃ علی الدنیا وان اہل بیتی سیملقون بعدی بلاؤ و تشرید
 و تطرید اجتی یا قی قوم من قبل المشرق معہم آیات سود و نعیسین

بقیہ صفحہ ۵۷، انخیر فلا یعطونہ فیقاتلون فیدنہمہرون۔ فیعطون ما سألوا۔
 فلا یقبلون حتی یدفعواھا الی رجل من اهل بیتی فیملأھا قسطاً
 کما سئلواھا جوداً فمن ادرك ذلك فلیأتم واولو حبیوا علی ثلج (۲) واکخرج
 ابن ماجہ عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقتل عند
 کنزکم ثلثہ کلہم ابن خلیفۃ۔ ثم لا یصیر الی واحد منهم ثم تطلع الی ایا
 السود۔ من قبل المشرق فیقتلونکم قتلاً لم یقتلہ قوم۔ ثم ذکر شیئاً
 لا احفظ۔ فقال فاذا راہتموہ فبا یعموا واولو حبیوا علی ثلج۔ فانه خلیفۃ اللہ
 المہدی (۳) واکخرج ابن ماجہ عن عبد اللہ بن الحارث بن جری الزبیدی
 قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج ناس من المشرق فیؤثثون
 للمہدی سلطانہ۔

تحقیق این سہ حدیث پیش فقیران است۔ کہ مراد از مہدی خلیفۃ بنی عباس است
 نہ امام مہدی کہ در آخر زمان ظہور نماید۔ این جامدی گفتن و خلیفۃ اللہ نامیدن و حث
 بہ نصرت او نمودن بجنبت آن است کہ خلافت این فریق در پردہ تقدیر مصمم شد آن را
 تغیر و تبدل نیست۔ پس او مہدی است۔ راہ نموده شدہ بسوئے تدبیرے کہ متقی باشد
 بہ استقرار خلافت۔ نہ بچل خارجیان دیگر کہ تدبیراتہا متلاشی شد و بجز ہرج و مرج با چیز
 بدست او شالی نیامد۔

و او خلیفۃ اللہ است با این معنی کہ خلافت در قدر الہی مصمم گشت و باو باید بود۔
 و رد او نباید نمود۔ زیرا کہ مطلوب اہم در شریعت قطع نزاع است و تقلیل ہرج مرج
 و خلافت مستقرہ بہر است۔ اگر چه صاحب آل کوردی علی ضمیمہ باشد۔ از خلافت متلاشیہ
 نحو صاحب آل افضل باشد۔

قلت المہدی الذی فی آخر الزمان ان ثبت لا یزید علی کوند من اشراف

بقية صفح ٥٨. الساعة التي لا يكون بعدها استقرار شريعة وقانون. قلنا ينبغي ان يجعل فلاح المسلمين معلوماً بظهوره قلت الاحاديث الثلاثة التي رواها امام ولي الله وان كانت مروية في كتب الطبقة الثالثة لكنها قبلناها لان اصلها ثابت. قال الامام ابو داود عن حماد بن عمار قال سمعت علياً يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم يخرج رجل من كل قرية النهر يقال له الحارث حراث. على مقدمته رجل يقال له منصور. يوطئ او يمسك قول محمد كما مكنت قرين رسول الله صلى الله عليه وسلم وجب على كل مؤمن نصرة. او قال اجابته.

قلت وتلك الاحاديث صحيحة في المهدى العباسي كما قررنا الامام ولي الله الدهلوي. وكذلك يتبين منها ان المراد من اهل البيت ههنا بنوها ثم كلهم. وان المراد بقوله يسلوا الارض قسماً ليس لانه يعمل على السنن وتيقيد بضوابط العدل الاسلاميه مثل عمر بن عبد العزيز. فان سفيان الثوري كان يقول ان كان المهدى فهو عمر بن عبد العزيز وكراه السيوطي في تاريخ الخلفاء. ولا يكون المهدى مثل الامراء الظالمين الذين يستثنون انفسهم من القواعد. قلت فيمكن ان المهدى العباسي مصداق كل حديث جاء فيه ذكر رجل من اهل البيت الا بهاموا الاجمال. منها حديث ابن مسعود اخرج ابو داود عن حاصم عن زر عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لو لم يبق من الدنيا الا يوم بطول الله ذلك اليوم حتى يبعث رجل مني. او من اهل بيتي يواطئ اسمي. واسم ابيرة اسم الى. يسلوا الارض قسماً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً. فان المهدى العباسي اسمه

محمد بن عبد الله وهو من اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم من بنى هاشم
قلت وهذا الذي اشار اليه الامام ولي الله من ان المهدي يخرج في اخر الزمان
وقد اشتهر انه يكون من اولاد فاطمة وعلي. وقد اتفق على
ذلك اصحاب الكشف من المتأخرين. وتوغل فيه الناس بعد سقوط
بعد اد. فلم يرد فيه حديث يعين انه من اولاد علي الا وقد ضيعت. قلت
الذي يظهر من منيع الامام ابي داود انه يجعل المهدي واحدا من الاثمة
الاثني عشر ولذلك الخرج هذا الحديث اول باب المهدي. وذكر احاديث
تشير الى خلافة عبد الله بن الزبير وقصة خسف الجيش. فان
الامام ما لكا كان بعده من الاثمة دون عبد الملك بن مروان.
وذكره اول احاديث تشير الى ان المهدي من اهل بيت النبي صلى
الله عليه وسلم على الابهام. ثم ذكر احاديث فيها ذكر انه من اولاد فاطمة
او من اولاد الحسن. ثم ذكر في آخر الباب حديثا لا يتطبق الا على المهدي
العباسي. فكان فيه رمز الى تضعيف ما تقدم من الروايات المتخالفة لها
قال الشيخ ابو الطيب شمس الحق في عون المعبود. زعمت الشيعة خصوصا
الامامية منهم ان الامام الحق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم علي
ثم ابنه الحسن. ثم اخوة الحسين. ثم ابنه علي زين العابدين. ثم ابنه
محمد الباقر. ثم ابنه جعفر الصادق. ثم ابنه موسى الكاظم. ثم ابنه
علي الرضا. ثم ابنه محمد التقي. ثم ابنه علي النقي. ثم ابنه الحسن العسكري
ثم ابنه القائم المنتظر المهدي. وزعموا انه قد اختفى خوفا من اعدائه و
سيظهر فيلاء الارض قسطا وعدلا كما ملئت جورا وظلما. ولا امتناع
في طول عمره وامتداد حياته. قلت تحوير محل النزاع بين اهل السنة و

الشيعة عندي ان القرآن نزل على النبي صلى الله عليه وسلم وبشارة بظهور
دينه على الاديان كلها ولكن فقم اكثر بلاد الكفار انما تحقق بعده على
أيدي الخلفاء الراشدين ثم على أيدي بني امية ثم على أيدي بني العباس
ثم ملوك الهند وغيرهم. فالشيعة لا تسلم لهم خلافتهم. قال امر الموعود
في القرآن كان لم يتحقق عندهم لا يمكن انجاز هذا لوعده عندهم الا اذا
كان على أيدي رجل من اولاد علي ابن ابي طالب وسيدة النساء فاطمة
وهذا اساس عقيدة المهدي عند الشيعة.

واما عند اهل السنة فكل ما كان موعودا في القرآن فقد انجز الله
وعده على أيدي اهلها جرين والا نصبار الذين اتبعوه. وعلى بن ابي طالب
واولاده داخل في جملةهم. ثم اذا تنبنا احاديث النبي صلى الله عليه
وسلم وجدنا ان النبي صلى الله عليه وسلم اخبر ان في امته رجلا لون
كذابون. ثم اخبر بان يكون فيهم ائمة راشدون محمديون يجدون
من الدين ما افسده الكذابين المبطلون. واخبر ايضا ان الائمة
الراشدين كما يكونون في سائر ميقات قریش كذا اخبر بانهم يكونون
في بني هاشم بيت النبي صلى الله عليه وسلم.

فغلاة المنافقين من امته نبيا صلى الله عليه وسلم يريدون ان يجعلوا
الامامة والمهدية نبوة بعد النبي صلى الله عليه وسلم. فتثبت ولا تكن من
الودايق. قال الامام ولي الله في فيوض الحرمين سالت الله عليه
وسلم سوالاتا عن الشيعة فاجابني الى ان مذهبه باطل وبطلان
مذهبه يعرف من لفظ الامام واما ما عرفت ان الامام عندهم هو
المعصوم المقتضى الطاعة الموصى اليه وحيث باطنيا وهذا هو معنى النبي

چار اخلاق کو حکیم الهند دنیا اور آخرت کی فلاح کا مدار قرار دیتے ہیں اُن
 کامرکز عدالت ہے کسی سوسائٹی میں عدل پیدا نہیں ہو سکتا جب تک
 رزق کمانے والی جماعتوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے
 احتراز نہ کیا جائے۔ نزول قرآن کے زمانے میں کسریٰ و قیصر نے تمام تمدن
 دنیا کے اکثر حصے کو اقتصادی پریشانی میں مبتلا کر کے اخلاق سے محروم کر
 دیا تھا۔ اس لئے قرآن عظیم کا سب سے بڑا مقصد اُن کا زور توڑ کر ایسا نظام
 نافذ کرنا ہے جو اقوام عالم کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔

بقیہ صفحہ ۶۰۔ فہم ھبہم یستلزم انکار ختم النبوة۔ کتاب التمهید
 الموقف الثانی۔

لہ قال الاحام ولی اللہ نے کتاب المہمعات، این فقیر آکا کا بندہ اند
 کہ انچ از باب تہذیب نفس در شرع مطلوب ہے شود۔ اقامت چار خصلت است و نفی
 اضداد آہما حق سبحانہ انبیاء و ابرائے ہیں چہار خصلت فرستادہ و شرائع ہمہ ارشاد بایں
 چار خصلت و تحریریں بر کسب آں و نصب مظان آہما است۔ و ترغیبات و شرائع
 بر سوتے ایں چہار خصلت معروف اند۔ و ترغیبات یہ اضداد آں راجع۔ و ترغیبات از
 اشباع و کوا سب ایں چہار خصلت است۔ و اثم عبادت از مظان و کوا سب اضداد آہما۔
 و آں اخلاق کہ در معاد وجود آہما نفع سے دہر و فقدان آہما ضرر سے کند ہیں چہار
 خصلت اند۔ و ہر کہ حقیقت ایں چہار خصلت بطریق ذوق و وجدان دانست۔ و
 طریق اخفاء و شرائع و ایصال آہما در ہر دورہ و ہر طبقہ بر ایں خصال شناخت سے فقیہ

دبقیہ صفحہ ۶۲، فی الدین وراخی فی العلم است۔ وہر کہ از اشباح شرائع بہ این خصال پے برو
 و رنگ آنہا رنگین شد و نفس مے آنہا را در اصل جو ہر خود قبول کرد۔ جسے از عین است۔
 بالجملہ معرفت این چہا رخصلت یکے از امور عظام است کہ بریں بندہ ضعیف درود فرمود۔ و
 ذلک من فضل اللہ علینا و علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون۔
 ۱۱، یکے از انما طہارت است۔ و حقیقت آل و میل بسوئے آل و ہر نفس از نفوس سلیمہ
 و ولعت نہادہ اند۔ پس اگر نفس بر سلامت فطرت خود یا شد۔ و ہیج عارضی اور تشویش
 نہ بد لا محالہ بر طہارت پور۔ نہ پنداری کہ مرادنا از طہارت این جا و وضو و غسل است بلکہ بر روح
 وضو و غسل۔ و نورانما و حقیقت آل حیثیتی است و ہدائیہ کہ از آل جز پے انس و نود تعبیر نترال
 کرد۔ و این صفت اشبہ حالات انسان است بہ حال ملا و اعلاے در تخرید ایشان از الوات
 بہیمیہ و سرور و ایتہاج ایشان بہ خود۔ و انس ایشان بقسمے کہ ایشان را دادہ اند۔ و چوں کہے
 بہ عالم ملا و اعلاے پیوند۔ و آنجا آنسے و سروری و ایتہاجی بہ غیر نہایت مے بیند۔ پس چوں کہیں
 شخص این حالت را در نفس خود را رخ مے سازد و ملکہ مے گیرد در میان مے و ملا و اعلاے مناسبستہ
 پیدا مے شود۔ و بابے از روح جنت و خلاصہ آن بر مے مقتوح مے گردد۔

۱۲، دوم خضوع برائے خدا تعالیٰ (و انجات) و چشم دل بہ سوئے مے تعالیٰ دو خفتن
 تفصیل این در حال ایکہ نفس سلیمہ در حال فراغ از تشویشات خارجیہ و طبیعیہ و چوں صفات الہی
 و کبریا و جلال مے یاد دہند و بوجہ از وجہ روئے اورا بدان جانب متوجہ گردانند لا محالہ
 اورا حالتے در مے گیرد۔ از جنس حیرت و دہشت و رنگے احاطہ مے کند از رنگ بے مقدس
 مجرد چوں کہیں حیرت و دہشت تنزل مے کند و بہ حالت سفلیہ فرود مے آید ہمیں حیرت
 و دہشت خشوع و خضوع و انجات مے شود و مثل حالت علیہ در حضور کی وارث خویش۔ یا
 موتائی پیش ملوک۔ بالجملہ اشبہ حالات نفس بہ ملا و اعلاے در میان ایشان در جلال و کبریا فی
 او تعالیٰ۔ صفت خشوع و خضوع و مناجات است۔ چوں نفس بر این کیفیت رنگین شود

و بقیہ صفحہ ۶۳ پایے مفتوح گردد میان این نفس و ملاء اعلیٰ از جملت این حالت و مترشح گردد
از ایشان بریں نفس معارف جلیله کہ شیخ آن تجلیات الہیہ باشند.

۳، خصلت سوم سماحت است. و حقیقت ہے آنست کہ نفس مخلوق بہیمہ خسیسہ نہ
شود. از طلب لذت و حسب انتقام و بخل و حرص و شل آن پس ہر شعبہ این خصلت بہ
اعتبار آن داعیہ مسیئہ گمراہی یعنی عدم قبول نفس داعیہ شہوت فرج و بطن را عفت گویند
و عدم قبول داعیہ رفاہیت و ترک عمل را اجتہاد گویند و عدم قبول داعیہ و بخر و خرع را صبر
گویند و عدم قبول داعیہ حُب انتقام را عفو گویند. و عدم قبول داعیہ بخل را سخاوت گویند
و عدم قبول داعیہ حرص را قناعت گویند. و عدم قبول داعیہ مخالفت شرع را در حدود و
مقادیر کہ تعیین شدہ اند تقویٰ گویند. و اصل این ہمہ خصلت یک چیز است و آن خفا
بودن رائے کلی پرودائی خسیسہ. و ہر کہ این خصلت در نفس وے راسخ شد چوں بہمرد جمیع
ہیأت خسیسہ کہ دریں عالم بر نفس وے هجوم کردہ باشند یکسر متلاشی وے گردند و وے
چوں ذہب خام از بوثرہ بر آید. و آن خصلت است کہ دور بودن از عذاب قبر غالباً
بر وے موقوف است. و صوفیہ آن را زہد و حریت و ترک دنیا گویند.

۴، خصلت چہارم عدالت است. و آن خصلت است کہ صدور اقامت نظام
عادل و سیاست کلی از وے باشد. و وے را شغب بسیار است. مثل ادب و کفایت
و حریت و سیاست مدینہ و حسن معاشرت. و بالجمہ این ہمہ یک اصل دارند. و وے
آن است کہ نفس نا طقہ بوجہ واقع شدہ کہ نظام نیک را اختیار کند و بہ انداد آن
مترفع است. و ہر کہ این خصلت در وے بوجہ اتم متحقق شد میان وے و میان آنکہ
وسائل وجود حضرت حق اند از ملاء اعلیٰ و اقامت نظامات عادلہ در اصل فطرت ایشان
نہادہ اند. و ایشان را ہمت قویہ در باب استحسان نظام عادلہ اند. نہایت بیغہ
واقع وے شود. و از دل این جماعت بہ سوئے وے روانہ نورانیہ مثل اشعہ شمس سیلان وے

و یقیناً صفحہ ۶۲، نماید و اس رفاقی بسبب ظہور بیاری از نعمت و رفاہیت سے باشد۔
و بالجہاں سخن دراز است۔ ہر کہ اس را بہ تفصیل خواہد باید کہ بر کتاب حجتہ اللہ الہامیہ
رجوع کند۔ و التقاطات نہایت نسخہ خطیہ ص ۵۴ بعد۔

ثم قال الامام ولي الله في الحجة ۳۲ اعلم ان العجم والمسلم لما توارثوا
الخلافة قروناً كثيرة وخاضوا في لذّة الدنيا ونسوا الدار الآخرة تصفوا
في مرافق المعيشة وتباهوا بها وورد عليهم حكماء الأفاق يستنبطون لهم
دقائق المعاش ومرافقه فما زالوا يعملون بها ويزيد بعضهم على بعض و
يتباهون بها حتى قبل انهم كانوا يعيرون من كان يلبس من صناديدهم
منطقة او تاجاً قيمتها دون مائة الف درهم ولا يكون له قصر فخام ولا يكون
لذ تسع في المطام وتجمل في الملابس وذكركم ذلك يطول وما تراه من ملوك
بلادك يغنيك عن حكايتهم فدخل ذلك في اصول معاشهم وتولد من ذلك
داء عضال دخل في جميع اعضاء المدينة وافة عظيمة لم يبق احد منهم من
اسواقهم وروستاتهم وغيابهم وفقيرهم الا قد استولت عليه وانجذرت
في نفسه واهاجت عليه غموماً وهموماً لا ارجاء لها و ذلك ان تلك الاشياء
لم تكن لتحصل الا ببذل الاموال الخطيرة ولا تحصل تلك الاموال الا
بتضييع الفهراشب على الفلاحين والتجار واشباہهم والتضييق عليهم
فان امتنعوا قاتلوهم وخذلواهم وان اطاعوا جعلواهم بمنزلة الحمير و
البقر ويستعمل في النعم والداس والحصار حتى ساروا لا يرفعون
رؤسهم الى السعادة الآخروية اصلاً ولا يستطيعون ذلك ربما كان
اقلهم واسم ليس فيهم احد يهتد به فيه وصار جمهور الناس عيالاً على
الخليفة يتكفون منه تارة على انهم من الغزاة والمدبرين للمدينة يتبعون

وبقية صفح ٤٥ برسومهم ولا يكون المقصود رفع الحاجة ولكن القيام بسيرة
سلفهم وتارة على أنهم شعراء جرت عادة الملوك بصلاتهم وتارة على أنهم
زهاد وفقراء يقيمون الخليفة ان لا يتفقد حالهم وكل ذلك هو الفن الذي
تتعمق افكارهم فيه وتضيق اوقاتهم معه فلما كثرت هذه الاشغال تشبه
في نفوس الناس هيات خسيصة ما عرضوا عن الاخلاق الصالحة و
ان شئت ان تعرف حقيقة هذا المرض فانظر الى قوم ليست فيهم الخلافة
ولا هم متعمقون في الدائرا الاطعمة والا لتسببه تجد كل احب منهم بيده امره
وليس عليه من الضرائب الثقيلة ما يثقل ظهره فهم يستطيعون التفرغ لامر
الدين والملة ثم تصور حالهم لو كان فيهم الخلافة وملاؤها وسخروا المهرجة و
تسلطوا عليهم.

فلما عظمت هذه المصيبة واشتد هذا المرض سقط عليهم الله والملائكة
المقربون وكان رضا تعالى في ما لجه هذا المرض يقطع مادته فبعث نبيا اميا
صله الله عليه وسلم لم يحاطط العجم والمروم ولم يترسم برسومهم وجعله
ميزانا يعرف به الهدى الصالح المرضي عند الله من غير المرضي وانطقه بدم
عادات الا حاكم وقبح الاستغراق في الحياة الدنيا والا طمئنان بها و
نفث في قلبه ان يحرم عليهم رؤس ما اعتادوا الاعاجيم وتبا هو ايها كلبس
التحري والقسي والادجوان واستعمال اواني الذهب والفضة وحلى الذهب
غير المقطع والنباب المصنوعة فيها الصور وتزيق البيوت وغير ذلك وقصني
بزوال دولتهم بدولته ودياستهم برياسته وبانه هلك كسرى فلا كسرى بعده وهلك
قيصر فلا قيصر بعده م. بالقطا.

وقال الامام في الحجة منه وسر تحريم الربوا ان الله تعالى يكسره

(بقية صفح ٧٣) الرفاهية البالغة كالحري ولا رتفاقات المحجزة الى الامعان في طلب الدنيا كآنية الذهب والفضة وحلى غير مقطع من الذهب كاسرا والخمائل الطوق والتدقيق في المعيشة والتطيق فيها لان ذلك مرد لهم في اسفل السافلين مبادف لا تفكرهم الى التوان مظلمة وحقيقة الرفاهية طلب الجيد من كل اراءفاق والاعراض عن رديهم والرفاهية البالغة اعتبار الجودة والرداءة في الجنس الواحد و تفصيل ذلك انه لا بد من التعيش بقوت ما من الاقوات والتمسك بنقد ما من النقود والحاجة الى الاقوات جميعها واحداً والحاجة الى النقود جميعها واحدة ومبادلة احدى القبيلتين بالآخرى من اصول الارتفاقات التي لا بد للناس منها ولا ضرورة في مبادلة شئ بشئ يكفي كفاية ومع ذلك فاجب اختلاف امرجتهم ومبادلتهم ان تتفاوت مراتبهم في التعيش وهو قوله تعالى نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضاً سخرياً فيكون منهم من يأكل الارز والحنطة ومنهم من يأكل الشعير والذرة ويكون منهم من يتحلى بالفضة واما تميز الناس فيما بينهم بأقسام الارز والحنطة مثلاً واعتبار فضل بعضها على بعض فكل ذلك اعتبار الصنائع الدقيقة في الذهب وطبقات عيادته فمن عادة السرفين والا عاجم والامعان في ذلك تعمق في الدنيا فالمصلحة حاكمة بسد هذا الباب .

نور الحق

قرآن عظیم کی اس انقلابی دعوت کو زندہ کرنے کا ارادہ جب کسی مسلم
سوسائٹی میں پیدا ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ شرفائے قریش کے جو خاندان مہاجرین اولین کا شرف حاصل کر چکے
ہیں۔ اُن کی ذہنیت اور اُن کی معاشی، معاشرتی، سیرت کو اپنا امام بنائے
یہ انقلابی روح پیدا کرنے کے لئے حکیم المنذع عربی زبان اور عرب
اول کی سیرت کو ایک معیار قرار دیتے ہیں۔ اُن کا یہ مطلب نہیں کہ سفہاء عرب
اگرچہ جاہلیت کو زندہ کر رہے ہوں۔ اس صورت میں بھی انہیں کی اقتدا
کی جائے۔

لے شرفائے قریش۔ ایک اجتماع فقط اجتماع ہی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن عظیم
نے انبیائے سابقین کی صالح جماعتوں کا تذکرہ کر کے مسلمانوں کو ایک ایسی جماعت بنانے
پر آمادہ کر لیا۔ اب نزول قرآن کے بعد جب کبھی مسلمان اجتماعی طور پر پھر کھڑے ہوں تو انہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پہلے اجتماع سے متاثر ہونا چاہئے تاکہ قرآن
کا اصلی مفہوم ان کے اذنان میں اتر سکے۔

لے عرب اول عرب قوم کا اتباع اور چیز ہے۔ اور عرب اول کے انقلابی طبقے کا اتباع
بالکل دوسری چیز ہے۔ انقلاب پیدا کرنے کے لئے انقلابی سیرت سامنے رکھنی چاہئے قریش
اپنے شر کے حاکم تھے۔ انہوں نے گھر چھوڑا، اپنی حکومت کو خیر باد کہی۔ پردیس میں جا کر اپنی عنیت
سے نئے گھر بنائے۔ تاکہ وہ قرآن کے انقلاب کو کامیاب بنا سکیں۔ اُن کی یہ سیرت قرآن

جملہ معترضہ | حکیم الہند کے اس چوتھے اصول کو ہم اُس وقت تک نہیں سمجھ سکے جب تک ہم نے یورپ میں جا کر سوشلزم کا مطالعہ نہیں کیا جن رفقائے ہمیں اس مطالعے میں مدد دی وہ عموماً کارل مارکس کے متبع تھے۔ اُس کے احترام میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں سے ہمیں تکلیف ہوتی۔ اور اس فضیلت کا مدار وہ اُس کے اقتصادی نظام کو بتاتے۔

ہم حیران رہ گئے جب اس قسم کے انقلابی پروگرام کے تمام ضروری حصے ہم نے حکیم الہند کی تصانیف میں جو کارل مارکس سے بہت پہلے گزرے ہیں نہایت بسط سے مدون پائے۔ امام ولی اللہ ^{۱۸۶۲} میں فوت ہوئے۔ اور کارل مارکس ^{۱۸۸۵} میں پیدا ہوا۔

دیکھئے صفحہ ۶۸ سمجھنے کے لئے ذہنیت تیار کر دینی ہے۔ ایک شخص اپنے گھر بار کا دلدادہ ہے اور چاہتا ہے کہ قرآن بھی سمجھے۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں
ہمیں اپنی قوم کی ذہنی پسئی پر نہایت صدمہ ہوا جب ہم نے یورپ کے انقلابیوں کی اولوالعزمی دیکھی۔ ہم اپنے نوجوانوں سے مایوس نہیں ہیں۔ مگر ہم ایران پارسا کو کوئی درجہ نہیں دے سکتے۔
لے کارل مارکس ^{۱۸۸۵} میں پیدا ہوا۔ اس نے ^{۱۸۸۵} میں وفات پائی۔ اس کا اثر کیسے فیصلہ
^{۱۸۸۵} میں شائع ہوا۔ اور اس کی قائم کردہ پہلی انٹرنیشنل کا اجلاس ^{۱۸۸۶} میں منعقد ہوا جس پر اس کے پروگرام
کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا۔ اس حساب سے شاہ صاحب پہلی انٹرنیشنل سے ۱۰۲ سال پیشتر اور مارکس کے اعلان
انٹرنیشنل کی مشاعت سے ۸۵ سال پیشتر رسالہ فرما چکے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سراج الہند امام عبد العزیز

۱۱۶۶ھ ۱۲۳۹ھ

جب امام ولی اللہ فوت ہوئے تو مولانا عبد العزیز اُس وقت سترہ برس کے نوجوان تھے! بھی طالب علمی سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے۔ مگر امام ولی اللہ کی جمعیت مرکزیت نے مولانا عبد العزیز ہی کو حزبِ ولی اللہ کا رہنما (امام) ماننے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے وہ امام ولی اللہ کے طریقے پر مولانا عبد العزیز کی علمی تکمیل پر متوجہ ہوئے۔ مولانا محمد عاشق اور مولانا محمد امین نے علم حدیث میں اور امام ولی اللہ کی انقلابی تحریک کے اصول میں! اور مولانا نور اللہ جو مولانا عبد العزیز کے خسر بھی تھے، فقہ حنفی میں مولانا عبد العزیز کی تربیت مکمل کر کے انہیں امام عبد العزیز کے درجہ تک پہنچایا۔

۱۷ تین عفت مآب صاحبزادیوں کے سوا آپ کے اولاد نہ تھی۔ اور صاحبزادیاں بھی صاحب اولاد ہو کر آپ کی جہات ہی میں رحلت کر گئیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی مولانا رفیع الدین صاحب

بقیہ صفحہ ۷۱ کے صاحبزادے مولانا عیسیٰ سے منسوب ہوئی تھیں۔ منجمل صاحبزادی جناب شیخ محمد افضل سے منسوب ہوئیں۔ جن سے مولانا اسحاق صاحبزادے اور مولانا محمد یعقوب صاحبزادے کے چھوٹے بھائی پیدا ہوئے۔ تیسری صاحبزادی حضرت مولانا عبدالحی کے عقد نکاح میں تھیں۔ جو ایک فاضل اجل اور نہایت شریف و خلیق تھے۔ اور امیر شہید کی معیت میں ایک عرصہ تک گنگا بنان اور اس کے اطراف میں رہے۔ شاہ عبدالعزیز آپ کے پھوپھا بھی تھے۔ کیونکہ آپ کے والد مولانا بہتہ اللہ ان کے والد مولانا نور اللہ میں ۱۲۔ نور۔ ۱۹۴۱ء

شاہ عبدالعزیز کی امامت نام ولی اللہ کی اپنی صحبت سے
راستہ میں نے العلم کا ایک مختصر سا طبقہ تیار ہوا جس کے سرکردہ حضرات مذکورہ بالا (یعنی مولانا محمد عاشق خواجہ محمد امین کشمیری اور مولانا نور اللہ) تھے انہی کے ذریعے سے شاہ صاحب کے علوم محفوظ ہوئے۔ اور آگے پھیلے۔ اس کے ساتھ شاہ صاحب کے شاگردوں کا ایک دوسرا طبقہ بھی پیدا ہوا جس میں ان کی اولاد بھی داخل ہے امام عبدالعزیز ہر دور کے سزاوار نام ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے خواص سے اگر دس آدمیوں نے استفادہ کیا ہے۔ تو شاہ عبدالعزیز کے خواص سے دس ہزار مستفید ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کے زمانے میں سلطنت دہلی میں نے بحکمہ استساک فضا۔ شاہ عبدالعزیز کے عہد میں وہ بھی ختم ہو گیا۔ انگریزی ریزولوشن مٹا دی گئی۔ اور انگریزی حکومت شاہ ولی اللہ اور ان کے علوم کی تائید سے ایسی ناواقف نہیں تھی۔ جیسے ہندوستانی ناواقف تھے۔ ہندوستانی شاہ عبدالعزیز کو اس عہد کے چند بڑے علماء میں سے ایک جدید عالم مانتے تھے۔ جیسے شاہ ولی اللہ صاحب کو اپنے زمانے میں دہلی کے بڑے آدمیوں سے مانا جاتا تھا۔ مگر شاہ عبدالعزیز کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے علوم حاملہ اہل علم تک پہنچا دیے۔ جو چیز ان علماء کے اذعان پر غالب ہے۔ اس میں وہ خود تو دخل کرتے ہیں۔ پھر ان علمی کتابوں میں جو اقوال شاہ ولی اللہ کی تحقیق کے خلاف موجود ہیں سب پر بالتدریج لطافت سے جرح کرتے ہیں۔ یہ چیز ان کے ذاتی کمالات میں مافی جاتی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ

(بقیہ صفحہ ۷۲) اس طرح جرح کرنے والا عالم ایک لمبے زمانہ سے پیدا نہیں ہوا۔ اس کے آخر میں آپ شاہ ولی اللہ کا قول بہت ہلکے الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں۔ وہ دماغ میں جذب ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے نہ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور نہ شاہ ولی اللہ کی طرف۔ اس طرح آپ عالم اہل علم کو امام ولی اللہ کی تحقیقات سمجھنے کا اہل بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں تحفۃ المشائخ عشریہ اور تفسیر عزیزی میں کثرت سے ملیں گی۔ آپ نے اپنے خواص اہل بیت کو اور جو ان میں مندرج ہو سکا شاہ ولی اللہ کی کتابوں کا محقق بنا دیا۔ اس طرح کم از کم آپ نے ساٹھ برس کام کیا۔ یہاں تک کہ وہ علم اور وہ حکمت زمین پر راسخ ہو گئی۔ اب اگر یہاں یورپ کی ایک بڑی عقلی انقلابی حکومت نہ ہوتی تو شاہ عبدالعزیز کے علوم ہندوستان کے بادشاہ ہوتے۔ مگر اس عقلی انقلابی حکومت میں اتنی استعداد ہے کہ اس کی صورت کو مسخ کر کے اُس سے دنیا کو متغیر بنا دے۔ مگر جن لوگوں کی طبیعتوں میں جلی فوق فطری طور پر موجود تھا۔ ان پر اس مخالف پروپیگنڈے کا کچھ اثر نہیں ہو سکا۔

(۲) شاہ عبدالعزیز کا مقصد حیات اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھا۔ کہ شاہ ولی اللہ کی انقلابی سکیم کو ہندوستان میں کامیاب بنائیں۔ شاہ ولی اللہ کو اندام ہوا کہ جو چیزیں ہمیں دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کے لئے کافی صبر کی ضرورت ہے (دیکھو تفہیمات ص ۱۱) اس کام کو پورا کرنا شاہ عبدالعزیز کا مقصد تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے ساتھ ان کے اپنے بھائی شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغفار درہمزن معاون ثابت ہوئے عقلی مسائل کیلئے جس قدر تحقیقات کی ضرورت ہوئی۔ اس کو شاہ رفیع الدین پورا کرتے رہے۔ کشفی مسائل میں خصوصیت کے ساتھ شاہ عبدالغفار ممتاز تھے۔ عقلی علوم کی تعلیم شاہ عبدالعزیز کا اپنا کام تھا۔ اس طرح عقل نقل کشف کی جامع سوسائٹی پیدا کرنے کی کوشش جاری رہی۔

اس کے نتیجے میں چار ممتاز شخص پیدا ہوئے۔ (۱) مولانا عبدالحمی۔ یہ حضرات شاہ دہرہ بڑوانی کے تلامذہ میں اول درجہ کے عالم تھے۔ اور انام عبدالعزیز کی طرح جامعیت کے مالک تھے۔ (۲) حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید۔ یہ عقلیت میں شاہ رفیع الدین کے قائم مقام تھے۔ (۳) حضرت مولانا عبدالحمی۔ یہ شاہ عبدالعزیز کی طرح عقلی علوم پڑانے کے مرکز تھے۔ (۴) حضرت سید احمد بریلوی۔ جو ان کے مدرسے

تقدیر معوضہ کے شاگرد تھے۔ مگر قوت کشتی میں اپنے زمانے کے حاد فین بلکہ بہت سے متقدمین پر بھی
سبقت لے گئے تھے۔ اُن کی تربیت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی صحبت میں مکمل ہوئی۔
جب یہ انقلابی جماعت تیار ہو گئی تو شاہ عبدالعزیز نے اپنا انقلابی پروگرام تطبیق دینا شروع
کیا۔ شاہ صاحب نے سید احمد کو خاص پروگرام دے کر امیر خاں والے ٹونک کے لشکر میں بھجوا کر انقلابی
کام شروع کر دیا۔

۱۳، امام ولی اللہ کو جس منصب کا وعدہ دیا گیا۔ جس کی وہ امید رکھتے تھے۔ اس کا تعلق عام مسلمانوں کی اصلاح سے تھا۔ اس فکر کے ترک نہ کرنے ان کو ائمہ فقہاء کے اختلاف کو حل کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ تاکہ عوام کا اختلاف باقی نہ رہے۔ چنانچہ وہ فقہ حنفی اور فقہ شافعی کو ایک درجے پر مانتے ہیں۔ قدرتی طور پر ان کو دونوں فقہ میں تحقیق کا اچھا موقع ملا۔ فقہ حنفی اپنے والد سے سیکھی۔ اور فقہ شافعی شیخ ابوالطاہر مدنی سے پڑھی۔ مگر آخر میں انہیں سمجھایا گیا۔ کہ فقہ حنفی کی ایسی اصلاح ممکن ہے جس سے وہ قرن اول کے مطابق ہو جائے۔ دیکھو فیوض العرین ص ۲۷ و ص ۶۲ و ص ۶۳ و تفسیلات ص ۹۶ اس پر دہلی میں بیٹھ کر انہوں نے حنفی فقہ، اپنی تجدید کے ساتھ پڑھا نا شروع کی۔ یہ اُن کے آخری اعمال سے ہے۔ باوجود اس اہتمام کے وہ اپنے ملک کے حنفیہ کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے جب تک ایک عالم حدیث کو ضروری نہ سمجھے۔ اس کو شاہ صاحب کے مسلک کی جلالت سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔ امام عبدالعزیز نے حنفی فقہ اور موجب تصوف کو اپنے والد کے اصول پر اصلاح کر کے رواج دینا شروع کیا۔ فقہ شافعی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ ان کی طبیعت ہندوستانی عالموں سے متقارب واقع ہوئی تھی حنفی علماء نے خوشی سے اُن کی شاگردی اختیار کی۔ اور ایک لمبے وقت تک کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں کوئی جید عالم ایسا نہیں رہا۔ جو حدیث پڑھنا ضروری نہ سمجھتا ہو۔ اور پھر اس کی سند کسی نہ کسی طریقے سے شاہ عبدالعزیز پر ختم نہ ہوتی ہو۔

ہم چاہتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز شاہ ولی اللہ کے لئے ایسے ہی جیسے امام ابو یوسف امام
الوضیفہ کے لئے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷۴) وہاں خیال میں شاہ عبدالغفر نے پروگرام کا خاکہ وہی تھا جس پر شاہ ولی اللہ پہلے عمل کر چکے تھے۔ برہنوں کے تغلب کو دور کرنے کے لئے نواب نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی۔ ہمارے نزدیک یہ بات محقق ہو چکی ہے۔ کہ نواب نجیب الدولہ کو شاہ ولی اللہ نے اپنے اہل عامی انسانوں سے اوصاف و جہد لائی تھی :

اب دوسری دفعہ جب انھوں نے پنجاب میں غلبہ مڑا اور دہلی میں انگریزوں کو شکست دی تو شاہ عبدالغفر کا پروگرام بھی تھا کہ کابل اور قندھار کی طاقت کو دعوت دے کر دہلی بلایا جائے۔ انگریزوں کے امرات قابل نجات ہوں تو ان اقوام کے لائق افراد سے استفادہ کیا جائے :

اس کے لئے وہاں ایک امارت قائم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور قانونوں میں ایک سید کی امارت بہت جلد مقبول ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے سید صاحب کو امیر مقرر کیا گیا۔ اور مولانا شہید اور مولانا جہد الحق کو ان کا وزیر بنا کر ساتھ کر دیا گیا :

اپنا پارٹی پروگرام تسلیم کرنے کا پہلا درجہ یہ ہے۔ کہ اسلامی عقائد و اخلاق میں جو غلطیاں عوام میں رائج ہو چکی ہیں۔ لوگوں سے ان کی اصلاح کا پروگرام تسلیم کر لیا جائے۔ اس سے وہ دوسرے مرشدوں اور خاندانوں سے جدا ہو سکیں گے۔ اور تحریک کو آگے بڑھانے میں مخالف پارٹی کے لوگ دخل انداز نہیں ہو سکیں گے۔ سید صاحب اور مولانا شہید اور مولانا جہد الحق اس انقلابی پروپیگنڈے کے مرکز بنائے گئے۔ شاہ عبدالغفر نے شاہ اسحاق کو اپنی جگہ مقرر کیا۔ ہماری سمجھ میں اس نئے حزب کے امیر شاہ اسحاق تھے۔ سید صاحب فقط امیر الدعوت و امیر الجہاد تھے۔ اور یہ دعوت دہلی کی سلطنت کی کمزوری کو دور کرنے کے لئے کھڑی ہو رہی ہے۔ اس کو ایک حکومت موقتہ کا درجہ دینا چاہئے :

اس تقسیم عمل میں شاہ عبدالغفر نے وہ کمال کر دکھایا ہے جس کی حکمت سمجھنے سے اکثر عقلمند عاجز آ گئے۔ اور انہیں احمق بناتے ہیں بہت زیادہ دخل اس قوت حاکمہ کا ہے۔ جو شاہ عبدالغفر کے کام کو پورے طور پر سمجھ کر ناکام بنانا چاہتی ہے۔ سید صاحب کی امارت اور ان کا

اسی زمانہ میں امام عبدالعزیز نے امام الانقلاب امیر المومنین علی ابن ابیطالب
کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا۔ امیر المومنین نے نہیں یقین دلایا کہ عام طور پر فقہاء اور
صوفیہ کے مروج طریقے افراط و تفریط سے خالی نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مطابق وہی طریقت
ہے جس کی امام ولی اللہ دعوت دیتے ہیں

(بقیہ صفحہ ۷۷) جوش بہاد۔ اور ان کا کشفی کمال حامی المسلمین کو جمع کرنے کا بہترین ذریعہ اور اعلیٰ تدبیر
نہی۔ اس لئے امام عبدالعزیز نے یہ کام ان کے حوالے کیا۔ مگر اس ادارت کو تھامنے کے لئے جس قدر
تعلق شاہ ولی اللہ کی تحریک اور پھر شاہ عبدالعزیز کے کام سے تاریخی طور پر ہونا چاہئے۔ اس سے
سید صاحب کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ممکن ہے کہ وہ ایک نئی تحریک شروع کر دیں۔ اور وہ اسی چیز
کی طرف جس کو بڑانا ضروری ہے۔ متوجہ نہ ہو سکیں۔ اس نقص کے جبر کے لئے مولانا عبدالحی اور مولانا
شہید ان کے ساتھ لگاؤ لگے۔ اور اپنے متبعین کو ہدایتیں دی گئیں۔ کہ جس امر پر یہ مینوی حضرات
جمع ہو جائیں۔ اسے شاہ عبدالعزیز کا حکم سمجھا جائے۔ اس زمانے کے حالات کے مطابق اس سے
بہتر تقسیم عمل بہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔

حضور علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھنا | فی الامالی العزیزۃ

میدانے است دریاں فرش سفید راق گسترده اند۔ و براں فرش مردم بسیار باشکل نورانی و بسیار
فاخرہ۔ منتظر قدم بہ کنت لزوم جناب امیر شستہ اند۔ فقیر ہم بدر یافت۔ این معنی در اہل مقام پر فرش
مذکور جا گرفتہ۔ ناگاہ جناب امیر از جانب قبلہ نمایاں شدند۔ و سمت آن فرش توجہ فرمودند۔ مردم بہ
برائے تعظیم برخاستند۔ و بلب فرش منتظر ایستادند۔ فقیر نیز در وسط فرش منتظر ایستادہ بلب بجوم
اشخاص با عظمت تالپ فرش نتوانست رسید۔ ایشان تشریف آوردہ، تفرق صفوف نمودہ، نزد

(بقیہ صفحہ ۷۶) فقیر آمدہ۔ چار زانو نشستند فقیر با ادب تمام دوزانو مقابل نشست۔ الطاف بیار فرمودند: با یک کس کلام نفرمودہ با فقیر ہم کلام شدند فقیر اس وقت را غنیمت دانستہ چند چیز در اس وقت کہ در ذہن حاضر شدہ عرض نمود۔ جواب با صواب یافتہ۔

اول آنچہ فرمودند اس بود کہ شنیدہ ام شخصے بزبان پشتو کتابے تصنیف کردہ است در اس کتاب چہیزے کہ تحقیر من بود۔ دلچ نمودہ۔ شمارا اطلاع اس معنی بہت یاندہ فقیر عرض نمود۔ بندہ زبان پشتونے داند۔ تا از حال اس کتاب واقف باشد موافق فرمودہ تحقیق خواہم کرد۔

باز عرض نمودم کہ اندک اہم فقہا کدام یک ممتاز و پسند جناب است؟ فرمودند: ہر پنج مذہب پسندمانیست۔ یا بطورمانیست۔ افراط و تفریط جمل آورده اند۔

باز عرض نمودم کہ از طرق اولیاء اللہ کدام یک طور پسند جناب عالی است؟ فرمودند: درین ہم ہماں جواب است۔ در ہر طریقہ چیز نئے نامرئی و خلاف طور احداث نمودہ اند۔ و بایں ہمہ از طور ما قصور دارند۔ زیرا کہ در ہر سہ طریق شغل کہ در تقرب الی اللہ مفید باشد۔ معمول و مروج بود۔ ۱، ذکر ۲، تلاوت ۳، نماز۔ آنہا فقط ذکر را مقرر کردہ اند۔ و تلاوت قرآن و نماز شغل نئے داند۔ بعد ازاں یکایک برخاستہ بہاں سمت سرعت کنان تشریف بردند۔ و مردم دیگر کہ منتظر بودند در حیرت ایستادند۔ قال مولانا الشیخ عم فیضہم فی کتاب المتہید فی ائمة التجدید ائمۃ فی رجب ثلثہ و شمسہ تشریف الامام عبد العزیز فی الروایا یلقاؤ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب: امام! لا انقلاب فار شدہ الامیر الی اہیئۃ الاجتماعۃ و طرق اصلاحها۔ و داوم الشیخ علی ارشاد الامیر بالاستقامۃ۔ و وصل روح الاصلاح الی عامۃ المؤمنین فی حیوۃ و قام اصحابہ بمعان و فتنۃ عامۃ المسلمین من جمیع الاصناف الی اقامۃ الحکومتہ الموقتہ الہندیۃ لاحیاء النجادیۃ القویۃ المحمدیۃ۔ تہید سیرت سید احمد شہید مثہ میں مذکور ہے کہ صبح اٹھ کر شاہ صاحب سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علی مجددی نظری

امیر المؤمنین نے اُن کی قلبی کیفیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا جسے امام
عبدالغریز پیری میں بھی اپنے اندر مستقر پاتے تھے۔ امیر المؤمنین نے انہیں پشتو
سیکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷۷) دہلوی شمسہ غنیہ حضرت مرزا منظر کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اور خواب کی تعبیر
چاہی۔ شاہ غلام علی نے فرمایا: میری سمجھ میں آتا ہے کہ سید حسن رسول ناک کی وفات کے بعد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان دیار میں ہدایت خلق کی طرف بہت کم ہو گئی ہے اس خواب سے معلوم ہوتا
ہے کہ اب آپ کے دیا آپ کے کسی مرید رشید کے ذریعہ وہ سلسلہ پھر شروع ہو جائے گا۔ شاہ صاحب
نے فرمایا میرے خیال میں بھی یہ تعبیر آتی تھی۔ مولانا ایشم فیضی نے مجھ سے ۲۶ جون ۱۹۴۲ء کو فرمایا
کہ یہ خواب امام عبدالغریز کی عظمت پر دال ہے۔ کہ اُن کے عند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک
رسائی بغیر آپ کے ممکن نہ تھی۔ رہا فقرہ محصورہ بن الخطین۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ فقرہ شاہ غلام علی رح
کے ذمہ لگا کر محض اس لئے بڑا یا گیا کہ سید امیر رشید کی فضیلت ثابت کی جاسکے۔ ورنہ اصل خواب سے
اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

دعا ۵۰ سید حسن رسول ناک کا تذکرہ مختصر خزینۃ الاصفیاء ص ۱۸ میں موجود ہے۔ وفات
۱۱۳۰ھ امام ولی اللہ تعظیما ص ۴۴ (خطیبہ) میں لکھتے ہیں۔ خواجہ محمد ماہ عزیزی نے از انہار میر ابو الہی
نزد ہار گنج اقامت داشتند۔ صحبت سید حسن رسول ناک سیدہ بووند نقل میکر وند کہ رونے سید حسن
بیٹے اند قولے سماع کردند کہ مضمون آن تشبیہ خود بود با سب محبوب۔ وازال تشبیہ لذت تمام یافتند
اما آن لذت می آمد و می رفت۔ استقرار نہ داشت۔ بگوشہ رفتند۔ درس در گلو بستند و آبی را بہ میخ
مضبوط ساختند و جگہ بر خود انداختند و ہمال بیت می خواندند و گرد آں میخ می گشتند۔ بر ایں کیفیت
آن لذت در ایشان مستقر شد۔ و فتح باب ایشان را ایں صورت واقع گشت۔

بقیہ صفحہ ۷۸
زبان پشتو اور یورپین ازم | اس کی روح یہ ہے کہ اُن کو پشتونوں کی طرف توجہ
 کرنی چاہئے۔ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ خیر کثیر رحمۃ اللہ علیہ میں

لکھ چکے ہیں کہ حکومت چلانے کی استعداد مسلمانان ہند سے افغان کی طرف منتقل ہو چکی ہے وقلت
 ونصرہ۔ والدولۃ بحسب الظاہر ینقسم علی شعوب الناس لکلّ فی زمان کان
 للحجاز ثم للعراق ثم لاهل قارس ثم لاهل الهند۔ ورجع الیوم الی افغانستان
 کذلک الدولۃ الباطنیۃ علی هذا الترتیب ولكن افغانستان واهل القارس لا
 یوجد فیہم الا تسلاخ فقط۔ فلما لا ثم مزاجیۃ۔ ہ۔ فور الحق غفرلہ

حضرت مولینا غفرلہ نے اس کی توضیح میں مجھے اٹھا کر آیا۔ کہ اس سے مراد فقط جنگی طاقت
 اور حربی قوت ہے۔ یہی رائے ہمارے اس مقالہ میں ہے۔ کہ پہلے یورپین بنوۃ افغانوں میں چونکہ لڑنا
 اور مردانگی موجود ہے۔ اُن کو ایک عالم منظم کر کے اسلامی قومی حکومت کی فوج ناسکتا ہے۔ مگر جس
 قوم سے لڑنے مرنے کی طاقت سلب کر لی گئی ہو۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ آج اس کی پہلی مثال
 ہندو بننے میں ملتی ہے۔ وہ بڑا احباب دان ہے۔ بڑا مالدار ہے۔ مگر وہ حکومت نہیں سنبھال سکتا ایک
 معمولی سپاہی اس کی جائداد پر قبضہ کر کے مالک بن سکتا ہے۔ دوسری مثال ہندوستانیوں میں ہے
 جو قومی انگریزی فوج میں ملازمت کر کے اور یورپین طریقے پر سپاہی بننا نہیں سیکھ سکیں گی۔ وہ
 ہندوستان کی آئندہ حکومت کبھی سنبھال نہیں سکتیں۔ میں یا وجود ہزار اختلافات کے سہ سبکداریات
 وزیر اعظم پنجاب کی ہمیشہ تائید کرتا ہوں کہ وہ میری قوم کو فوج میں بھیجنے کا حامی بنے۔ تلو میں نوئے فیصد
 افراد جنگ میں مر سکتے ہیں۔ مگر دس جو واپس آئیں گے وہ ہمارا اصلی سرمایہ ہوگا۔ اس لئے ہم تعلیم یافتہ
 طبقے کو مجبور کر دیں گے۔ کہ وہ یورپین طریقے پر فوجی تربیت سیکھیں۔ انہیں اس کام میں ہمارے پیر کرنے
 کے لئے سوائے ترکی حربی کالج کے اور کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ اگر وہ ترکوں کی طرح پہلے اپنے آپ کو
 یورپین نہیں بنالیں گے۔ ترکی حربی کالج میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ جب وہ وہاں سے فارغ
 ہو کر آئیں گے۔ تو مستقبل ہند میں جب ڈومنین سٹیس مل جائے گا۔ اس وقت وہ اپنے

(بقیہ صفحہ ۷۹) کاشتکاروں کو فوجی تعلیم دینا شروع کر دیں گے۔ اس کے لئے ان کو کاشتکاروں کو بھی یورپین بنانا پڑے گا۔ اگر کاشتکاروں کی تحریک کاشتکار کریں۔ تو ان کا وجود بے کار ہو جائے گا۔ اس لئے ہم اپنی قوم سے وہ لعنت کے جراثیم جو مسجدوں اور خانقاہوں سے پھیلتے ہیں۔ اور قوم کو نامردی سکھانے کا نام انہوں نے اسلام رکھا ہوا ہے۔ مذکورہ وقت آنے سے پہلے..... ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

ہم عام لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنی مادری زبانیں انگریزی حروف میں لکھنا۔ پڑھنا شروع کر دیں۔ اور اپنے خاندان کے کسی فرد کو۔ علم اس سے کہ عورت ہو یا مرد۔ ایسا نہ چھوڑیں کہ وہ اپنی زبان یورپین حروف میں نہ لکھ سکتا ہو۔ اس کے بعد اس کو ترکوں کی طرح زندگی بسر کرنا سکھانا چاہئے۔ ترکوں میں بھی اسی طرح بے ایمان آدمی موجود ہیں جیسے ہمارے یہاں ہیں۔ مگر ترکی قوم کے ایمان میں جسے شبہ ہو سکتا ہے۔ وہ محقق ہے۔ اب ترکوں نے اپنا قومی طریقہ یورپین ازم بنا لیا ہے۔ ہم اس مسلم قوم کے ترقی یافتہ نمونے پر اپنی قوم کو تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان حقائق سے ہمارے بڑے بڑے عالم ناواقف ہیں۔ ان کو واقف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ نہایت نرم زبان میں ان کو یہ چیزیں سمجھا دی جائیں۔ مگر ہماری قوم میں ایک مندی عنصر موجود ہے۔ وہ مسلمانوں کی ہر تباہی کو قبول کر سکتا ہے۔ مگر اپنی طرز میں تبدیلی کا روادار نہیں بنتا۔ ہم انہیں منہ نہیں لگاتے۔ اور جب موقع ملے گا ہم انہیں ختم کر دیں گے۔ یہ میں اپنی ذہنیت کی ترجمانی نہیں کر رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں انقلاب آنے کا۔ میں اس انقلابی جماعت کی ترجمانی کر رہا ہوں میں نے روس میں ٹرمکی میں۔ انقلابی جماعتوں کا کافی تجربہ کیا ہے۔ وہ سب کے سب ایک ہی مسلک پر چل رہے ہیں۔ ان کی زبانیں مختلف ہیں۔ ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ مگر معاشرت کا طریقہ سب میں مشترک ہے۔

ہمارے سمجھدار طبقے کو ہماری طرح جب تک ہم ہندوستان میں تھے ایک حل شبہہ شدہ امن گیر رہتا ہے۔ وہ یہ کہ انگریزی کالجوں اور انگریزی فارم سے

(بقیہ صفحہ ۸۰) ایک نوجوان جو ذہنیت لے کر آیا۔ وہ سوائے بوجہ بین فیشن کے اور کوئی کمال نہیں رکھتا۔ وہ ملازمت سے روپیہ کماتا ہے۔ اور اپنی ضرورتیں اس قدر بڑھاتا ہے۔ کہ باپ دادا کا اندر ختم اس فیشن پرستی کی نذر کر کے ختم کر دیتا ہے۔ پھر نزاکت، بزدلی، نامردی، کا پورا پورا نموزین جاتا ہے۔ بعد دن رات اس تعریف میں لگا رہتا ہے۔ کہ یورپین بنے بغیر انسان انسان نہیں کہلا سکتا۔ ہمیں خود اس گرو سے کافی واسطہ پڑتا رہا۔ اور ہم اپنی پرانی ہندوستانی زندگی میں اُن سے متاثر ہوئے۔ اور اپنی قوم کو اس سے بچانے کے لئے کوشش کرنا ایمانی فرض جانتے ہیں۔ اب ہماری ذہنیت بین چکی ہے۔ کہ ہم اُن نازک خراج، نازک اندام افراد کے بجائے اپنے کاشتکاروں کو یورپین بنائیں۔ ہمارا پہلا تجربہ غلط اور غیر مفید ثابت ہو چکا ہے۔ ہم اپنی قوم کے کارکن عنقریب جو ہمارے ملکوں میں غمونا کاشتکار بنے۔ اقتصادی مصیبتوں میں گرفتار دیکھتے ہیں۔ اُس کو ان مصائب سے نجات دلانا قوم کی ہستی کیلئے ضروری ہے۔ اس کی نجات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جب تک وہ اپنی اصلاح کے لئے خود کھڑا نہ ہو مگر اس اصلاح سے پیشتر اس کو تعلیم دینا ضروری ہے۔ سرمایہ دار حکومت نے تعلیم چند افراد کے لئے مخصوص کر رکھی ہے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے کاشتکاروں کو کالج، گریجویٹ بنا سکیں۔ مگر یورپ کے طریقے پر کاشتکاروں کو عالم بنایا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے انہیں اپنی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھنا چاہئے۔ اس کے لئے ہمارا عربی رسم الخط ایک مانع قوی ہے۔ کہ ایک ایسے انسان کو جو چوبیس گھنٹے کام میں مصروف رہتا ہے۔ اس کو یہ خط سکھانا جو ایک ایک حرف کی کئی شکلیں پیش کرتا ہے۔ سیکھنے سکھانے والے دونوں کے لئے بے حد دشوار ہے۔ رومن حروف جو چلوہرہ علیحدہ لکھے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حروف شناسی کے بعد ساری عمر کے لئے انسان قاصر ہو جاتا ہے۔ ٹائپ رائٹر مشین کے توسط سے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مسجدوں میں ٹائپ رائٹر مشین رکھ کر اپنے بچوں کو چند گھنٹوں میں اپنی مادری زبان لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔ یہاں بننے کیلئے اتنی ہی تعلیم ضروری ہے۔ اس تعلیم پر وہ مصارف عائد نہیں ہوتے جو کالج میں گریجویٹ بننے پر واجب آتے ہیں۔ اور نہ فیشن پرستی کا شکار ہو کر نزاکت اور بزدلی گمراہ بنا سکتی ہے +

امام عبد الغفر حقیت میں وہ پہلے امام ہیں جنہوں نے امام ولی اللہ کے اصول پر
ہندوستان میں قومی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

بقیہ صفحہ ۸۱ جس وقت ہم اپنی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھ گئے۔ تو ہر زبان کے لئے ایک
مرکزی پریس تعلیم دینے کے لئے کافی ہے۔ اس میں ماہوار رسالے نکلیں گے۔ ہفتہ وار پرچے
ہوں گے۔ روزنامے ہوں گے۔ ہر شخص اپنی زبان میں گھر بیٹھے پڑھ سکتا ہے۔ قوموں کو اس طرح
تعلیم دینے کی سہولت جس طرح اس عہد میں موجود ہے پہلے زمانے میں کسی کے خیال میں بھی نہ تھی۔
اب ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

اصلی پروگرام | مذکورہ بالا دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میرا اپنا ذاتی دوسرا
پروگرام بھی ساتھ ہے۔ میں کم از کم چالیس سوئس قرآن عظیم کی قوم
کی مادری زبان میں تفسیر کر کے پریس کے ذریعہ ان کے گھروں میں پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد ان کو
کوئی دجالی دین سے بھٹکا نہیں سکے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو دجالیت پر ملبوع ہوئے
ہوں۔ میری زندگی کا آخری مقصد بھی آخری چیز ہے۔ مگر یہ اس پہلی تعلیم پر موقوف ہے۔ اس لئے
میں اس پر زور دیتا ہوں۔ اس سے بہتر کوئی اور پروگرام میرے سامنے لائیں۔ میں اس
کو مان لوں گا۔

مسلم لیگ کے اراکین کی سیکمیں جو ساری عمر انگریزی دفتروں میں کام کرتے رہے۔ یا کسی عالم
کی جو سلف کے طریقے کا ماہر ہے۔ مگر اس یورپ کا ایک حرف نہیں جانتا جس نے (یورپ) تمام مسلمان
سلطنتوں کو ہضم کر لیا ہے ان کے وہ پروگرام جو خالد بن الولید اور فاروق اعظم کا نام لے کر پیش کئے
جاتے ہیں۔ میں نہیں سننا چاہتا۔ فاروق اعظم کو سمجھنے کے لئے کم از کم شاہ ولی اللہ کی حکمت کا سمجھنا ضروری
ہے۔ اگر کوئی ان کی حکمت کا ایک صفحہ غور سے پڑھے گا۔ تو وہ یورپ کو سب سے پہلے دیکھے گا۔ یہ سلف کا
نام لینے والے بیچارے عموماً حقیقت سے بے خبر ہیں۔ ۱۲۰۱ نور الحق

الف، امام دلی شہزادے دہلی کے اعلیٰ طبقے کو اپنے علوم سے تعارف کرایا تھا۔ اور امرائے دولت کے اشتراک سے کسی قدر سیاسی کامیابی بھی حاصل کر لی تھی جس سے اُن کا اجتماعی مرکز دہلی میں مستقر ہو گیا۔ اُسے پانی پت کے معرکے کا ایک نتیجہ سمجھنا چاہئے۔

لیکن نظام سلطنت کی بوسیدگی سے اراکین دربار میں صوبوں کی حکومت سمجھانے والے تو پیدا ہوتے رہے۔ مگر مرکز کو بچانے کی اہلیت کسی میں پیدا نہ ہو سکی اسی سبب سے چند ریاستوں کے ماسوا باقی حصص ہند پر مسلمانوں کی حکومت برائے نام رہ گئی۔

۱۷۷۱ء یعنی اہل دہلی مرہٹوں سے تنگ آچکے تھے۔ احمد شاہ نے اُن کو اس مصیبت سے نجات دلائی ایسے موقعوں پر قومی آدمی اپنی قوم کا جتنا دخل اس طریقہ نجات میں محسوس کرتا ہے۔ اسی پر فخر کرتا ہے۔ احمد شاہ کی قوت کو دلی والے اپنی قوت نہیں کہہ سکتے۔ مگر امام دلی اللہ کی تدبیر سے وہ آیا تھا۔ اور کامیاب ہوا اس کو اپنی چیز کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ معرکہ پانی پت کی فتح کو فقط شاہ دلی اللہ کی طرف طبعاً منسوب کریں گے۔ اس لئے شاہ صاحب کی علمی خوبی اور عظمت اُن کے رگ و ریشے میں پہنچ جائے گی۔

۱۷۷۳ء جب شاہ عالم ثانی انگریزوں کی حراست میں تھا۔ تو اس سے ایک معاہدہ کیا گیا جس کی دُور سے تمام قلمرو کی نظامت کمپنی کے حوالے ہو گئی۔ اور بادشاہ کے لئے قلعہ اور اطراف دہلی تاحدہ قطب صاحب کا علاقہ مخصوص کر دیا گیا۔ کمپنی کو باج گزار قرار دی گئی۔ مگر اس طرح پر کہ

دب، امام ولی اللہ کے زمانہ میں نادر شاہ نے ہند کے وہ صوبے جو دریائے
 ہندھ کے غرب میں واقع ہیں جیسے کابل، قندھار، خٹک، ایران سے ملحق کر لئے تھے
 اس سے پہلے قندھار کی افغانی حکومت جو میراویس سے شروع ہوئی تھی۔ وہ سلطان
 محمد شاہ کی سرپرستی مانتی تھی۔

(بقیہ صفحہ ۸۳) ملک بادشاہ کا اور حکم انگریز کا؟ مسلمانوں کے لئے خصوصاً اور ہندوستانیوں کے لئے
 عموماً رعایتیں لازمی قرار دی گئیں مثلاً یہ کہ حکومت کی زبان فارسی ہے گی۔ انگریزی نہ ہوگی۔
 ہندوؤں کے مقدمات کا فیصلہ پنڈت اور مسلمانوں کا مسلمان قاضی کریں گے۔
 اسکے بعد شاہ عالم جب ۱۸۵۷ء مطابق سنہ ۱۲۷۵ء میں فوت ہوئے۔ اور اکبر ثانی تخت نشین
 ہوا۔ تو اس جدید بادشاہ پر انگریزی سرکار نے اورنگی کی۔ اور صرف قلعہ دہلی اور حدود شہر تک حکومت
 کی تحدید کر دی۔ باقی تمام ہندوستان کی حکومت پر خود قبضہ کر لیا۔

شمال مغربی صوبے | سنہ ۱۸۵۷ء کے قریب ہی پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا تسلط ہو گیا تھا لیکن
 وہ زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۸۵۷ء میں احمد شاہ کا پوتا زمان شاہ
 ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ یقیناً دہلی تک پہنچا اور انگریزی حکومت کی جڑیں اکھاڑ پھینکتا۔ مگر رفتہ
 حدود افغانستان پر ایران کی جانب سے بغاوت ہو جانے کے باعث جس کو انگریزی ڈیپو میسی کی
 برکت بتایا جاتا ہے، اسکو بہت تیزی کے ساتھ لڑھیلانے سے واپس کابل پہنچا پڑا۔ اس روادری
 میں وودرجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا گیا۔ یہی نسبت سنگھ ہے جس نے رفتہ رفتہ سنہ ۱۸۵۷ء یعنی سنہ ۱۲۷۵ء
 میں پنجاب، ملتان، کشمیر اور پشاور پر قبضہ کر کے ایک مستقل سکھ حکومت قائم کر لی۔ اور انگریزوں سے
 مصالحتہ معاہدہ کر لیا۔ ع۔ ش۔ م۔
ہندوستان کے شمالی صوبے اور بلخاری | ایس الہند اسم محکمۃ

واحدة بل هو اقليم كبير يشتمل على ممالك كثيرة. قال الشيخ محمد قاسم في تاريخ
القرن التاسع عشر ليست الهند في الحقيقة امة قائمة بذاتها بل مجموعة
اهم تختلف جنسا ولغة ودينا وعادات ولها في الغالب خواص طبيعية لا يشاركها
فيها غيرها. قال المسعودي ذكر جماعة من اهل العلم والنظر والبحث ان
الهند كان في قديم الزمان القرية التي فيها القبلاص والحكمة فانه لما تجملت
الاجيال وتحوت الاخراب حاولت الهند ان تقيم المملكة وتستولي على
الحوزة وتكون الرياسة فيهم. فانه معت على ذلك ونهبت لها ملكا هو
ابرهمن الاكبر وبهم الحكماء فاحد ثواني ايامه كتاب السند هند وتفسيره
دهرالد هور. ومنه فرغت الكتب كالعجسطى ومن العجسطى كتاب بطليموس
وتوزع في البرهمن فمنهم من زعم انه ادم عليه السلام وانه رسول الى
الهند. ومنهم من يقول انه كان ملكا وهذا اشتهر. وارض الهند ارض
واسعة في البر والبحر والجبال والهند متصلة فيما يلي الجبال بارض خراسان
والسند الى ارض التبت وبين هذه الممالك تباين وحروب ولغات مختلفة
وادام غير متفقة. قال كاتب انجلي في كشف الظنون اهل الهند هم
اهل الاراء الفاضلة والاحكام الراسخة. هم المتحقق بعلم الحساب والهندسة
والطب والنجوم والطبي والالهى. وجهور الهند صابئة ولهم في عظيم الكواكب
واودادها اراء ومذاهب. قال آناذ البلبجواي في سبعة المرحان ان
الهند تارة يكون اجم. ويطلق على ملك دهل والسند والدكن وغيرها من
جزيرة سرانديب ناحية من الدكن وكابل برزخ بين الهند وخراسان ومن
مدة داخلية في مملكة الهند. ويطلق على ملك دهل فقط وهو قسيم السنداه
قلت البلاد التي تاتي مياها الى نهر السند. مثل كابل وما والا من جنوب

یقیناً ۸۵ ہندو کش۔ وکٹ البلاد التي يتكلمون بالہشتوا المنشعۃ من سنسکرت
 مثل قندہار و ماوا لا ہا فہی داخلۃ فی الہند حقیقۃ لا تخلف باختلاف
 الحکومات۔ و لما فرزت فی حل المشكلات المتعلقة بتاریخ کابل تقرر عندی
 ان کابل من الہند بلا اریاب وانما تردد المورخون من المسلمین و غیرہم
 فی کونہ من الہند لعدم تعظیہم بحقیقۃ الاسماء المستعملة و وجوہ تفسیرہا
 قال الاستاذ کاء اللہ الہنوی فی تاریخ الہند عربی میں غیر قوموں کے ناموں کی
 تعریب کے لکھنے کا قاعدہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس سبب سے ناموں کا پتہ گمان نہایت دشوار ہے
 فرنگی عقیدت نے ان ناموں کی تحقیق میں بہت سے کوئے کا فذ سیاہ کئے۔ مگر بے سود۔ ان ناموں
 کی تحقیق ان عقیدت کا کام ہے جو عربی اور سنسکرت ہونے کے فاضل ہوں۔ سنسکرت دانی سے تحقیق کر
 سکتے ہیں۔ کہ اصل نام کیا تھا۔ اور عربی دانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعریب ہوئی۔ ایک تاریخ میں
 لکھا ہے کہ بادشاہان کابل کا نام دستبیل کوئی کتب سے ماہبیل۔ کوئی نہ نبیل۔ کوئی زبیل۔
 کوئی رت بال۔ کوئی رت ٹھیل۔ کوئی زن بل لکھا ہے۔ جو ایک بامعنی ہندو نام ہے۔ یہ بھی
 محققین نے تحقیق کیا ہے کہ کابل میں جو ترک کوہستان تبت سے آئے تھے۔ ان کا مذہب بدھ
 تھا۔ ان ترکوں سے برہمنوں کے اٹھ۔ اور برہمنوں سے راجپوتوں کے اٹھ سلطنت منتقل ہوئی۔
 قلت لما جاء الترك كان الموضع الذي بنوا فيه كابل معرعي للبقر فكان
 اسمها كنبو پال ثم صار كابل و اسم حاكمها الذي اخذ منه المسلمون اسم پال
 فغيروه و حروفه فجعلوا ما نبيل و غيره و الله اعلم

۱۵۱۵ ہ از یقینہ ۱۵۱۵ ہ محمد شاہ کے عہد میں امیر الامراء معصام الدولہ و متوفی
 ۱۵۱۵ ہ کی بے تدبیری سے صوبہ کابل اور سرحد کے ہند کا انتظام خراب ہو گیا
 وہاں جت مفسدہ عظیم۔ کہ وروند نادر شاہ بہندوستان باشند روئے داد۔ و صوبہ دار کابل ناصر خان
 مرد صالح بود۔ مگر اسوئے شکار و ملاوت و عبادت کار و دیگر نداشت۔ بعد چند سے چوں نادر شاہ بر

بقیہ صفحہ ۸۶ تخت ایران ممکن گردید۔ یہ قلعہ قندھار رسیدہ اور تا یک سال محاصرہ کر دیا تاکہ شہر دارا با
 و ضیہ آن اتمام یافت۔ بعدہ بر قلعہ یلغار آورده اور فرو گرفت۔ (۳۰) دران زمان صوبہ دار کابل از
 کابل گریختہ پشاور آمدہ صوبہ داری کابل سے نمود۔ انہیں نادر شاہ بصوبہ خرمین د کابل و حرکت
 آمد و کابل را فتح نموده۔ خود راں تا ہفت ماہ توقف داشت۔ (۳۱) بعد از ان کابل بجاں آباد
 رسیدہ۔ بصوبہ پشاور و حرکت آمد۔ بعد از ان در مملکت پنجاب خاصہ در شہر لاہور فرغ قیامت
 برخاست۔ و بتاریخ ۱۱۵۵ از قلعہ شہر اصفہان ہرود لشکر میدان کارزار گرم شد۔ و معصام الدولہ کہ کشتہ شد
 بر مان الملک د سعادت خان و لئی اودھا و آصف جاہ چند گرفتہ و سپہ از طرف محمد شاہ۔ ادہ باناؤ
 صلح نمودند۔ ۴۰ ذی الحجہ محمد شاہ۔ ۱۱۵۵ ذی الحجہ نادر شاہ در قلعہ دہلی نزول فرمود۔ و بروز عید الفتحی خطبہ
 بنام نادر شاہ در مسجد جامع و مساجد دیگر ترانہ شد۔ بتاریخ ۱۱۵۵ ذی الحجہ بوقت عصر بعض ہندیاں مشہور کردند
 کہ نادر شاہ در گذشت۔ و بر لشکران او کہ در شہر دہلی سرسہ پراگندہ شدہ گریزند۔ حملہ نمودہ قتل
 شان آغاز نمادند۔ و ہیکہ کا تمسبح ۱۱۵۵ ذی الحجہ گرم ماند۔ ۱۱۵۵ ذی الحجہ نادر شاہ از قلعہ سوار شدہ بقتل عام
 فرمای داد۔ بعد نصف روز نادر ندائے امان در داد و نادر شاہ چوں زود تر معاودت را ارادہ
 داشت۔ تمامی مملکت شدہ و صوبہ کابل را با بعضی محال پنجاب۔ کہ بہ نحوہ صوبہ کابل است از
 مملکت ہندوستان و تصرف محمد شاہ وضع نمودہ لمخبر مملکت ایران ساخت و بتاریخ ۱۱۵۵ ذی الحجہ
 از شہر بجاں آباد مراجعت نمود۔ و سیر المتاخرین ص ۴۹ تا صفحہ ۴۸ ۱۱۵۵ محمد نورالحق ۱۱۵۵ ذی الحجہ
 شہ میرزویں نے ایران پر حملہ کیا۔ اور یہ سلسلہ اس قدر چلا کہ ایران میں اتفاقی حکومت
 قائم ہو گئی جس کے رومل کے لئے نادر شاہ پیدا ہوا۔ میرزویں کی حکومت ایران کی دشمن تھی۔
 مگر اس کا تعلق محمد شاہ کی حکومت سے دوستانہ تھا۔ اور محمد شاہ بھی اس کی سرپرستی کرتا تھا۔ اور
 میرزویں بھی محمد شاہ کا فرماں بردار دوست تھا۔ اسی بنا پر سیر المتاخرین کے مصنف کو جو ہد ہا شیعہ
 اور ایرانی شیعہ حکومت کا طبعاً طرفدار ہے۔ یہ کتنا پڑا۔ از عجائب واقعات ایکہ سلاطین صنویہ ہاسون
 ہند مطلقاً جوئے و ریج باب نہ لہودہ۔ و یا برباد شاہ و ہا یوں لیسراؤ کہ مورد التفات شاہ اسمعیل صفوی

و شاہ ظہاسپ بودہ اندہ ظاہر آشکارا است۔ و باوجود فقدان جمیع اخراض سلاطین صفویہ بنا
پس مروت ارسال سفراء و مراسلات تہنیت و تعزیت مسلوک داشتہ احیائے مراسم یگانگت می نمودند
و ازین طرف بنا بر جریان از اوصاف آدمیت و وفا، این سلوک نامعلوم نمے گشت۔ چنانچہ باوجود شوق
یافتن حوادث و فتن در ممالک ایران و تسلط شدن شاہ ظہاسپ ثانی بر تخت موروثی خود۔ بعد تنبیہ
افغانہ و انحصار و اخراج مفسدان محمد شاہ راہرگز دم پرستش و تہنیت بخاطر نگذشت بلکہ با امیر و
افغان راہ آشنائی و مودت مسلوک درشتہ۔ و با حسین پسر میردیس مذکور نیز در آخر کہ مضابط قد بار
شده بود۔ با آنکہ بہتان لشکر کشیدہ، در قتل و غارت و خرابی آن و بار تقصیر سے منکر دہ باز گشت۔ نوبتے
طریق مراسلہ مفتوح شد الخ صفحہ ۹۷۔

واقعہ ہے کہ مغربی افغانوں نے ایران پر حملہ کیا۔ ان کا سردار محمود خاں تھا۔ اس نے ۱۱۳۲ھ
میں اصفہان کو فتح کر لیا۔ اور حسین شاہ صفوی شاہ ایران کو قید کر لیا۔ دار الخلافہ پر قبضہ کر کے خود یاو شاہ
ہو گیا۔ تین برس سلطنت کر کے ۱۱۳۳ھ میں مر گیا۔ بعد ازاں اس کا رشتہ دار اشرف جانشین ہوا۔ شاہ
ایران تو افغانوں کی قید میں تھا۔ مگر شہزادہ ظہاسپ وائل سے نکل کر شمال مغربی اضلاع میں جو آب
ممالک افغانوں نے فتح نہیں کئے تھے۔ بادشاہ بن گیا۔ ۱۱۳۲ھ میں قسمت سے اس کو ایک لائق اور مستقل
مزاج آدمی مل گیا۔ اور وہ نادر تھا۔ اس کا اصی نام نادر قلی خاں پسر نام قلی تھا۔ قوم اس کی افشار
تھی۔ وہ کچھ رتبہ کا آدمی نہ تھا۔ بعض اس کو پوستان دوز بتاتے تھے۔ نادر کے بڑے کی شادی جب
محمد شاہ کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ اور وطن والوں نے دستور کے مطابق دولہا سے اپنی سات پشت تک
نام پوچھے۔ تو نادر نے کہا۔ بگو و نادر شہا پسر نادر شاہ است و نادر پسر شمشیر تاجم چینی تاجہفتاد بار
بشارتہ تاور سن ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی شہامت و جلاوت و معرفت کے کام و کچھ کر عقل و نگاہ تھی
ہے۔ کہ ملک کے ٹک اور صوبے کے صوبے فتح کرتا چلا گیا۔ سب سے عظیم انسان کام اس کا یہ تھا۔ کہ
اس نے ایران کو ۱۱۳۳ھ میں بالکل چٹانوں سے پاک صاف کر دیا تھا۔ اس کے عوض بادشاہ نے
اپنی نصف سلطنت دھو بہ فرما سان۔ مازندران، سیستان، کرمان، اس کو بخش دیے۔ اس نے ۱۱۳۸ھ میں

نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے صوبہ کشمیر و لاہور و ملتان بھی لے لیا اس طرح چھ صوبے دہلی کی حکومت سے علیحدہ ہو گئے ہم قندھار کی اس حکومت کو بھی ہندوستانی حکومت مانتے ہیں جیسے حیدر آباد و کن کی حکومت ہندی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸۸) ایران کی سلطنت کو وہ وسعت دی کہ اس کی حدود اپنی قدیمی صورت پر قائم ہو گئیں۔
 ۱۱۸۸ھ میں خاندان صفویہ کا خاتمہ ہوا۔ اب وہ مستقل بادشاہ بن گیا اور ۱۱۹۵ھ میں ہندوستان پر
 اندھی کی طرح چڑھ آیا۔ تاریخ ذکار اللہ ص ۲۴۴۔

احمد شاہ ابدالی ۱۱۹۵ھ میں نادر شاہ اپنے ملازموں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ احمد
 ورائی پہلے نادر شاہ کے ہاں یہاں دل تھا۔ پھر رفتہ رفتہ بڑا افسر
 بن گیا جب نادر مر گیا۔ تو خود غزنین اور قندھار پر مسلط ہو گیا۔ اور وہاں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری
 کرایا۔ نادر شاہ کے زمانے سے ناصر خاں صوبہ دار کا بل تھا۔ احمد خاں ابدالی نے بھی اس کو بدستور اپنے
 عہدے پر قائم رکھا۔ مگر پانچ سو اور ورائی اس کے ساتھ گئے۔ تاکہ پانچ لاکھ روپیہ جس کے چیتے کا اس نے
 وعدہ کیا تھا۔ ابھی بیچ دے۔ ناصر خاں کا بل پہنچ کر وعدے سے پھر گیا۔ احمد شاہ نے اس پر لشکر کشی کی
 وہ بھاگ کر پشاور پہنچا۔ جب احمد شاہ اس طرح سرحد پر آیا تو اس نے سرحد اور پنجاب کا برا حال
 دیکھا۔ اس پر وہ لاہور کی طرف بڑھا۔ جب احمد شاہ کو خبر ہوئی۔ تو اس نے دلی سے ایک فوج تیار
 روانہ کی۔ احمد شاہ لاہور پر قابض ہو کر تیج کے کنارے پہنچا۔ اس کے پاس بارہ ہزار سے زیادہ فوج
 نہ تھی۔ کیونکہ وہ فوج کی کثرت کی بجائے اس کی طاقت و قوت پر زیادہ اعتماد رکھتا تھا۔ ۱۲۰۳ھ میں بیع الاول
 ۱۲۱۱ھ کو اس نے سرحد پر قبضہ کر لیا۔ اور آگے بڑھا۔ تیج کے کنارے ۱۲۰۵ھ میں بیع الاول سے ۲۸ھ میں
 الاول تک دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی۔ اسی آٹھویں جولائی کو احمد شاہ نے جو بادشاہ کے منہ بہت
 چٹا ہوا تھا۔ شاہ ورائی کو صلح کا پیغام دیا۔ بادشاہ احمد شاہ نادر گردی دیکھے ہوئے تھا۔ اس نے ملتان

(ج) امام عبدالعزیز کے زمانے میں کلکتہ سے دہلی تک انگریزوں کا معنوی تسلط ہو گیا تھا۔ مگر میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ، دہلی کی سلطنت مسلمانوں سے چھیننا چاہتے تھے۔ ان کے مقابلے میں لکھنؤ، حیدر آباد، پھر سیپور کی مسلم حکومتیں تھیں۔ جو سلطان دہلی کا احترام رکھتی تھیں۔

(بقیہ صفحہ ۸۹) اور لاہور، ہردو صوبے کے سرحد کر لی۔ اور غنیمت جانا کہ بلا ٹی۔ احمد شاہ یہ ہردو صوبے میں ملک پسر قمر الدین خاں کو دے کر واپس چلا گیا۔ پھر اکتوبر ۱۷۶۲ء کو دوبارہ دہلی آیا۔ اور دہلی کو اس طرح لوٹا۔ کہ ناوردی کو بھی مات کر دیا۔ وہ خود تونادری کی طرح سفاک و بیرحم نہ تھا۔ مگر اس کی سپاہ نادری سپاہ کی نسبت زیادہ اچلی تھی۔ لوٹ کا کام دو ماہ تک جاری رہا۔ بعد ازاں سلطنت کے حصے اپنی مرضی سے کر کے امرا میں تقسیم کئے اور سوال شدہ کو واپس گیا۔ یہ تاریخ ذکر اللہ۔

۱۷۶۲ء عالم ثانی (متوفی ۱۷۸۲ء) یکسر کی لڑائی میں (جو ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۲ء کو ہوئی) کچھ نہیں بولا۔ لڑائی کے بعد دوسرے دن شام کو وہ خود انگریزی لشکر میں چلا گیا۔ اور انگریزوں سے یہ عہدہ بیان کیا کہ شروع سال ۱۷۶۳ء سے جنگال۔ بہار، آرمیہ تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرے کمپنی بہاد کو دی گئی۔ اور خراج دیوانی جو آپ تک لیا جاتا تھا۔ معاف کیا گیا۔ اور پچیس لاکھ روپیہ جو پہلے نواب دیتا تھا۔ اس کا ادا کرنا کمپنی کے ذمہ کیا گیا۔ اور سرکار بنارس و غازی پور پٹنہ وغیرہ کے سرکار کمپنی کو دی گئی۔ صوبہ الہ آباد بادشاہ کے پاس رہا۔ انگریزوں نے بادشاہ کی سالانہ کچھ نقدی بھی مقرر کر دی۔ اور نواب جنگال صوبہ دار رہا۔ اور کمپنی نظامت اور مال کے کاموں میں اس کی شریک رہی۔ نواب کی نظامت کا خراج اٹھانا اور بادشاہ کا نذرانہ ادا کرنا کمپنی کا کام تھا۔ اس طرح بادشاہ الہ آباد میں انگریزوں کا ایک پیشن دار ہو گیا۔ اس تہوری خندان کے بادشاہ کے پاس صرف صوبہ الہ آباد تھا۔ اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا۔ جو انگریز اس کو دیتے تھے۔ یہ تاریخ ذکر اللہ ۱۷۶۳ء۔

۱۵) امام عبدالعزیز نے سب سے پہلے فتویٰ دیا کہ ہندوستان کے جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضے میں جا چکے ہیں، اُن قطعات میں اگرچہ برائے نام سلطان دہلی کا ٹٹل

بقیہ مکتوبہ ۹
۱۶۲ء کے دوران میں سکھوں نے پنجاب میں بہت زیادہ اودھم مچایا۔ اور دہلی پر آنت لگنے کا ارادہ کیا، مگر اس وقت پھر شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کی امداد کی۔ سکھوں نے سارے ملک میں غارتگری کا کیا تھا۔ اپریل ۱۷۶۱ء میں وہ لاہور آیا۔ سکھ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ بالاجاٹ نے سرہند میں دو لاکھ فوج جمع کر رکھی تھی۔ شاہ ابدالی نے نوے لاکھ فوجیں اس کے پاس پر حملہ کیا۔ اور شکست دی جس میں سکھوں کے بیس ہزار آدمی قتل ہوئے۔ اس کے بعد وہ کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ تاریخ ذکار اللہ ص ۲۱۸

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے اشعار ذیل میں درج آپ نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ کے نام لکھ کر روانہ کئے، سکھوں کے پیدا کردہ اضطراب کا صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں:-
جَزَى اللّٰهُ عَنَّا قَوْمَ سَكَمٍ وَمُوهَشٍ عَقُوْبِيَّةً شَسْرٍ عَاجِلًا غَيْرُ اُجْبٍ
وَقَدْ قَتَلُوْا جَسَعًا كَثِيْرًا مِّنَ الْوَرَى وَقَدْ اَوْجَعُوْا فِيْ اَهْلِ شَاہِ وَجَامِلٍ
لَّهْمْ كُلَّ عَاقِرٍ تَهْبِتُ فِيْ بِلَادِنَا يَفْخُصُوْنَ فِتْنًا بِالْفِتْنَى وَالْاَمَاطِلِ
تَهْلُ هُمَنَا مِنْ مَّعَاذٍ لِّعَايَتِنَا؟
وَهَلْ مِنْ مَّعِيْثٍ بَقِيَ اللّٰهُ مَا دَلِيْ

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:-

اَيَّامُ مَرَدِّ اَنْتَ فَالْقَلْبُ مُنْجَزٌ مِّنْ قَوِيْرٍ سَكَمٍ وَّ اِنْ الْخَوْفُ مَعْقُولٌ
اَنْفَاهُمْ اللّٰهُ عَنْ هِدَاةِ الدِّيَارِ فَهُمْ قَوَضَتْ اَمْرِيْ وَاَمْرَ النَّاسِ كُلِّهِمْ
اِلَى الْاَوَّلِ وَاِنْ اِحْفَظْ مَا مَوْلَا

نامہ جانا، ہو تو بھی وہ سب کا سب؟ ارا الحرب ہیں

دارالحرب کی فتویٰ | اس فتویٰ کی تفصیل کے لئے ہفتاویٰ عزیز پر جلد اول طبع محتبائی

دہلی ص ۱۰۱ میں موجود ہے، دو دن ملاحظہ ہو ۱۲ نورالحجۃ۔ ۱۲ نومبر ۱۹۴۱ء

دعاؤ اللہ، واضح ہے کہ دارالحرب کا تعلق براہ راست اس عبارت سے ہے جس کی نص یہ ہے۔ امام جلیل العزیز حقیقت میں وہ پہلے امام ہیں جنہوں نے ائمہ اور نمبر الف، ب، ج میں ہندوستان کی سیاسی کیفیت کا تذکرہ ہے کہ سلطان دہلی کی حکومت بعض برٹش نام تھی۔ اس پر امام جلیل العزیز حکم دیتے ہیں کہ یہ برٹش نام حکومت ملک کو دارالاسلام نہیں بنا سکتی مسلمانوں کی یہاں زبردست توہین موجود ہے، ان کا فرض ہے یا تو ہجرت کر جائیں۔ یا دشمن سے لڑ کر اپنی اور اسلامی حکومت بنائیں ہر وہ شخص جو دارالحرب میں رہتا ہو یہ اس کا مذہبی فرض ہے۔

ہم نے یہاں مقالہ مذکورہ میں، ہجرت کا ذکر قصداً چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ یہاں کی اکثر آبادی ہندو سے مسلمان ہوئی ہے۔ ان کے شہر اور اسٹاڈیٹک باہر سے آئے۔ اور چربادشاہوں نے یہاں ایسے خاندان جو حکومت کرتے ہیں چھوڑے۔ مگر ایسی حالت میں کہ اب ان کے پاس حکومت نہیں رہی۔ یہ تینوں داستان، مرشد خاندان شاہی، فرقتے ایسے ہیں جو ہندو سے مسلمان نہیں ہوئے۔ حکمران کو اپنا ملک چھوڑے اتنا زمانہ گزر چکا ہے کہ انہیں وطن میں کوئی شخص نہیں پہچانتا۔ ایک سید اگر مکہ معظمہ میں جا کے تو عام ہندوستانی کی طرح سمجھا جائے گا۔ یہی حال افغانوں کا افغانستان میں اور ترکوں کا ترکستان میں ہے۔ پہلے سائنسے نہایت شریف افغان خاندان سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوان ہندوستانی کابل میں آئے۔ تاکہ اپنی قومی حکومت کی ترقی میں مدد دیں، مگر وہ عام ہندوستانیوں سے نہ زیادہ ذلیل ہو کر رہا گئے۔ لہذا ہم نہیں مانتے کہ کوئی ہندوستانی ہندوستان سے ہجرت کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ اس لئے ان کا فرض یہی ہوگا کہ دارالحرب میں رہ کر اس کو دارالاسلام بنانے کی سعی کریں۔ یہ کام آسان نہیں ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ نظام حکومت جب متغلب طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو تو یہ فرض ملت پر عائد ہوتا ہے۔ ملت کا اس سے تغافل برتنا اور تقاضا کرنا حرام ہے۔ بلکہ ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ اس غلبے کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا ارادہ کرے۔ پھر جیسے حالات پیش آتے رہیں اسی لحاظ سے اپنا اجتماعی نظام قائم کرتا ہے۔

امام ولی اللہ نے تودہلی کے اعلیٰ طبقہ کو اپنے علوم سے تعارف کرایا تھا۔ مگر امام عبدالعزیز نے قوم کے متوسط طبقے کو بیدار کر کے عوام کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا یہی قومی حکومت کی تائیس ہے بفضلہ تعالیٰ امام عبدالعزیز اپنے مشن میں کامیاب رہے جس سے وہ متواجہ الہند کہلائے۔

البقیہ صفحہ ۱۹۲ اس کے لئے اسنادوں کی ضرورت ہے۔ اور امام عبدالعزیز نے ایک سلسلہ اساتذہ کا تیار کر دیا ہے۔ تاکہ وہ ہر سمجھ دار آدمی کو قابل اطمینان طریق سے راستہ بتا سکیں۔

مسلمانوں کی مخالفت سیاسی طاقتوں نے عوام کو امام عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت یافتہ جماعت سے بدگمان کرنے کے لئے مسلسل کوششیں کی ہیں۔ اور جو ان کے دام میں نہیں گیا۔ وہ اس ہدایت کے سرچشمے سے سیراب نہیں ہو سکا۔ مولانا غلام فیض محمد ۱۲ محمد نور الحق پورہ شام ۲۔ نومبر ۱۹۴۱ء

۱۔ عوام اور ظاہر بین خواص امام عبدالعزیز کے کام کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ وہ انقلاب کے معنی۔ انقلاب کا پروگرام۔ اس کے ابتدائی مراحل جانتے ہی نہیں ہیں۔ امام عبدالعزیز امام ولی اللہ کے علوم کے مخزن ہیں۔ امام ولی اللہ نے ہجو تشبیہ انتقاب کو نہ ہلی میں اس ایسا کر کے سائے میں

جملہ معترضہ | اسلام کی تاریخ میں ایک واقعہ گزر چکا ہے جسے تاریخ نے امام عبدالعزیز کے زمانہ میں ظہرایا ہے۔

بقیہ صفحہ ۹۳، بیٹھ کر لکھا ہے جس کو وہ خود دیر باور کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ حجۃ اللہ کا فقط ایک فقرہ ”وما تراك من ملوك بلادك یغنیہ عن حکایا تھم“ ہمارا مدعا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ امام عبدالعزیز اس باپ کا بیٹا ہے۔ وہ برٹش حکومت کا قبضہ تسلیم کرتا ہے اور اس کو راضی رکھ کر اپنے انقلاب کے لئے سارے ہندوستان میں بارود بچھا دیتا ہے۔ پہلی بار اس چیز کا کامیاب نہ ہونا، اُن لوگوں کے لئے اس کی قیمت گھٹا دیتا ہے جو انقلاب کے مزاج کو جو طبعی طور پر پیش آتے ہیں نہیں سمجھتے۔

پہلے ملک میں جو قومی تحریک ہندوستانی حکومت بنانے کی جاری ہے۔ اس کے وہ ماخذ ہیں۔ ایک برٹش نیشنل تحریکات سے فکر لینا۔ دوسرا ہندوستانی قومیتوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے ان کی ذہنیت کو بیدار کرنا۔ پہلا فکر اجنبی ہے۔ ہندوستانی جمہوریت سے اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ دوسرے فکر کی علمبرداری فقط امام عبدالعزیز کے طریقے کے اتباع کے ساتھ میں ہے، کوئی شخص ہندوستان میں قومی حکومت قائم نہیں کر سکتا جب تک امام عبدالعزیز کا اتباع اپنے لئے لازم قرار نہ دے۔ دنیا کے عمومی انقلاب کی تاثیر سے ہم اس پر راضی ہو گئے کہ امام عبدالعزیز کی قومی حکومت کی صورت یورپین ہو۔ اب یہاں ہندوستان میں ہندوستان کی دو ہزار سال پہلے کی قومیت کو زندہ کرنا ناممکنات سے ہے۔ امام عبدالعزیز کے اتباع پر جن لوگوں کو جمع ہو جانا چاہئے۔ اُن کی پریشان دماغی نے دنیا سے اس حقیقت کو مخفی کر دیا ہے۔ مگر ہمارا نوجوان بیدار ہونے کے بعد سالہا سال کا کام چند دنوں میں پورا کر دے گا۔

جب شام کی عربی حکومت پر عراقی غائب آجے تھے اس زمانے میں امام ابو حنیفہ نے فراستِ خداداد سے متاثر ہو کر عراقی فقہ کی تنظیم عقلیت کے اعلیٰ اصول پر مکمل کر دی۔ یہ تنظیم اگر اُسی حالت میں رہتی جو امام ابو حنیفہ کی ذہنیت کا نتیجہ تھی۔ تو اعلیٰ عقلمندوں کے سوا کوئی نہ سمجھ سکتا۔ اور جیسے بہت سے ائمہ کے مذاہب مندرس ہو گئے۔ یہ فقیہ بھی فروغ نہ پاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے عجمی ذہنیوں کی آسانی کے لئے فقہ حنفی کی ترویج کے سامان پیدا کر دیئے امام ابو یوسفؒ جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں عربی نسل کے ذکی الفطرتہ استاد تھے۔ امام محمد کو اپنا رفیق بنایا اور اپنے استاد کی فقہ کو متوسط بلقے تک پہنچانے کا کام پورا کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک امام ابو حنیفہ کا مذہب دنیا میں قائم ہے۔

لے عراقی و حقیقت ایرانی نومسلوں کی اکثریت کا دوسرا نام ہے۔
 لے عراقی فقہ وہ ہے جسے عراق کے عرب ائمہ صحابہ اور تابعین مرتب کر چکے تھے۔
 امام ابو حنیفہ انقلابی سیاست کے مالک تھے۔ فقہ کو ایسے طریقے پر مرتب کرنا
حنفی فقہ چاہتے تھے کہ ایرانی ذہنیت اُسے آسانی سے قبول کر سکے۔ کتاب و سنت
 سے استنباط عرب کی ذہنیت کے لئے بہت مناسب ہے۔ وہ قرآن عظیم بچپن سے سمجھتے ہیں۔
 احادیث اور آثار کے متعلق بھی ان علماء کو فخر الجہد علم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اکثر مسائل کتاب
 و سنت سے۔ آسانی مستلزم ہو سکتے ہیں بعض دقیق مسائل میں وہ کسی امام کی تقلید پیدا کر لیتے

دقیقہ صفحہ ۷۹ ہیں۔ اسی سے وہ شافعی یا مالکی کہلاتے رہے۔ مگر جب خلافت کا نظام ایرانیوں کے ہاتھ آگیا۔ ان کی ذہنیت اس طرز تفقہ کی معتاد نہیں تھی۔ وہ ہر چیز کو ایک عقلی اصول کے اندر حل کرنا ضروری جانتے ہیں۔

بیشہ بحد و جوا | عام طور پر یہ لوگ امام ابو حنیفہ کی فقہ پر ایک اعتراض وارد کیا کرتے ہیں کہ اس میں عامہ اہل سنت سے تفرد اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ امام ابو حنیفہ کی ذہنی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جب کتاب التذکار امام محمد طریقی تو ہمیں اس شبہ پر پہنچی آئی۔ ہر ایسا قول جس میں امام ابو حنیفہ عام اہل علم سے متفرد سمجھے گئے اور اس کو شاذ قرار دیا گیا۔ وہ قوال سب کے سب برابر ہم نگی سے منقول پائے۔ ابراہیم نخعی عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں ایک مسلم امام ہیں۔ سفیان بن سعید ثوری بھی انہی کے طریقے کے ایک عالم ہیں۔ آگے چل کر امام بخاری کا ابراہیم نخعی سے خصوصی انتساب ہے۔ بخاری اسحاق سے۔ وہ عبداللہ بن مبارک سے۔ وہ سفیان ثوری سے۔ وہ ملائکہ ابراہیم نخعی سے۔ وہ منصور۔ حمش۔ حماد۔ حکم۔ ہیں۔ دو اول الذکر سفیان کے مدرس ہیں۔ اور دو آخر الذکر فقہ میں ان کے اساتذ ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا یہ خصوصی کمال ہے کہ وہ ابراہیم کی فقہ کو معقول بنا دیتے ہیں۔ اور اس میں سے آئندہ ضرورت کے مطابق مسائل استنباط کرنے کیلئے قواعد وضع کر دیتے ہیں۔ مگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ایرانی فقہاء اور متکلمین خلافت کبھی اسلامی فقہ کو چلانہ سکتے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ ایسا اسان ہے جس کی امت اسلامیہ ہمیشہ ممنون رہے گی۔

مگر اس کے ساتھ ان کی انقلابی سیاست اس فقہ کو کامیاب ہونے میں دیتی۔ عام اہل علم ان کا نام سن کر بھاگتے ہیں۔ کہ کہیں ہم بھی حکومت کے عتاب میں نہ آجائیں۔

امام ابو حنیفہ نے اس مشکل کو حل کر دیا۔ یہ عباسی خلافت کے ساتھ ہو گئے اور امام صاحب کے مسلک یعنی حلیوں کی تائید۔ سے دست کش ہو گئے۔ اس طرح عباسی خلافت کو چلانے کو لئے جس قدر قانون کی ضرورت تھی انہوں نے امام ابو حنیفہ کی فقہ سے مدد لے کر اسے منظم کر دیا۔

(فقہ صفحہ ۹۶) الف، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک فقہاء کا مرجع خلیفہ راشد رہا۔ فقہاء اپنے اجتہاد پر عمل کرتے اور ان کا اختلاف مضر شکل میں ظاہر نہ ہوتا تھا۔ اسلئے کہ ان کے عمل کے لئے زمینیں مختلف تھیں۔ مثلاً ایک فقہ نے مغرب میں ایک طرح کا حکم دیا۔ دوسرے نے مشرق میں اس کے خلاف کہا۔ لوگوں کو یہ علم ہی نہ ہو سکا۔ کہ یہ دو فقہ مختلف رائے رکھتے ہیں۔ اس لئے کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ البتہ حجاز میں یا مدینہ منورہ میں (یہ زمانہ خلیفہ راشد) اگر فقہاء کا اختلاف ظاہر ہوتا تو خلیفہ راشد کا حکم اس کا فیصلہ کر دیتا۔ اس سے وہ اختلاف بھی ضرر کے درجے تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

دب، اس کے بعد بنی امیہ کے دور میں ساری توجہ فتوحات اسلامیہ پر مرکوز رہی۔ اور فقہاء کا طرز عمل ویسا ہی رہا۔ جیسے خلافت راشدہ میں تھا۔ یعنی غفلت ممالک میں اگر کوئی اختلاف تھا۔ تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تھا۔ اُدھر صحابہ کے گورنر کو اپنے لئے قاضی مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

جب کبھی مرکز خلافت میں نزاع پیدا ہوتا۔ تو بنی امیہ کا خلیفہ اتنا علم رکھتا تھا۔ کہ وہ فقہاء کے غلط اقوال سن کر ایک قول کو ترجیح دے سکے۔ ہم نے خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے بعض فتاویٰ ایسے دیکھے۔ کہ آج تک فقہاء ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر خلیفہ ترجیح سے عاجز آ جاتا۔ تو فقہاء، مدینہ کا فیصلہ دریافت کر لیتا۔ (وضیح یہ ہے کہ بنی امیہ نے علمی مرکز دمشق میں منتقل نہیں کیا تھا۔ عباسیوں نے سیاسی مرکز اگر بغداد کو بنایا تو علمی مرکز بھی وہیں منتقل کر لیا۔ اسی لئے ان کے خلیفہ نے امام مالک سے کہا کہ موطا کی تعلیم بجائے مدینہ کے بغداد میں آکر دیجئے۔ مگر امام مالک مرکز کو چھوڑنے پر کب تیار ہو سکتے تھے؟ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ نورانی)

ج، عباسی دور میں نئی چیز پیدا ہوتی ہے۔ مدینہ منورہ کے بجائے بغداد علمی مرکز بنتا ہے۔ اور خلیفہ میں اتنی علمیت نہیں کہ وہ ترجیح دینے کی استعداد رکھتا ہو۔ جیسے بنی امیہ کے خلفاء میں تھی۔ تمام خلافت کے اطراف بعیدہ سے مختلف فتاویٰ مرکز میں جمع ہونے لگے۔ اس لئے کہ اب حکمران طائفت ایرانی ہے وہ کسی فقہ کے فتویٰ کو نہ سمجھ سکتی ہے۔ نہ ترجیح دے سکتی ہے۔ دوسرے گورنروں کے اختیار

(بقیہ صفحہ ۹۷) معطل ہیں۔ اس لئے ہر اختلاف کو وہ بھی مرکز کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

ان حالات میں خلیفہ کا رفیق ایک زبردست عالم ہونا ضروری ہے۔ جو اس ایزدیت کے تمام جھگڑوں سے اُس کو نجات دلا سکے۔ اس کے لئے پہلے پہل خلیفہ منصور نے سعی کی۔ کہ اہل مدینہ اُس کے طرفدار بنیں۔ مگر اُن کا توافقی نہیں ہو سکا۔ منصور محتاج ہوا۔ کہ اہل عراق کے فقہاء سے استدعا کرے وہ امام ابو حنیفہ کو اس کا اہل سمجھتا تھا۔ مگر فقہاء کے سیاسی اختلافات کے باعث وہ اُن سے استفادہ نہ کر سکا۔ امام ابو یوسف نے یہ بہت دکھائی اور تمام ممالک خلافت کی قضا کو منظم کر دیا جس سے آپ کا لقب قاضی قضاۃ العالم ہوا۔ تاج التوہام این قحط لونیفا۔ نور الحق، حدائق میں مراتب قائم کر کے خلافت کو اپیل کی آخری حدالت بنا دیا۔ اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ تمام قلمروں میں ایک ہی قانون نافذ ہو۔ امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کی فقہ پر غور کر کے ایک قابل عمل نظام نامہ مرتب کر لیا۔ اور امام محمد بن حسن شیبانی کو اس کی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا۔ اب جو قاضی امام محمد کے ہاں سے پڑھ کر نکلے گا۔ فقط وہی کسی مملکت میں قاضی بنایا جائے گا۔ چھوٹے قاضی وہ اپنے تلامذہ سے منتخب کر کے مقرر کر لے گا۔ اس طرح ان دو بزرگوں ابو یوسف و محمد کے اتفاق سے تمام ممالک خلافت ایک قانون کے پابند ہو گئے۔

یہ خلافت جب سیدہ کاسب سے قابل فخر زمانہ ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ کا کمال جس قدر مانا جائے گا۔ اس کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام محمد بھی فراموش نہیں کئے جاسکتے یہ ہے فقہ حنفی اور ائمہ حنفیہ کی حقیقت؟ مع اوفی تعییر۔ وللتفصیل موضع آخر۔ ولنعلم ما قیل ۛ

وستان جہد گل را از نظیری بشنود
عذیب اشقت تر گفتہ است این افسانہ را
نور الحق،

ہماری سمجھ میں جو کام امام ابو یوسف اور محمد ہر دو نے کیا۔ شاہ ولی اللہ کی فقہ تصوف اور حدیث کو رواج دینے میں اکیلے امام عبدالعزیز نے کیا۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کے دو بھائی شیخ رفیع الدین اور عبدالقادر اُن کے معاون تھے۔ مگر فیصلہ کن رائے فقط شاہ عبدالعزیز کی ہوتی تھی۔ ان کی اس

(بقیہ صفحہ ۹۸) اطاعت نے ہندوستان کو شہنشاہ عالمگیر کے بعد پھر ایک دفعہ ایک قانون دفعہ معنی غزنی، کا پابند بنا دیا۔ اب آپ ہندوستان میں کوئی عالم حنفی نہیں پائیں گے جس پر شاہ عبدالعزیز کا احسان نہ ہو۔ مارتی اور باغی ہر اجتماع میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اُن کی وجہ سے کوئی اجتماعی قوت بدنام نہیں ہو سکتی۔ محمد نور الحق العلوی۔

۱۔ اقدام میں کسی تحریک کو محفوظ کرنے کا یہ اساس ہے جو چیز متوسط طبقہ میں آجائے وہ فنا نہیں ہو سکتی۔ اسی طبقہ اس کی تقلید کر لیتا ہے۔ اور اعلیٰ طبقہ جو کچھ کہتا ہے اس کی عملی صورت ہی ہوتی ہے جو متوسط طبقہ میں ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ میں اس کو رسوم سے تعبیر کرتے ہیں ایک حقیقت اور حکمت کو جب تک رسم نہ بنایا جائے۔ وہ انسانیت کے لئے مفید نہیں ہو سکتی! امام ولی اللہ تمام شرائع الہیہ کے اندر رسوم کو مرکز مانتے ہیں۔ قرآن عظیم نے اس کو معروف کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

ہندی قوم کے ذکی الفطرۃ، عقل مند، اعلیٰ علوم فوراً لے لیتے ہیں۔ مگر اُن کو متوسط طبقے تک پہنچانا ضروری نہیں سمجھتے۔ کیونکہ انہوں نے حکمت عملی کسی استاد سے نہیں سیکھی۔ اُن کی ساری محنتیں خود اُن کی اپنی ذات تک محدود ہوتی ہیں جتنی کہ اُن کی اولاد بھی اُن کے مشرب کی تائید نہیں کرتی۔ امام ولی اللہ امام ربانی کے بعد ایک عظیم الشان مجدد ہیں۔ انہوں نے اپنے اتباع میں عمل کرنے والے افراد کا بہت بڑا مجموعہ تیار کر دیا ہے۔ وہ متوسط طبقے تک اپنے علوم کو پہنچانا ضروری سمجھتے ہیں۔ بہائے الحدیث بھائی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دقیق مسائل سے حظ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ آیا یہ لطیف علوم ہندوستان کا متوسط طبقہ بآسانی قبول کر سکتا ہے؟ اس کے لئے عربی ذہنیت موزون ہے۔ انہوں نے بڑی بڑی محنتوں سے چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنالی ہیں۔ اور اس خیال سے اپنی طبیعتوں کو تسنی سے لیتے ہیں۔ کہ زمانہ قیامت کے قریب آگیا ہے۔ اس لئے ہماری تحریکیں کامیاب نہیں ہوتیں۔ اُن کے لئے شاہ ولی اللہ کی حکمت کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی متوسط طاقت کو جو حنفی مذہب رکھتی ہے۔ پریشان کرنا خود بخود چھوڑ دیئے۔ یہ امام عبدالعزیز کی طے شدہ مصلحت ہے جس پر اُنکے اتباع جب تک کام کرتے ہیں کامیاب رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غیر متناہی رحمت کا دروازہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے کھول دیا۔ اور امام ابو یوسف کے واقعے سے ملتا جلتا ایک واقعہ دہلی کی تاریخ میں دہرا دیا۔ اگر امام عبدالعزیز اپنے والد ماجد امام ولی اللہ کی حکمت، اور اُن کی فقہ و تصوف و فلسفہ اور ریاست کے مخصوص طریقے متوسط طبقے تک نہ پہنچاتے تو آج امام ولی اللہ کو صحیح طور پر پہچاننے والا مشکل سے دستیاب ہو سکتا۔ اس طرح ہندوستانی مسلمان اس نعمت سے (جو تمام انسانیت کے لئے ابر رحمت ہے)، محروم ہو جاتا۔

امام عبدالعزیز نے سب سے پہلے امام ولی اللہ کے علوم کو علماء و زمانہ کے اذہان تک پہنچانے کے لئے سلسلہ تصانیف شروع کیا۔

الف: امام ولی اللہ کی تفسیر فتح الرحمن کو سمجھانے کے لئے فتح العزیز، لکھی تفسیر عزیزی ہر ایک عالم بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ مگر یہ لوگ اس کو فتح الرحمن کے غوامض حل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے! اس لئے ”الفوز الکبیر“ کے اصوائح قرآن وانی مفقود ہو رہی ہے۔ مثلاً مقطعات کی جو تفسیر شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اور فتح العزیز میں ”الم“ کی تفسیر پڑھنے سے بعد وہ چیز آسان ہو جاتی ہے۔ فتح العزیز میں عوام کی طبیعت کو جذب کرنے کے

لئے اُن کے مسلمات کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اُس میں بعض چیزیں حدیث کے
فن تنقید کی رُو سے غیر ثابت بھی آجاتی ہیں۔ کیونکہ یہاں اُن کا مطلب تنقید سمجھا جائے
بلکہ اپنے والد کی حکمت کو عوام تک پہنچانا ہے۔ پس وہ حدیث غیر ثابت کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بنا کر پیش نہیں کرتے بلکہ اس جہت سے پیش
کرتے ہیں کہ وہ اُن کے مخاطبین کا مسئلہ امر ہے۔

(ب) "اذالة الخفاء" کا مقدمہ تحفہ اثنا عشریہ لکھا بشیخ نے پہلے
قرآن عظیم کی معرفت کو امام مہدی کی آمد سے معلق بنایا۔ اُس کے بعد امام مہدی
کی آمد پر توہمات کے پرے ڈال دئے اس طرح اُن کی دعوت مسلمانوں کو
قرآن عظیم کی برکات عامہ سے محروم کرنے کا ایک فریوع بن گئی۔

لہ روی الخطیب بسند عن ابی ذرعة الرازی۔ قال اذا رايت الرجل
ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق
وذلك ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء به حق. وانما اولى ذلك الينا كل
الصحابة. وهؤلاء يريدون ان يحجروا شهودنا ليطلوا الكتاب والسنة. والجرح
بهم اولى وهم زنادقة من الكتاب للخطيب. واصابة من. ولما جاء عند الرشيد
شاكرا من الزنادقة. واداد ان يضرب عنقه. قال اخبرني لم تعلمون اول ما فعلت
المتعلم منكم الرقص والقدر. قال اما قولنا بالرفض فاننا نريد السطو على الناقلة فاذا
بطلت الناقلة او شك ان تبطل المنقول وخطيب بغداد مشي ۳ امام مقتل الله

ایرانی حکومت کی مسلسل کوشش سے فرقہ اثنا عشریہ نے امام عبدالعزیز کے زمانہ میں شمالی ہند میں بھی اپنا مرکز بنالیا تھا۔ اُن کے مسموم پروپیگنڈے سے متوسط اذعان کو بچانے کے تحفہ اثنا عشریہ لکھا گیا ہے۔ علماء زمانہ تحفہ اثنا عشریہ کو فرے لے کر پڑھتے رہے لیکن اُسے ازالۃ التحفہ سمجھنے کا واسطہ نہیں بنا سکے چنانچہ جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ وہ پورا نہیں ہوا۔

بقیہ صفحہ ۱۰۱، تورپشتی حنفی دعامر سعدی (لہ ترجمہ فی طبقات السبکی، کتاب المعتقد باب سوم فصل چہارم میں لکھتے ہیں: "در خلافت ابو بکر بن گفتند چہ اُن مٹھی می شود بطعن در حجر محراب بطعن در ایشال مغنی می شود بطعن در دین۔ زیراکہ قرآن و احادیث و احکامیکہ ازاں مستفاد است از صحابہ بیا رسیدہ است۔ و چون حال ایشال براں وجہ اعتقاد کنند کہ مبتدع ال میگویند۔ بر نقل ایشال اعتبار نماند پس شریعت ثابت نشود۔ خطبہ و واجہ الیواقیت و الجواہر للشعراوی ص ۲۲۶

ہندوستان میں شیعہ مرکز | سلطان محمود نے ۱۰۳۰ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پشاور کے قریب مقام ہند پر جیپال واپس لائے لاہور کی فوج کو شکست دی۔ نواح ملتان میں سلطان سے پہلے قرامطی نے اپنی سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ ملتان کا مشہور عظیم الشان مندر جسے شیخ الاسلام محمد بن اسماعیل نے محض اس لئے نہ چھڑا تھا کہ وہاں ابد اگلا گناہیں انصاری و ایہود و بیوت النیوان اللجوس قرامطی نے اس کو مسمار کر کے وہاں اپنا گورنمنٹ ہاؤس تعمیر کر لیا تھا سلطان نے قرامطی کو شکست دے کر اس عمارت کو مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

دبا جب بغلیہ قزاقان کا بانی ہمایوں اپنے لڑکے اکبر کے ساتھ ہندوستان سے فرار ہوا۔ تو خود سیدھا شاہ اسماعیل صفوی کے پاس ایران پہنچا۔ ایرانی حکومت سے ایک باقاعدہ معاہدہ کرنے کے بعد فوجی امداد لے سکا۔ اور کامیاب ہوا۔ وہ معاہدہ کیا تھا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

دقیقہ صفحہ ۱۰۲ پر لکھے نزدیک ہندوستان مستقل خلافت کا مستحق ہے۔ اکبر نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔ اس لئے کہ ہمایوں ایران کی تابعداری کا وعدہ کر آیا تھا۔ تو اکبر کو ملکی حکومت پیدا کر کے استقلال کے دعویٰ کی ضرورت ہوئی۔ اس نے ہندوستان کو ساتھ ملا یا۔ تاکہ ملکی حکومت پیدا ہو۔ اور ایرانی حکومت سے کہا جاسکے۔ کہ جس حکومت نے تابعداری کا وعدہ کیا تھا وہ نہیں رہی۔ اس کے بجائے ایک نئی قومی ملکی حکومت قائم ہے۔ جسے معاہدہ معلوم سے ذرہ برابر تعلق نہیں موضح ہے کہ ہندوؤں کا ملانا اکبر کی ایجاد نہیں۔ بشیر شاہ۔ فیروز شاہ۔ ناصر الدین حسن، یہ کام پہلے کر چکے تھے۔ مگر ملکی حکومت بنانا یہ اکبر کی ایجاد اور اس کی ابتداء ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ بیرم خاں والد عبدالرحیم خانان کے توسل سے ہمایوں کا معاہدہ شاہ ایران سے طے ہوا۔ ورنہ شاہ ایران ہمایوں کو امداد دینا دل سے کسی طرح نہیں چاہتا تھا۔ جب ہمایوں نے منظور کر لیا۔ کہ میں شیعہ مذہب کو وٹاں رائج کروں گا۔ اور شیعہ ریجنٹ (بیرم خاں) کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ تو کہیں جا کر امداد دی گئی جب اکبر تخت نشین ہوا۔ اور اس کو اپنی سلطنت کی حقیقت سمجھ میں آئی۔ تو سب سے پہلے اس نے بیرم خاں کو حلیفہ کیا۔ بیرم خاں ایران کی راہ سے حج کے لئے جانا چاہتا تھا۔ اکبر نے اس کو روک دیا۔ اور پھر قتل کرادیا۔ اس کے بعد کوئی ریجنٹ ایران سے ہندوستان کو نہیں آیا۔ اکبر نے شیعیت کی بنیاد کلٹنے کے لئے ہندوستان سے اسلامی حکومت کو ختم کر کے اس کی بجائے ملکی حکومت پیدا کی۔ اس پر نہ تو کوئی سنی خلیفہ دباؤ ڈال سکتا ہے۔ اور نہ کوئی شیعہ بادشاہ حکم چلا سکتا ہے۔ اکبر حبیبی انصاف پسند ہندوستان نے پیدا نہیں کیا۔ قانون کے سامنے اس کا بیٹا اور دشمن مساوی تھے :-

جلال الدین اکبر بادشاہ | ہم ترم محترم میں حمار۔ مشائخ۔ سلاطین ہر سرہ کے لئے فرودا
فرودا نام لے کر کلام الہی وغیرہ اذکار کا ثواب ان کی مدحوں
کو بھیجتے تھے۔ مگر اکبر کو چھوڑ دیتے تھے۔ ایک راز خواہ میں دیکھا کہ ایک چبوترہ ہے۔ جو کافی
بلند ہے۔ مگر ہے سادہ۔ اس پر اکبر تنہا کھڑا ہے۔ اور سامنے دار پر ایک شخص لٹک رہا ہے۔ اور ہم

دقیقہ صفر ۱۱۸۷ھ کے دیکھ رہے۔ ہم نے اس کی تعبیر یہ کی۔ کہ ہند میں انصاف کرنے والا فقط اکبر ہے جس نے انصاف کی روح کو قائم رکھا۔ اور ہندو مسلم کو یکساں موقع دیا۔ کہ وہ انصاف سے متمتع ہو یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ مسلمان انصاف سے متمتع ہوں۔ اور ہندو پوجہ ہندو ہونے کے رہ جائے قال تعالیٰ وَلَا يَجْعَلْ لَكُمْ فِتْنَةً مِّنْ أَشْيَاءِكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ دین الہی کا تقاضا یہ ہے کہ انصاف کی روح زندہ رہے اس کا مصاف الیہ خواہ کوئی ہو۔ اس بلند نشین پر فقط اکبر ہی بیٹھا ہے۔ اور دار انصاف کی دار ہے۔ جہاں گنہگاروں نے کی زنجیروں بندھوائی؟ اس کو تو حیا ش سجھا جاتا ہے۔ وہ اکبر بیٹھا تھا۔ جو انصاف کو حامی کرنے آیا تھا۔

جب اکبر نے ملکی حکومت پیدا کر لی۔ اور بیرونی اسلامی دنیا سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا تو اب دو صورتیں تھیں۔ اول یہ کہ مختلف مذاہب کو غیر معتبر قرار دے کر لا دینیت پر مبنی مملکت کو جمع کیا جائے جس کا تجربہ اب یورپ میں ہو رہا ہے۔ مگر اکبر نے یہ احتمال قریب بھی نہ چھٹکنے دیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ مختلف مذاہب کو تسلیم کر کے ہر ایک کو پوری آزادی دی جائے، اور قانون حکومت کی جو شخص خلاف ورزی کرے اس سے مواخذہ ہو۔ خواہ ہندو ہو یا مسلم دوسرے عقول میں مذہب آزاد ہے جب تک حکومت سے مصادم نہ ہو۔ یہ اکبر کا بنایا ہوا قانون ہے جس پر انگریز اب عمل کر رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بڑا حالی دماغ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دین الہی | اس ملک میں جو مختلف مذاہب کا مجموعہ ہے۔ حکومت چلانے کے لئے یا شاہ اور اس کی انتظامی کونسل کا کیا طریقہ عمل ہوگا؟ اس کے لئے اکبر نے دین الہی کا فقرہ ایجاد کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بادشاہ اور اس کی مرکزی کونسل کسی خاص مذہب کے طرفدار نہیں ہونگے۔ مگر مطلق مذہب کی پابندی سے بھی اپنے آپ کو آزاد نہیں کریں گے اور لا دینیت نہیں آنے پائے گی۔ یعنی خدا کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کریں گے۔ ایک ہندو اللہ کی حکومت کی تفسیر ایک طرح کرتا ہے۔ اور ایک سنی مسلمان دوسری طرح اور ایک شیعہ تیسری طرح ان اختلافات سے حکومت کو تعرض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ پرائیویٹ طور پر بادشاہ اور ارکان کونسل

بقیہ صفحہ ۱۰۴ اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔ اس یکسانی کو دین الہی سے تعبیر کیا گیا۔ اس وسیع مملکت کے لئے اس سے بہتر غیر اسلامی نظام ناممکن تھا۔

ہماری رائے میں جو کام اکبر نے شروع کیا وہ اساساً صحیح تھا۔ اور عملاً غلطیاں اس نے نہیں کیں کہ اس عظیم ایشان کام کو چلانے کے لئے آدمی میسر نہیں آتے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ ضرورتیں خدا تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ کے ذہن پر پوری کر دیں، شاہ صاحب نے اس کام کو مکمل کر دیا۔ جو اکبر نے شروع کیا تھا کیونکہ جو بھی اسلام کو انسانیت کی تفسیر بناتے ہیں آپ تمام ادیان کو منطبق کر سکتے ہیں، ان کے طریقے پر ایک مسلم عالم اس نظام سلطنت کو چلا سکتا ہے۔ جو اکبر کا مقصد تھا، اگر ہندوستانی دماغ شاہ صاحب کے طریقے کا عالم بننے کے بعد نظام سلطنت چلانے کا ارادہ کر لے تو اس کے مقابلے میں کوئی اجنبی حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کافر ہو یا مسلم، شاہ صاحب کی حکمت پٹھنے کے بعد اگر کوئی اسلامی حاکم کی سیر کرے تو اس کے سامنے یہ بات اٹھائے گی کہ وہ اپنا قیمتی مذہب چلانے کی اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اگر مختلف مذاہب کو اپنے یہاں اجازت دیں یا اجازت دینے پر مجبور کر دئے جائیں۔ تو سوائے لادینیت کے اور کوئی نظام حکومت ان کے یہاں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ترکی میں جا کر دیکھ لو، پھر پھر کہ سطر ج عرب و افغانستان ترکی کا تتبع کر رہے ہیں، اب اسلامی حاکم کی یہ حالت ہے کہ وہاں یا اکبر کا دین الہی ہے۔ یا لادینیت اگر شاہ صاحب کی حکمت کا رواج ہوتا تو وہ حاکم اس مرض میں مبتلا نہ ہوتے۔

اکبر کے کارکن جو غلطیاں کرتے تھے۔ اور اسلامی حدود سے باہر نکلتے تھے، ان کی اصلاح کا ابتدائی کام حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے شروع کیا۔ اور وہ مجددان لئے گئے، مگر امام ربانی نے فقط کام شروع کیا تھا۔ اس کی تکمیل محمد شاہ کے عہد میں شاہ ولی اللہ نے کی، شاہ صاحب کو کام کرنے کا اُس وقت موقع ملا جب دہلی کی سلطنت اصلی معنوں میں مسلمانوں کے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ اس لئے اس تعلیم کے نتائج اس وقت پھیل نہ سکے۔

قال الشيخ الاجل في كتاب "التبليغ في ائمة التجديد" السلطنة الهندية

(بقیہ صفحہ ۱۰۵) صابر بن ماجہا برناجج السلطنۃ الملیۃ الوطنیۃ بعد ما احدثہ السلطان جلال الدین محمد اکبر من تبدیل السلطنۃ الاسلامیۃ بالوطنیۃ مشہور وکان ذلک قد ہزأ منه لتالیف قلوب الصابئین الہندیین المائلین الی الحکومتہ السابقۃ للسلطان شیرشاہ الافغان الہندی۔ لکوند وطنیاً ولاند ما کان یمیز فی العدل بین المسلم والصابی۔ وقد ہزأ منه للتخلص من حق السلطنۃ المصنوقہ الایرانیۃ۔ لان اباءہ السلطان نصیر الدین ہمایون کان قد عقد بتسليم بعض الحقوق للایرانیین۔ علی السلطنۃ الہندیۃ۔ لما استعان بہم فی استرداد ملک من اولاد السلطان شیرشاہ۔ فنصب نفس خلیفۃ علی الممالک الہندیۃ۔

ثم استمر علی ذلک ولدا السلطان نور الدین جہانگیر۔ ثم ولدا السلطان شہاب الدین شاہجہان۔ مع اصلاح مناسب منہما لبعض الشیون فلما تعطل السلطان شاہجہان فی سنہ ۱۶۶۹۔ بسبب الفالج قبض علی ارقۃ السلطنۃ ولی عہدہ وولدا اکبر دارا شکوہ۔ وکان مغروراً فی اصول السیاسیۃ الوطنیۃ مفرطاً فی تنفيذ المساوات بین العناصر المختلفۃ۔ ثم قام ولدا الثالث السلطان محی الدین عالمگیر بمنادعۃ وتغلب علیہ۔ فلما تم لہ الامر سعی فی تنظیم السلطنۃ علی اصول الخلافۃ الاسلامیۃ فی سنہ ۱۶۶۹۔ بالاختصار۔

ملکہ شمالی ہند جنوبی ہند میں پہلے حیدر آباد۔ گوکنڈہ میں ابوالحسن تانا شاہ کامرکز تھا جسے سلطان عالمگیر نے ختم کر دیا۔ داواخروزی قعدہ سنہ ۱۰۹۸ھ کو ابوالحسن گرفتار ہو کر دولت آباد کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ سیرۃ المتاخرین کا شیوہ مصنف لکھا ہے: بہت حکام قلعہ گوکنڈہ و جنوبی حیدر آباد ولطافیت آب و ہوائے آن سرزمین زیادہ ازانست کہ دریں مختصر توان نگاشت۔ چوں ابوالحسن زیادہ اندوگیراں بہو و لعب و عیش و طرب و رغبت داشت۔ رواج فسق و فجور دران دیار زیادہ تر شد و عالمگیر کہ در ظاہر خود را بکسوت اہل صلاح مے آراست و تشبہ بتارکین دنیا مے جست۔ شہر

جملہ معترضہ | تعجب اس بات پر ہے کہ یورپ کی قومیں جو پہلے عیسائی تھیں اور آج کل نیچری ہیں۔ قرآن عظیم کا انکار کرتے ہوئے، اس کے معارف سے رہنمائی حاصل کر رہی ہوں۔ اور مسلمان کامل ایمان کا مالک ہوتے ہوئے، یہودیوں کی طرح فقط تلاوت الفاظ پر اکتفا کر دیتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے سامنے کوئی واضح پروگرام نہیں رکھتا۔ اور شیعہ کی طرح کسی بڑے رہنما کا منتظر بیٹھا ہے۔ امام ولی اللہ کا طریقہ مسلمانوں میں اس مرض کی جڑیں اکھڑنے کا ضامن ہے۔

(ج) امام ولی اللہ کے معارف میں موطا امام مالک کی اہمیت اظہر من

البقیہ صفحہ ۱۰۶، مذکورہ اجداد آباد را، ہزار الہام موسوم ساختہ بقتل و خارت، امانی آل و خرابی شہر مذکور پر داخت، و غرض اصلی او تحصیل خزائن نقد و جواہر کہ در سرکار ابوالحسن شہرت میداشت و استیصال اکابر علماء شیعہ و اقیاد حاکم مومنین کہ در آن شہر بودند نیز مقصود او بود۔ (ص ۳۱۹)

اس کے بعد لکھنؤ میں محمد شاہ کے آخری عہد میں مستقل مرکز پیدا ہو گیا۔ اس مرکز سے دہلی پر غلبہ حاصل کرنے کی مسلسل سعی جاری تھی جس کو روکنے کے لئے شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی دیوار کھڑی کی۔ جب عوام شیعہ کے پراپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں تب کہیں انہیں از اللہ الحق پڑھایا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ اہمیت مذکورہ کی پوری تفصیل رسالہ امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف میں دی جا چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ امام ولی اللہ وصیت نامہ میں فرماتے ہیں ”چوں مبتدی قدرت بر زبان عربی یافت موطا بروایت یحییٰ بن عیسیٰ معصودی بخوانانند۔ و بہرگز آن را حطی نگذارند۔ کہ اصل علم حدیث است۔ و خواندن آن فیضها دارد۔ و اما بساج جمیع آن سلسل است۔ بعد ازاں از قرآن حکیم

الشمس ہے۔ امام ولی اللہ نے اُسے اپنے مذاق کے موافق نئی ترتیب سے مدوّن کیا ہے جس کا نام المسوّی من الموطّأ ہے۔ حدیث و فقہ میں یہی کتاب سراج الہند نے حکیم الہند سے پڑھی۔

امام عبدالغفر نے اپنے خاندان نے نوجوانوں کی تربیت میں اُسے قرآن عظیم کے بعد اس میں اول بنایا۔ اس طرح علماء کو اس طرف متوجہ کیا۔ اس کتاب پر پوری توجہ کرنے سے فقہ حنفی میں محققین (یعنی مجتہد منتسب جیسے ابن الہمام) پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کی برکت ہے کہ ہم نے اپنی سیاحت میں مولانا شیخ الہند اور ان کے مشائخ سے زیادہ عقل مند فقہاء، اسلامی ممالک میں نہیں دیکھے۔

ہم نے اہل حرم محترم کو امام ولی اللہ کی کتاب المسوّی پڑھائی۔ وہ اس کی قدر کرنے لگے۔ انہوں نے اُس کو اپنے مطبع میں چھاپا۔ اور اپنے مدارس کے نصاب میں داخل کر لیا

مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا شیخ الہند بہت پہلے زمانہ سے

بقیہ صفحہ ۱۰۷۔ درس گویند باں صفت کہ صرف قرآن بخواند۔ بغیر تفسیر و ترجمہ گوید۔ و در آنچہ شکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود و بحث نماید۔ و بعد فراغ از درس التفسیر جلاہین را بقدر درس بخواند۔ حدیث طریق فیض ہا است۔ ۱۱۰۱

امام ولی اللہ کی کتابوں کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ تکمیل میں داخل کرنے کی ہدایت دے چکے ہیں۔ مگر ابھی تک اس پر عمل کرنے کا زمانہ نہیں آیا۔ اَللّٰہُمَّ اسْتَوْا بِبَنِي وَحْشِيٍّ اِلَى اللّٰہِ۔

امام ولی اللہ قریش کی زبان، اور ان کی معتدل معیشت و معاشرت کو اپنی اولاد میں خاندانی معاشرہ کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔

لے (یہ حصہ وصیت نامہ سے ماخوذ ہے۔ قال اکامام ولی اللہ۔ مامردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آبانے ما بغرب افتادہ اند۔ و عربیت نسب، و عربیت لسان۔ ہر دو فقرہ ما است کہ مارا بسید اولین و آخرین و افضل انبیاء و مرسلین۔ فخر موجودات حمید و علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیما ت نزدیک مے گرداند۔ شکر اس نعمت عظمیٰ آن است کہ بقدر مکان حادثات و رسوم عرب اول کہ منشا، آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم۔ از دست مذہبیم و رسوم عجم و حادثات ہندو را در میان خود گذاریم۔ مہ مقرر الحق) امام ولی اللہ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قیصر و کسری کے تکلفات برباد کرنے کے بعد تعمیری نمونہ بنایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اپنے خاندان کی معیشت و معاشرت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ اس خاندان کی پیروی اگر خاندانی طور پر ان کی اولاد میں قائم رہیں۔ تو وہ ہمیشہ قرآن کے انقلاب کو مکمل کرنے کا نمونہ بن سکتی ہیں۔ اسی لئے شاہ صاحب اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہیں۔ وہ جو انقلابی پروگرام بنا چکے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد آگے بڑھ کر اس میں حصہ لے۔ ان کی طبیعت کو متوجہ کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے خاندانی معاشرہ کو عام اہل زمانہ کے طریقے پر حاصل کرنے کی کوشش کریں حکمت کے اصول پر تعلیم کا آسان قاعدہ ہے۔

امام عبدالعزیز نے اُن کی وصیت پر عمل کر کے مشرقاً ہند کیلئے سرزمینِ داری اور اُس کی ترقی یافتہ صورت، شاہنشاہی کی لعنتوں کا سمجھنا آسان کر دیا۔

جہانگیری اور شاہجہانی عہد کے تنعم کی یادگار رہیں جو افلاس کے زمانے میں اعلیٰ خاندانوں کی ہمت کو گھٹن کی طرح کھا رہی تھیں۔ اُن سے سوسائٹی کو پاک کرنے کے لئے امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ نوجوان کھڑے ہو گئے۔ اور کامیابی سے اس کام کو سر انجام پر پہنچایا۔ ان اصلاح یافتہ خاندانوں کی خواتین کے ایتھار سے ہزاروں مجاہدین کا لشکر کم از کم دس سال تک روٹی کھاتا رہا۔ اور کسی فرعون اور قارون کے آگے سر جھکانے پر مجبور نہیں ہوا۔ درند امیروں کے اندوختہ خزانوں پر تو اوو باش نوجوان اور بد اخلاق عورتیں مسلط رہیں۔

امام عبدالعزیز کی اس تربیت کی دوسری برکت یہ ظاہر ہوئی کہ ہندوستانی اعلیٰ خاندانوں کے ناز و نعمت سے پہلے ہوئے نوجوانوں کا لشکر سندھ کے راستے سے قندھار و کابل ہو کر پشاور کے پہاڑوں اور جنگلوں میں مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

لے لے کے خاندان کے نوجوان مشرقاً دہلی کے دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر رہتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۰) ان میں جو چیزیں پیدا کر دی گئیں وہ دو سب سے نوجوانوں میں طبعی طور پر تاثیر کرتی تھیں۔ لوگ ابھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا اسماعیل شہید سوسائٹی کے ہر طبقے میں جاتے تھے۔ وہ اپنے خاندان کے امام تھے۔ اس خاندان کے نوجوان ان کے پیچھے چلتے تھے۔ جہدِ دہ وعظ کہنے کے فاحشہ عورتوں میں گئے۔ تو مولانا محمد یعقوب دہلوی (متوفی ۱۲۸۲ھ) ہمدرد مولانا محمد اسحاق (متوفی ۱۲۹۶ھ) ان کے پیچھے پیچھے۔ مگر نظر بچا کر جا رہے تھے۔

لے انسان اپنی ضرورتوں سے فارغ نہیں ہوتا تا کہ اُس کا دماغ فراغت سے کوئی اعلیٰ فکر سوچ سکے۔ اس سے ہمیں خود بخود پست ہو جاتی ہیں جب تک خاندان کی زندگی کا بوجھ ہکا نہ کر دیا جائے۔ اولوالعزم طبائع اپنے لئے راستہ نہیں پاتیں۔ وہ خاندان کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور خاندان ان کو ایک لمحہ کے لئے فرصت نہیں دیتا۔

دعاۃ حزب دعاۃ کا سلسلہ امام ولی اللہ کی تنظیم میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ وہ کی زندگی کے پروگرام میں انہی دعاۃ کو امارت کا درجہ دیتے ہیں۔ امام عبدالعزیز نے امیر شہید مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل کو دعاۃ کا نظام قائم کرنے کیلئے سیاحت ہند کے لئے روانہ کیا، دسٹھ ۱۲۳ میں امام عبدالعزیز نے اصلاح و تبلیغ کے دائرے کو وسعت دی۔ ایک جماعتِ تعلیم و تدریس کے لئے دہلی میں مامور فرمائی مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب مولانا رشید الدین خاں (متوفی ۱۲۴۵ھ فوراً) مفتی صدر الدین (متوفی ۱۲۸۵ھ فوراً) اس جماعت کے مقتدر ارکان ہیں۔ دوسری جماعت اطرافِ دہلی میں تبلیغ و ارشاد کے لئے روانہ کی۔ امیر شہید نے ہر دو حضرات منظرِ نگار سہارن پور۔ رام پور۔ بریلی۔ شاہجہان پور وغیرہ کا دورہ کیا۔ تفصیلات سوانحِ احمدیہ میں ملاحظہ ہوں۔ راجہ محمد حمید رشید الدین و صدر الدین نے ابجد العلوم ۱۹۱۶ء و التمسید ۲۱۶ نور الحق ۱۹۱۷ء لوگ دورہ کر کے زمین تیار کر لئے۔ اس کے بعد امام عبدالعزیز نے ان کو حکومت کی امداد قائم کرنے کے لئے مقرر کیا۔ یہ جہاد کریں گے۔ حکومت بنائیں گے (۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو دو سال گیارہ ماہ بعد سید شہید مع اپنے ہمراہیوں کے سفرِ حج سے واپس تشریف لائے۔ ذی الحجہ ۱۲۳۹ھ سے

دینیہ مصنف مثلاً، جہاد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ مولانا محمد اسماعیل و مولانا عبدالحی ترفیب جہاد کے لئے اطراف ہند کا دورہ کرنے لگے۔ جب تقریباً دو ہزار مجاہدین کا اجتماع ہو گیا، تو امیر شہید نے ان کے تین حصے کر دیئے۔ اور کوچ کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ ٹونک کر پٹیا جمیر شریف، پھر دہلی آئے۔ ستمبر ۱۸۵۷ء کے آغاز میں دیوبند، بہارن پور، پانی پت، کرنال، تھانیسرو وغیرہ سے گزرتے ہوئے مالیر کو ٹکڑے پہنچے۔ وہاں سے محدث بہاول پور، حیدر آباد سندھ، شکار پور، جاگن، خان گڑھ، درڈھاوڑ، درہ بولان، پشین قندھار اور کابل سے گذرتے ہوئے براہ خیبر داخل پنجاب ہو کر پشاور تشریف لائے۔ پشاور سے ہشت نگر میں پہنچ کر موضع خویلی میں قیام فرمایا۔ پھر بمشورہ تشریف لے گئے۔ نورالحق، اور دوسری جماعت جو ان کے پیچھے تیار ہو رہی تھی، ان کو دعاۃ کا کام سپرد کر دیا گیا۔ ان میں مولانا ولایت علی (متوفی ۱۳۶۹ھ نور) اور مولانا سید محمد علی رامپوری (متوفی ۱۳۵۵ھ نور) مشہور عالم ہیں۔ تنبیہ، دعاۃ کا نظام شروع سے انوکھ مولانا اسحاق کے ہاتھ رہا ہے۔ سوانح احمدیہ کے مصنف نے امیر شہید کے مناقب اس طرح بڑھا چڑھا کر لکھے ہیں، کہ مولانا اسحاق کی شخصیت گم ہو گئی ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے، کہ مولانا ولایت علی نے مولانا اسحاق کے بالمقابل اپنی پارٹی بنائی۔ اور سوانح احمدیہ کا مصنف اس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کے قلم سے بعض واقعات ایسے نکل گئے ہیں جن سے ہمارے مطلب پر روشنی پڑتی ہے۔ مولانا محمد اسحاق نے ایک ہنڈی بیچ تا بھیجی۔ وہاں وہ وصول نہ ہو سکی۔ اسکی بازیت کے لئے سید محمد پر عدالت حالیہ آگرہ میں دعویٰ کیا گیا۔ اور ڈگری مولانا محمد اسحاق کے نام ملی، مولف سوانح احمدیہ نے یہ واقعہ اس لئے لکھا۔ کہ یہ تحریک برطانوی گورنمنٹ کے خلاف نہ تھی۔ براہ دور اندیشی شیخ غلام علی رئیس اعظم الہ آباد کی معرفت گورنر اضلاع شمالی و مغربی کو اس تیاری جہاد کی اطلاع دی گئی۔ جس کے جواب میں گورنر نے کہا، جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ہم ایسی تیاری سے مانع نہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ سوانح احمدیہ میں موجود ہے۔ ہم اسی ایک واقعے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اگر روپیہ روانہ کرنے کا انتظام شاہ اسحاق کے ہاتھ میں نہ ہوتا۔ تو عدالت میں وہ دعویٰ کس طرح کر سکتے تھے؟ اور ڈگری کس طرح لے سکتے تھے؟

بقیہ صفحہ ۱۱۲ جب مولانا محبوب علی (متوفی ۱۸۸۵ء) مجاہدین کے مرکز سے واپس دہلی پہنچے اور انہوں نے اس تحریک کے مخالف پروپیگنڈا شروع کیا۔ ذکر یہ تحریک جہاد سرے سے بے سود اور غلط اقدام ہے وغیرہ وغیرہ) تو سوانح احمدیہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کی کوششوں سے یہ فتنہ دبا اور اثر باطل دور ہوا۔ اور قاتلوں کی روانگی باقاعدہ شروع ہو گئی۔

دعا مسجدوں میں وعظ کرتے ہیں۔ خاندانوں کے پاس کچھ اندوختہ نہیں جو رتیں اپنا نڈر دے کر ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اس کے ثبوت میں مدراس کے خان عالم کی بہو کا واقع سوانح احمدیہ میں موجود ہے۔

خود ہمیں اپنا تجربہ ہے۔ کہ دہلی میں ہم نہایت تنگ حالی سے پہنچے۔ مولانا شیخ الہند کے حکم سے کام شروع کر دیا۔ ہمیں ڈاکہ کے شریف خاندانوں کی خواتین سے روپیہ ملتا رہا ہے۔ اُس کے بعد نواب سلطان جہاں بیگم کے دو سو روپیہ ماہوار عطیہ سے ہم دہلی میں بیٹھ سکے۔

اس سے پہلے ہم نے جب سندھ میں مولانا شیخ الہند کے ارشاد پر سلسلہ میں کام شروع کیا تو جناب پیر صاحب العلم کے خاندان کی محترم خاتون نے اپنا سنہری ہار، عقد، بھجوریا، نیز، بھرت کابل کے موقع پر شیخ عبدالرحیم ندوی کی بیوی اور ان کی لڑکیوں نے اپنا تمام سنہری زیور بھجوریا کے لئے زاد راہ عطا کیا۔ اور کوڑھ تک ہمیں پہنچا کر نقدی و ماں ہمارے حوالے کی۔ مولانا غلام فیض محمد (محمد نورانی۔ بعد عصر۔ نومبر ۱۹۴۱ء)

۱۸۷۵ء میں آپ کا ایک نوادہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی ہیں۔ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ فتح علی صاحب کے بیٹے اور رفیع الدین حسین خاں صاحب کے نواسے تھے۔ جو محبوبہ بہار کے ناظم ورہیس تھے۔ آپ نانا کے بڑے لاڈلے تھے۔ ہر وقت ریشمی یا زریں لباس باڈا کے کی جلدانی اور تن زیب کا جوڑا زیب تن رہتا تھا۔ اور خوشبو و عطر سے معطر رہتے تھے۔ انگلیوں میں سونے کی انگشتریاں اور پھلے ہوتے۔ لکھنؤ میں تھے تو وہاں کے شوقین خوش پوش رنگین مزاج نوجوانوں میں آپ کا شمار تھا۔ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی حضرت مصعب بن عمیر

امام عبد الغفر نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے تربیت یافتہ افراد سے جمعیت مرکز بنائی جس میں پہلے اپنے تئیں بھائیوں مولانا رفیع الدین، مولانا عبد القادر، مولانا عبد الغنی، کو رکھا۔ سب چھوٹے مولانا عبد الغنی پہلے (۱۳۲۷ھ میں) فوت ہو گئے۔ اس لئے اہل دہلی اُن سے یاد و آشنا نہیں ہوئے۔ مگر حضرات ثلاثہ کا لفظ اہل دہلی کی زبان میں امام عبد الغفر اور اُن کے دو بھائیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس جمعیت کی سعی سے نوجوانوں کی دوسری جماعت تیار ہو گئی۔ اس جماعت کے سرکردہ بھی تین یا چار بزرگ تھے (۱) مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا عبد الغنی کے صاحبزادے (۲) مولانا عبد الحی دہلوی مولانا نور اللہ کے پوتے اور امام عبد الغفر کے داماد (۳) مولانا محمد اسحاق۔ امام عبد الغفر کے نواسے (۴) مولانا محمد یعقوب دہلوی متوفی ۱۳۸۲ھ مولانا محمد اسحاق کے بھائی (امیر شہید اس خرب کے ساتھ منضم کئے گئے۔)

(بیۃ صفحہ ۱۱۳) ک طرح کیفیت بدل گئی۔ اب وہ لکھنؤ اور عظیم آباد کے ہائے نوجوان نہ تھے۔ بلکہ صاحب کی جماعت کے ایک جناکش مزدور اور معمولی خادم تھے۔ رائے بریلی میں مولانا شہید سے حدیث پڑھتے اور آپ کی جماعت کے نائب تھے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور سر پر اٹھا کر لاتے۔ اور اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے مٹی گائے کا کام کرتے۔ سیرت سید احمد شہید ص ۱۵۱ نور الحق لے سید احمد بریلوی امیر شہید مولانا عبد الحی۔ مولانا شہید اور مولانا اسحاق کے شاگرد ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۱۴) اُن کی تربیت شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کی صحبت میں مکمل ہوئی۔ امام عبدالعزیز ہی نے سید صاحب کو امیر خاں نواب ٹونک کے لشکر میں بھیج کر انقلابی کام شروع کرنا چاہا۔ امیر خاں نواب مرحوم کے لشکر میں چھ سال سے زائد رہے۔ جب نواب امیر خاں کی انگریزوں سے صلح ہو گئی۔ جو سید صاحب کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ تو سید صاحب نے امام عبدالعزیز کو ایک خط لکھا۔ اس کے چند جملے نقل کرنے سے ہمارے مطلب پر روشنی پڑے گی۔ آپ نے لکھا: خاکسارِ قدیم بوسی کو حاضر ہوتا ہے۔ یہاں لشکر کا فارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے۔ اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سیرت ۱۔

(تبدیلی، ہمارے زمانے کے مورخین نے اس تحریک کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں۔ وہ سید صاحب کا تعلق امام عبدالعزیز سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ اور امیر شہید کو ایک حدیثی منتظر کے درجے پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اُن کی حقیقت سے غفلت برتی جاتی ہے اُن کا درجہ اس سے زائد نہیں کہ وہ شاہ عبدالعزیز کے کارکن اصحاب میں سے ایک رکن تھے۔ ایک مبعرب امیر شہید کی سوانح حیات پر غور کرتا ہے۔ تو اس میں شاہ عبدالعزیز کی تدبیر ہی کو کام کرتے دیکھتا ہے۔ مذکورہ بالا خط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے سید صاحب کو خاص پروگرام دے کر امیر خاں کے لشکر میں بھیجا تھا۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز کے پہلے شاگرد۔ اُن کے ہر دو بھائی۔ رفیع الدین عبدالقادر اور مولانا عبدالحی ہیں۔ جناباںات قدرت میں سے ہے۔ کہ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی بترتیب معکوس آپ کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ پہلے شاہ عبد الغنی پھر شاہ عبدالقادر پھر شاہ رفیع الدین۔ اگر شاہ عبدالعزیز کے بعد وہ زندہ رہتے تو شاہ رفیع الدین اور پھر شاہ عبدالقادر اُن کے قائم مقام مانے جاتے۔

شاہ صاحب کے تلامذہ کے دوسرے طبقے میں مولانا اسماعیل اور مولانا اسحاق وغیرہ ہیں آپ سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے۔ الحمد للہ الذی دھب لی علی الکبراہ اسماعیل و

بقیہ صفحہ ۱۱۵-۱۱۶: شاہ عبدالغفر نے سیاسی قوت پیدا کرنے کے لئے ایک جماعت مخصوص کر دی اس میں امیر شہید مولانا شہید مولانا عبدالحی سمجھنے چاہئیں۔ سیاسی قوت کے غلبہ کے بعد جو جماعت نظام پیدا کرنے کے لئے درکار ہوگی۔ ہم آج کی اصطلاح میں اس کو وزارت داخلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے شاہ اسحاق کو موزوں قرار دیا۔ اور اپنی مسند پر ان کو بٹھایا۔ ہم سید صاحب کی جماعت کو وزارت حربیہ۔ اور وزارت خارجہ کے مجموعی سے زیادہ درجہ دینا نہیں چاہتے۔ حکومت کا نظام قائم کرنے میں جو مرتبہ وزارت داخلہ کا ہے۔ اس کو سمجھنا چاہئے جیسے بدن میں خون۔ انقلاب کا کوئی امام فقط لڑنا اور باطل کو شکست دینا اپنا کمال نہیں سمجھتا۔ وہ اس باطل نظام کو شکست دے کر اس سے بہتر نظام پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے بنا بریں امام عبدالغفر نے اس تقسیم کی فقط وہی لوگ قدر کر سکتے ہیں جو اناز کرم سے آگے حقیقی انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

امام عبدالغفر نے شاہ ولی اللہ کی اعلیٰ سیاست سے علیحدہ ہو کر فقط ہندوستان میں ان کے طریقے کو منظم بنانا مقصد حیات بنایا۔ اور اس میں کامیاب ہوئے۔ اسی طرح شاہ محمد اسحاق نے امام عبدالغفر کی اس سیاسی مصلحت سے علیحدہ ہو کر ان کے نظام کو ہندوستان میں قائم رکھنا اپنا مقصد حیات بنایا۔ ۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالغفر کا انتقال ہوا۔ اسی سال سید صاحب اور ان کے رفقا (مولانا اسماعیل۔ و مولانا عبدالحی وغیرہ) نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ ۱۲۴۲ھ میں سید صاحب کی امامت پر اجماع منعقد ہوا۔ اور وہی اختلافات کا منبع بن گیا۔ چار سال تک سیاسی جدوجہد جاری رہی۔ ۱۲۴۶ھ میں یہ لوگ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ اس زمانے میں شاہ اسحاق ان کو روپیہ اور آدمی بھیج کر مدد دیتے رہے۔

قلت وانتقلت امامۃ الحزب الدہلوی بعد وفات مولانا محمد اسحاق (۱۲۴۶ھ)
الی اخیه الشیخ محمد یعقوب الدہلوی المکی (لمتوفی ۱۲۸۲ھ) ولد الشیخ
محمد یعقوب شقیق الشیخ محمد اسحاق۔ ۱۲۸۰ھ۔ وقد بشری بولادتهما

(بقیہ صفحہ ۱۱۶) و بھجرتھما الی الحجاز الامام ولی اللہ۔ قال الشیخ محمد عاشق
فی القول الجلی حضرت شاہ ولی اللہ فرمودند: آگاہی آمد این فرزندان کہ لطف الہی ایشاں
را بہا عطا کردہ است۔ ہمہ سعدا اند۔ نوعی از ملکیت در ایشاں ظہور خواہد کرد۔ لیکن تدبیر
غیب تقاضاے کند کہ دو شخص دیگر پیدا شوند۔ کہ در مکہ و مدینہ سالہا احیاء علوم دین نمایند
و ہماں جا وطن اختیار کنند۔ از طرف ما در نسب ایشاں بہا ممکن باشد۔ زیرا کہ آدمی زاوہ
بوطن ما در بمیلان طبع دارد۔ و انتقال جماعت کہ والدہ ایشاں ممکن باشد۔ بسر مدینہ مستحیل
است۔ مگر بہ قسرتا سرزد۔

قال الامیر القنوجی بعد ذکرہ حکیناۃ من القول الجلی۔ محمد رسول
گوید کہ مصداق این آگاہی سوائے ہر دو نواسر حضرت شاہ عبد الغفریہ کہ مولانا محمد اسحاق و
مولانا محمد یعقوب اند۔ بظاہر معلوم نمی شود۔ کہ ایشاں از دہلی وطن خود ہجرت نمودہ۔ در مکہ
اقامت فرمودند و سالہا سال با حیا و روایت حدیث باہل عرب و عجم پرداختند۔ م۔ قلت
لیس معنی احیاء العلوم مقتصرًا علی روایت الحدیث فقط بل یشتمل
الدعوة الی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر والدعوة الی الحجاد
ولا علاء کلمۃ اللہ۔ کانا مشغولین بالاحیاء لعلوم الدین بهذا المعنی
الی اخرجنا یتھما۔ والشیخ محمد یعقوب اخذ عن جدہ الامام
عبد الغفریہ عن اصحابہ الکبار عمومًا وعن الشیخ محمد اسحاق
خصوصًا۔ اخذ عند الشیخ مظفر حسین کاندھلوی والامیر امداہ اللہ۔
و شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم من ساطین الطائفتہ الدیوبندیہ
توفی الشیخ محمد یعقوب فی ۲۸ ذی القعدہ ۱۲۸۲ سہ فکان تاسیس
المدارستہ الدیوبندیہ فی ۱۵ محرم ۱۲۸۳ سہ ومن بعد ذلک سمي الخریب الدھلوی
بالتائفة الدیوبندیہ۔ کتاب التہذیب ۲۱۵ ۱۲

خواص کی ان جماعتوں کو تیار کرنے کے ساتھ امام عبدالعزیز نے عوام کو اپنے مقاصد سے آشنا کرنے کے لئے ہر ہفتہ میں دو دن وعظ کتنا شروع کیا جس پر آپ آخر عمر تک عمل کرتے رہے اس طرح عوام میں متقل بیداری اور خواص کو وعظ کے ذریعہ سے تربیت فکری کا طریقہ سکھاتے رہے۔

امام عبدالعزیز سے تربیت پا کر ان کے داعی اطراف ہند میں پھیل گئے۔ اس زمانے کے ایک عالم نے اس لئے سیاحت کی کہ اُسے علم حدیث کا کوئی ایسا استاد ملے جو امام عبدالعزیز کا شاگرد نہ ہو۔ مگر ہند میں اُسے ایک مدرس بھی ایسا نہ ملا:

امام عبدالعزیز کے ساتھ ان کی جمعیت مرکزیہ کے ہر دو طبقوں نے انہی کے منہاج پر خواص اور عوام کی تربیت کے لئے مختلف کتابیں لکھیں:

لے ہفتہ میں دو بار ہنگل اور جمعہ کو دہلی کوچہ چلیاں۔ پرانے مدرسہ میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی جس میں خواص و عوام مور و مخ سے زیادہ جمع ہو جاتے تھے۔ مخالفین کے اعتراضات تقریریں سننا منع ہو جاتے تھے، طرز بیان ایسا دلکش تھا کہ ہر مذہب کا آدمی مجلس وعظ سے خوش ہو کر اٹھتا تھا۔ آپ کی کوئی بات کسی کو گراں نہ گذرتی تھی۔

اس کے ساتھ پابندی کا یہ عالم تھا کہ اشد ادمرض کے زمانے میں جب ان کے وعظ کا دن آیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ مجھے اٹھ کر بیٹھا دو۔ اور دو آدمی موٹے پکڑے رہو۔ لیکن جب بیان کرنا شروع کروں تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد کی تعمیل ہوئی اور آپ

الف، خواص کے لئے امام ولی اللہ کے فلسفہ کی تشریح میں مولانا رفیع الدین نے اسرار المحبتہ اور تکمیل الاذقان کے ساتھ مختلف رسائل لکھے۔ حملہ العرش کی تحقیق میں اُن کا ایک رسالہ اس قدر اعلیٰ فکر و تیار ہے۔ کہ امام عبد العزیز نے وہ رسالہ اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔ ایسا ہی تفسیر آریہ نور میں اُن کا رسالہ بے نظیر ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۸) نہایت اطمینان سے غلط کہتے رہے۔ گلوب و لوج میں ناقوانی اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن استقلال ویسے ہی رنگ بھائے ہوئے تھا۔ ۱۰۰ ش۔ م ۳۲۱ ۴

لے یہ عالم دراصل غیر ہندوستانی ہیں۔ نام یاد نہیں ہے۔ ۴ نور الحق

مولانا رفیع الدین کی تصانیف | اسرار المحبتہ کا ایک قدیم نسخہ پرنسپل مولوی عبد شفیق صاحب داور ٹیل کالج لاہور، کی

لائبریری میں موجود ہے۔ گذشتہ ماہ اگست ۱۹۱۱ء میں خاکسار راقم نے اس سے استفادہ کیا۔ نقل بیٹے کا ارادہ تھا۔ لیکن ناگہان بیمار پڑنے کے باعث یہ کام سرانجام نہ پاسکا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرًا۔ رسالہ مذکورہ میں یہ دکھایا ہے۔ کہ محبت سب اشیاء میں ساری ہے۔ اور قرآن حکیم کی جس قدر باتیں محبت کے متعلق تھیں۔ اُن کو ساتھ ساتھ حل کرتے جاتے ہیں۔ اس مضموع پر صرف فارابی اور بوعلی سینا نے کچھ لکھا ہے۔ بوعلی سینا کا قصیدہ اُن کے پیش نظر ہے۔ یعنی تھبٹ الیاء من المكان الا دفع الخ۔ اس کے جواب میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا۔ جس کا مطلع یہ ہے عجباً لشیخ فیلسوف المعی خفیت علیہ مناداة من مشرع۔ مقطع یہ ہے۔ ثم الصلوة البیہ والہ والحمد للہ ا لعلی الارفع۔ رسالہ محبت کے تین جز ہیں تحصیل۔ تزییل۔ تفصیل۔ دیکھو

عبد العلوم ص ۲۵۴

خواص کے لئے مولانا محمد اسماعیل شہید نے "حقیقات" لکھی جس میں شیخ
محمی الدین بن عربی دستوفی ^{۶۳۸} سنہ نور اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی دستوفی
^{۶۳۲} سنہ نور کی تحقیقات سے مقابلہ کر کے، امام ولی اللہ کی حکمت کا تفوق دکھایا

(بقیہ صفحہ ۱۱۹) (۲) رسالہ تکمیل الاذعان کا اکثر حصہ ابجد العلوم میں آچکا ہے۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲ تا
۳۲ و ۳۵ تا ۴۶ بالفاظ دیگر حصہ منطق کے ماسوا ساری کتاب ابجد میں آگئی ہے اس کتاب کے
مختلف نسخے حسب ذیل مقامات پر موجود ہیں:-

۱۔ پیر صاحب العلم سندھ کی کتابخانہ میں اس کا ایک نسخہ تھا جس سے راقم عاجز نے اپنا نسخہ نقل
کیا۔ اور نسخہ منقولہ اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ (۲) حاکم عبد الغفریہ ولد مولوی احمد صاحب بہاولپور
(۳) مولوی عبد التواب ملتان (۴) مولوی عبد الغفریہ یا مولوی عبد التواب کے نسخے سے مولانا محمد الدین
صاحب سابق بیڈ مولوی اور ٹیٹل کالج نے اپنا نسخہ نقل کرایا۔ (۵) مولوی سلطان محمود ملتان۔ شاہ
رفیع الدین کی تصانیف کی ایک عام خصوصیت شیخ عمن نے بیان کی ہے۔ یہ بیان کی ہے کہ ان میں
بکثرت رموز خفیہ درج ہوتی ہیں جن پر یہ شکل اطلاع نصیب ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ وہ فتوے سے
الفاظ میں جہان معنی آباد کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں خصوصیتیں تکمیل الاذعان میں نمایاں
ہیں۔ کتاب مذکور میں چار باب ہیں منطق، فن تکمیل۔ امور عامہ تطبیق الآراء۔ ایسی جامع کتاب ہے
نہیں لکھی گئی۔

۳۔ رسالہ حلالہ العرش کا تذکرہ شیخ عمن نے یا ثع جہی میں کیا ہے۔ تفسیر غزیری مطبوعہ بیروت میں
تفسیر سورۃ الواقعة آیت و یحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية شاہ عبد الغفریہ نے وہ رسالہ
نقل کروایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ برادر فضائل المؤمن کائنات آگین شیخ محمد رفیع الدین سلمہ اللہ و زادہ
فی الدنیا والدین فتوحاً و بركاتاً۔ متواتراً و متوالیاً۔ در بعض تصنیفات خود جنس نوشتہ
اند کہ حلالہ العرش ہے باشند کہ حامل کالات اربعہ النبیہ اند یعنی ابرار و خلق و تدبیر و تدلی المزمع
مگر گمان غالب یہ ہے کہ منقول شدہ عبارت رسالہ مذکورہ کا نقل ہے۔ پورا رسالہ نہیں جو اللہ اعلم ۱۲۔ عمدتہ الحق۔

دب عوام کے لئے مولانا رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ) نور نے قرآن عظیم کا لفظی ترجمہ ہندی میں کیا جس کی مدد سے دہلی کے عوام مولانا عبدالغفریہ کے مخطوط سے پورے مستفید ہوتے رہے۔

مولانا عبدالقادر (متوفی ۱۲۳۰ھ) نور نے قرآن عظیم کا با محاورہ ترجمہ لکھا موضح القرآن کے تشریحی ارشادات آج تک محققین علماء کے لئے بصیرت افزا بن رہے ہیں:

مولانا عبدالحی نے لغات القرآن لکھی مولانا محمد اسماعیل نے اپنی عربی کتاب "ماد الاشرار" کا ترجمہ تقویۃ الایمان لکھا۔ یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی تو ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا مولانا محمد تقی نے مشکوٰۃ کا ہندی میں ترجمہ کیا:

تفسیر آیہ نور | شیخ عمن نے یافعی میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔
تفسیر آیت اللہ نور السموات والارض
میں رسالہ مطبوعات از حکیم الامت والی اللہ موجود ہے۔ شاہ رفیع الدین کا یہ رسالہ اسی کی تکمیل ہے۔
دوسرے حکماء اس مسئلے کو کس طرح حل کرتے ہیں۔ وہ سب اقوال اس میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس
میں ایک نئی بات یہ ہے کہ پہلے حکماء کے چار فرقے بیان کئے جنہوں نے حق تعالیٰ میں نبی کی
ہے۔ پانچویں فرقہ کا امام اپنے والد کو لکھا ہے کہتے ہیں۔ ہوا عدم فکروا جمعہم عندنا۔
یعنی فکر وسیع اور جامعیت رکھتے ہیں۔ چہر ہر مسئلے میں پانچویں مذہب علیحدہ و علیحدہ نقل کرتے جاتے

(بقیہ صفحہ ۱۲۱) ہیں۔ وہ مذاہب حسب ذیل ہیں سلف اہلحدیث، متکلمین، صوفیہ کرام، حکماء و شراعیہ و مشائخ، یہ چاروں فرقے حقائق اشیاء یعنی ان کی حکمت سے بحث کرتے ہیں۔

۵۔ امام ولی اللہ کا مسلک ان سب کا مجموعہ - اتم - ایقن ہے۔ رسالہ مذکورہ کا ایک نسخہ ریاست ہما و پورہ - احمد پور شرقیہ - مولوی عبدالعزیز ولد مولوی احمد صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ہمارے پاس بھی مکہ معظمہ میں اس کی ایک نقل پہنچی۔ معلوم نہیں کہ ہماری کتابوں کے ساتھ اس کو بھی ہندوستان لایا گیا ہے یا نہیں۔

لے واضح ہے کہ اس زمانہ میں اردو کو عموماً ہندی ہی کہا جاتا تھا۔

۶۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے متعلق واقعات دہلی ۵۸۵ھ میں مذکور ہے کہ یہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں ہوا شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کا ایک ایڈیشن مطبع مفید عام اگرہ میں نواب شاہ جہان بیگ صاحبہ ایچہ بمبھوپال کے حکم سے چھپا تھا۔ اس میں شاہ عبدالقادر کا دیباچہ بھی دیا ہے۔ فرماتے ہیں: "اس بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالحکیم دہلوی فارسی ترجمہ کر گئے ہیں۔ سہل و آسان۔ اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے۔ الحمد للہ ۱۲۰۵ھ میں میسر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے بعض فوائد موضح القرآن کے تاریخی نام سے لکھے۔ اس سے بھی ۱۲۰۵ھ حاصل ہوتا ہے۔

تنبیہ: اس عبارت سے خیال گزرتا ہے کہ شاہ عبدالقادر اپنے بھائی کے اردو ترجمہ سے مطلع نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ شاہ رفیع الدین نے اسی سال یا اس کے بعد ترجمہ لکھا۔ ۷۔ فور۔ بعض پرانے ثقات سے سنی ہوئی بات ہے کہ شاہ رفیع الدین نے صرف چند سورتوں کا ترجمہ کیا۔ اور مولانا عبدالحی نے پورا کیا۔ وہ نول ترجموں پر مولوی نذیر احمد نے اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ وہاں ملاحظہ ہو۔ ۸۔ نور الحق

۹۔ لغات القرآن از مولانا عبدالحی دہلوی۔ فارسی زبان میں ہے۔ طبع ہو چکی ہے یہیں طاب علمی کے زمانہ میں دیوبند میں مفت تقسیم ہو کر ملی تھی۔ کمرات کو حذف کر کے وہ اعلیٰ ترتیب شکل افاد

(بہت صفحہ ۱۲۲) کا ترجمہ فارسی میں دیتے جاتے ہیں۔ مثلاً لارایب فیہ میں لارایب کا ترجمہ متعین کے
 معنی علیٰ ہذا القیاس، اس طرز سے لغت یاد ہو کر قرآن عظیم کا سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔
 یعنی اس میں شرکیہ رسوم کا اثر نہ آنے پاتا۔ حقیقی طریقہ ہندوستان کی پرانی سیدکاویں سے
 بہت مناسب رکھتا ہے۔ اگرچہ تعلیم ایک ہندوستانی مسلم العظرة کو ملتی۔ تو وہ دوسری قوموں سے
 اسلامیت میں بہت لگے بٹھ جاتا۔ یہیں محسوس ہوتا ہے کہ ہندو سے جب علوم خراسان آئے۔ تو
 وہ لوگ تشبیہ و تحمیل کے بھگڑوں میں اس قدر پریشان ہوئے کہ اسلام کی صحیح تعلیم سے بچے رو گئے۔
 ہندوستانی تعلیم الہی کے مسئلے کو بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور حقیقی طریقہ بھی اسی تعلیم الہی کے ذریعہ
 ساری علوم و اسرار معرفت الہی سکھاتا ہے۔ تعلیم کے مسئلے کو خراسانیوں نے نہیں سمجھا۔ اس لئے مسلمانوں
 کو بہت بچے وال دیا گیا۔ قرآن عظیم ان کی ذہنیت سے منطبق ہی نہیں ہوتا۔ جب تک وہ اس کی کوئی
 تاویل نہ کر لیں جو فیر کرام کے وجود نے اس مصیبت کو کم کرنے کی یقیناً کوشش کی ہے۔ مگر وہ صاحب
 بیان نہیں کہ علماء ان سے استفادہ کرتے۔ وہ صاحب حال میں بدلے شک جو ان کی محبت میں پہنچ گایا
 قال الشیخ عم فیضہم فی کتاب التہمید ص ۲۱۸۔ وکتاب فی التوحید کنت قرأتہ
 قبل اظہار الاسلام و نفعنی اللہ بہ فی فہم رد الاشرار الحقی ص ۱۸ سبباً لاہندائی
 بالاسلام۔ قال امام محمد اسمعیل شیخی و امامی۔ انی احبہ کثیراً مثل ما یحب الناس
 ائمتہ من اہلہم۔ استشهد فی ۲۶ ذیقعد ۱۲۲۶۔ محمد نور الحق۔ ص ۴۰۔ نومبر ۱۹۴۱ء۔
 ۱۵۰۰ صدر اکھید مولانا محمد اسمحاق الدہلوی ثم المکی۔ قال الشیخ محسن
 فی الیائتہ الجنی۔ ہومن اصحاب الامام عبدالغنی ابن بنتہ اخذ عن جد عبد العزیز
 و جلس بعدہ مجلسہ۔ وکان معروفاً بالعلم والودع۔ و یقال اند ولد علی التقوی۔
 ترجمتہ للمشکوۃ معروفہ مرغوب فیہا۔ ہاجر الی مکہ و اقام بها سنین ثم توفی
 سنہ ۱۲۶۶۔ قلت و ترجمتہ الشیخ للمشکوۃ قد دہجھا الشیخ قطب الدین الدہلوی
 تلمیذہ فی مظاہر الحق شرح المشکوۃ۔ فصارت نفعہ عاماً و الشیخ قطب الدین

۲۷ امام عبدالعزیز کی تعلیم و ارشاد کا اثر حجاز سے گذر کر استانبول پہنچا۔ غالباً
 شیخ خالد کروی اس کا واسطہ بنا جس نے مولانا غلام علی کی خدمت میں سلوک
 کی تکمیل کی ہے اور مولانا محمد اسماعیل شہید کی صحبت کے توسط سے امام عبدالعزیز
 سے مستفید ہوا۔ خالد کروی کا ایک شعر مشہور ہے۔ کہتا ہے کہ میں علماء خراسان کی
 خدمت میں پھرا لیکن طبیعت مطمئن نہ ہوئی۔ اور وہی میں مولانا غلام علی کچھ خدمت
 میں جانے کا ارادہ کیا۔ تو وہ لوگ مانع ہوئے مگر میں ان کے اثر میں نہیں آیا
 بدہی ظلمت کُفر است۔ گفتند و بدل گفتم
 بظلمت رو اگر در جستجوئے آب حیوانی

خالد کروی کے شیخ طریقت مولانا غلام علی بھی امام عبدالعزیز کے اصحاب میں سے تھے۔
 استانبول کے علماء کی طرف سے امام عبدالعزیز کی خدمت میں دعوت نامہ آیا
 کہ اگر آپ آستانہ تشریف لائیں تو یہاں کی تمام علمی جماعتیں آپ کی سیادت میں کام
 کریں گی۔ مگر امام عبدالعزیز نے اپنے والد ماجد امام ولی اللہ کے ہندی کام کی تکمیل
 سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کیا۔

بقیہ صفحہ ۱۲۳۔ ہو خلیفۃ الشیخ محمد اسحاق صاحب التصانیف الکثیرۃ۔ مکمل جامع الفقائیر
 و مظاہر حق۔ و ظفر جنیل و غیرہا۔ و کان من خواص اصحاب الشیخ محمد اسحق و ترجمتہ
 للمشکوۃ و مجہا النواب فی شرح المشکوۃ۔ و نفع اللہ بہ کثیراً من عبادہ توفی الشیخ
 قطب الدین بالمدینۃ المنورۃ سنۃ ۱۲۸۹ ھ تہید ۲۱۴۔

احادیث صحیحہ ۴۴۴ لے یہ روایت زبانی ہے اور مشائخ دیوبند میں متواتر چلی آتی ہے کیونکہ مولانا دہلوی
 صاحب کی وغیرہ کا ادھر تعلق تھا۔ دعوت نامہ میں ایسے الفاظ ہیں کہ ہم آپ کی کفش برداری کو غفر کھتے
 ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی اشاعت السنۃ میں خالی اس کے متعلق کچھ مواد مل سکے۔

شیخ خالد کردی | حضرت شیخ غلام علی (عرف عبداللہ) مجددی نظری مجتہد مائتہ ثالث عشر
 شمار ہوتے ہیں۔ دہلی کی خانقاہ مجددیہ انہیں کے نام سے آباد ہے آپ
 کی ذات سے اس قدر فیض جاری ہوا کہ بقول شاہ عبدالغنی محدث دہلی شاید ہی اگلے مشائخ میں کسی
 سے اس قدر فیض ہوا۔ ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف
 ایک شہر انبالہ میں آپ کے پچاس خلفائے آپ ہی خلیفہ شیخ خالد کردی تھے جن کے مناقب میں
 علامہ شامی نے مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام مسل الحسام الہندی لقصصہ
 مولانا خالد النقشبندی ہے۔ یہ رسالہ معر میں طبع ہو چکا ہے ۱۳۲۴ء میں ان کا براہ ایران
 پورے ایک سال کے سفر کے بعد واپس پہنچا۔ اور شاہ غلام علی کی خدمت میں پہنچ کر فیضیاب ہونا اور
 قطب ارشاد بن کر واپس وطن جانا اور وہاں مرجع خاص و عام ہونا مفصل ذکر کیا ہے۔ وقال
 فی ذلك ليلة دخوله بلدة دہلی انشاء قصيدة طنائت فی ذکر دقائم السفر
 ونخلص الی مدح شیخہ۔ مطلعہا۔

کملت مسافۃ کعبۃ الامال حمدًا لِمَنْ قَدَّ مِنْ بَالِ کمال
 مَنْ نَوَّرَ اَفَاقَ بَعْدَ ظَلَامِهَا وَهَدَىٰ جَمِيعَ الْخَلْقِ بَعْدَ ضَلَالِ
 اعنی غلام علی القرم الذی من تحفظ بحی العظام البالی

ذکر القصیدۃ یکمالہا فی الیائے الجنتی۔ قال الشیخ مراد القزانی
 فی ذیل الرشحات: ولد الشیخ غلام علی شہ فی قصیدۃ بآلہ۔ یتصل نسبہ
 بسیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔ ولما وصل الی مولانا مظهر شہ واطب علی
 الاخذ منہ الی خمس عشرة منۃ۔ وتوجه الطالبون الیہ من جمیع البلاد

(بقیہ صفحہ ۱۲۵) وقد انتشر الاخذون عندي جميع اقطار الارض شرقاً وغرباً و
عجماً. وعما يارتوفي الشيخ غلام علي نسبه. قلت كان الشيخ عبد الله من كبار
اصحاب الامام عبد العزيز الدهلوي.

والشيخ خالداً يتصل نسبه بسيدنا عثمان من طريق ابيه. وامه من
السادات العلوية. اخذ عن الشيخ عبد الله الدهلوي الطريقة النقشبندية
المجددية. ثم اجتمع اخيراً بالنشأ عبد العزيز بن النشأ ولي الله الدهلوي.
ملك العلماء في عصره. وذلك بإشادة شيخه. فأجازته بجميع ما يجوز له من روايته
توفي سنة ۱۲۴۲. قاله الشيخ مراد القزافي في ذيل الملاحظات كتاب التقييد
ص ۲۱۹ و ۲۲۰.

شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے شیخ خالد کا ایک فارسی قصیدہ نقل کیا ہے جس کے اسٹھ
شعر ہیں. مطلع اور زمین کا خطہ ہوسے

خبر از من دیدگان شاہ خوباں را بہ پہنانی
شیخ کی مدح میں کہتے ہیں۔

امام اولیا سیاح بیدائے خدا بینی

ہمیں راہنمایاں شمع جمع اولیاء دین

چرخ آفرینش مہربان دانش و بینش

امین قدس عبداللہ شہ کز التفات او

مقلع زجام فہمین خود کن خالد در ماندہ را سیراب

اسی قصیدہ کا وہ شعر ہے جو متن میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ہمارے

مدنی اپنے رسالہ تذکرہ حضرت شاہ غلام علی میں لکھتے ہیں مولانا خالد شہر زوری کردی در علماء ہند

فے الجملہ مدح حضرت شاہ عبدالغنی نے نمودند۔ پیش م ۱۳۱ ۱۲ محمد نور الحق

الف جن لوگوں نے امام ولی اللہ امام عبدالعزیز اور ان کے رفقا کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ وہ حزب ولی اللہ کے امتیازی خواص ابھی طرح نہیں سمجھ

(بقیہ صفحہ ۱۲۶) میں نے مکہ معظمہ میں خالد کردی کے مطبوعہ مکاتیب دیکھے۔ سال بھر میں ایک بار وہ دہلی خط لکھا کرتے تھے۔ اور حجاج کی معرفت پہنچانے کا انتظام تھا۔ خط میں مولانا محمد اسماعیل رشید کا تذکرہ اس طرح کرتے جیسے کوئی کسی کا صدیقِ قیم ہو۔ ساتھ ہی شیخ خالد مولانا شہید کے علمی ترقی کا بھی بہت زیادہ تعریف ہے۔ ان خطوط میں حضرات ثلاثہ کی اصطلاح خاص طور پر برتی جاتی ہے۔ مگر غرض یہ ہے کہ گویا، استنبول نے آپ کو دعوت دی۔ مگر آپ نے ایک تو اس لئے تسلیم نہ کیا۔ کہ وہ اپنے والد کے کام کو ترک کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ حجاز چھوڑ کر ہندوستان آگئے تھے۔ اس کے علاوہ شاہ عبدالعزیز کو علم ہے۔ کہ ان کا مقرر کردہ پروگرام استنبول میں بیٹھ کر پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے علماء اس کو ماننے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ مسکوں کا کافی اختلاف موجود ہے۔

واضح ہے کہ شاہ ولی اللہ کا مخاطب اعلیٰ طبقہ ہے۔ وہ تمام دنیا میں ایک ہی رنگ لکھا ہے اس لئے ان کی باتیں دوسرے ممالک میں اسی طرت مانی جاسکتی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں مگر شاہ عبدالعزیز اعلیٰ طبقہ کو چھوڑ کر متوسط اور عوام کو مخاطب بنا کر وہی عالی علوم ان تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تاکہ یہ علوم راسخ ہو سکیں۔ ظاہر ہے کہ متوسط طبقہ ہر ملک کا جدا جدا ہوتا ہے۔ تو اب جو خصوصیات امام عبدالعزیز کے طریقے میں موجود ہیں۔ وہ صرف مخاطبین کی ضرورت کی وجہ سے ہیں۔ علمی طور پر ان کو اس بند فکری سے نیچے اترنے کی۔ خود اپنی طبیعت کے رو سے، نیز اپنے خصوصی ماحول مثلاً خاندان تلامذہ والا، کے رو سے کوئی ضرورت نہیں۔

اسی فرق کا نتیجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ فقہ حنفی اور شافعی کو مساوی درجہ دیتے ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیز فقط فقہ حنفی سے متعبد ہیں۔

سکتے۔ اس حزب کے مقاصد کی توضیح میں جس قدر دنیا کے اسلام کی مشترک زبان عربی میں لکھا گیا ہے اس سے بہت زیادہ پہلے فارسی میں اور پھر خالص ہندی میں تحریر ہوا عربی، ترکی مالک اُن سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے۔

دب، امام دلی اللہ اور امام عبد العزیز کے زمانہ میں ہندوستان سے باہر جس قدر اسلامی تحریکیں پیدا ہوئیں جیسے ایران میں بابی، نجد میں وہابی، یمن میں زیدی، وہ خاص خاص پروگرام لے کر اٹھیں حزب دلی اللہ کی ہندوستانی تحریک اُن میں کسی سے نہ تو مقصد میں اشتراک رکھتی ہے نہ اُس کا طریق عمل کسی تحریک کے ساتھ مشتبہ ہو سکتا ہے۔

دج، حزب دلی اللہ کا بابی تحریک سے اشتباہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کیونکہ فرقہ شیعہ کی غلطیوں سے عوام و خواص کو بچانا اس حزب کے ذاتیات میں داخل ہے۔

لے یعنی ہندی فارسی میں نہ ایرانی فارسی میں۔

لے کیونکہ شاہ صاحب کا ان تحریکات کے ساتھ ایک اُنڈیا (نصب العین) میں اختلاف موجود ہے۔ شاہ صاحب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو اختلاف پیدا ہوا اس کو اسلامیت میں سند بننے نہیں دیتے۔ حامی محمد پر سلطان قرون شہود لہا بالآخر کی تعیین تا بعین کے دور تک کر لیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کی پہلی صدی اُن کے ہاں قابل استناد ہے۔ تو اس فرق سے تحریکات کے ذاتی جوہر

(د) البتہ عرب کی نجدی تحریک سے حزب ولی اللہ بعض امور میں اشتراک رکھتا ہے اس لئے ظاہر بین دونوں کو یکساں مان سکتے ہیں۔

عرب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کے اتباع میں سے شیخ محمد بن عبد الوہاب توحید کی دعوت دینے کے لئے اٹھتے ہیں۔ حزب ولی اللہ میں بھی توحید کی دعوت اسی طرح موجود ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا احترام بھی دونوں تحریکوں میں مسلم ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۸) میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک شیعہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایک چیز کو حق سمجھتا ہے۔ وہ اس کو پہلے تین خلفاء کے زمانے پر ترجیح دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اور شاہ ولی اللہ کے ہاں یہ نامکافات میں سے ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کا مقصد خلافت راشدہ کا احیا ہے۔ بہت سے مذاہب متحدہ جو پہلی صدی میں پیدا ہوئے۔ دوسرے علماء کے طریقے پرسنوں سے متشابہ ہو سکتے ہیں۔ اور شاہ صاحب کے طریقے پر یہ نامکن ہے۔

رہا پروگرام کا فرق۔ یہ تو ہر طریقے میں نظر من الشمس ہے۔ شاہ صاحب اپنے پروگرام میں عقل، نقل، کشف، ہر سہ کو جمع کرنا مزدوری قرار دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس طرح کا پروگرام نہیں بناتے۔

لہ الشیخ محمد بن عبد الوہاب بن سیمان صاحب نجد الذی تنسب الیہ الطائفة الوہابیۃ وللمشائخ بالعیلیۃ من بلاد نجد وہم بیت فحقة
لما اراد نشر دعوتہ خرج الی الدرعیۃ واطاعہ امیر محمد بن سعود من المنفر
وہذا فی حدود ۱۱۵۹ھ وانتشرت دعوتہ فی نجد وشرق بلاد العرب الی عمان

بقية سنة ١١٢٩ - ولم يخرج عنها الى الحج اذ واليهم اكل في حدود سنة ١٢٠٠ قال محمد بن ناصر
الحارثي تلميذ الشوكاني - هو رجل عالم متبع الغالب عليه في نفسه الاتباع و
رسائله معروفة وفيها المقبول والمردود - واشهر ما ينكر عليه خصلتان كبيرتان
الاولى تكفير اهل الارض بمجرد تلفيقات كادليل عليها - وقد انصف السيد
الفاضل العلامة داود بن سليمان في الرد عليه في ذلك - والثانية التجارى على
سفك الدم المصنوع بلا حجة ولا اقامة برهان - وكان يعلن ان من دعا غير الله
او توسل بنبي او ملك او عالم فانه مشرك - شاءوا وبى - اعتقد ذلك امر لا
تعدى ذلك الى تكفير المسلمين بهمورهم - فكفر محمد بن بن عبد الوهاب من
دعاه الاولياء وكفر من شك في كفره وكان يجاهد من خالفه - ولو بالاعتدال
وينهب الاموال ويكفر امة الحمدية في جميع الاقطار فهو رجل علم من
الشريعة شطرا ولم يعن النظر ولا قرء على من يهديه نعيم الهداية ويدله على
العلوم النافعة ويفقهه فيها - بل بعضا من مؤلفات الشيخ ابن تيمية ومؤلفات
تلميذه ابن القيم وقلها من غير اتفاق مع انها محرمان التقليد قال
الشيخ السيد محمد امين المعروف بابن عابد بن في رد المحتار وشرح الدرر المختار
في باب البقاة شئ كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد
وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحون مذهب الخنابلة - لكنهم اعتقدوا انهم
هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل
اهل السنة وقتل عندهم حتى ساء الله شؤنتهم وحزب بزلادهم ونظروهم عساكر
المسلمين عام سنة ١٢٢٠ انتهى - افادوا على الحرم المحترم نصف الفار يوم السبت
ثامن شهر المحرم سنة ١٢٢٠ في الشيخ محمد بن عبد الوهاب سنة قيل غارة الحرم وانما
كان ذلك من ذلك عبد بن محمد بن عبد الوهاب امام انوهابية - هـ - يجد العلوم

امام ولی اللہ نے شیخ ابراہیم کر دی مدنی کے کتب خانہ میں شیخ الاسلام
ابن تیمیہ سے کافی استفادہ کیا ہے۔ ازالۃ الخفا میں بعض اساسی مسائل ایسے
موجود ہیں جو یقیناً منہاج السنۃ سے لئے گئے ہیں۔ امام ولی اللہ
شیخ ابراہیم کی اتباع میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی
کی یکساں عزت اور عظمت مانتے ہیں۔ اور اس میں امام ربانی شیخ احمد سرندی
کو بھی شامل کرتے ہیں۔ کہ ان کے بعض بیانات کے اخلاق سے ان کے مطالب
کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الشیخ ابراہیم الکر دی | حاراف بقنون العلم من الفقہ والحديث
والعربیہ والاصلین ولہ تصانیف فی
ذلک رحل الی بغداد والشام ومصر والحرمین وصحب القشاشی وروی
عندہ الحديث وكان یتکلم بالحدیث والکرمی والترکی والعربی کان مجلسه
روضۃ من ہایاض البختۃ۔ وكان یرجح کلام الصوفیۃ علی الحقائق الحکمیۃ ویقول
هؤلاء الفلاسفة تماردوا عتورا علی الحق ولم یهتدوا الیہ۔ وتاریخ وفاته انا
علی فراقک یا ابراہیم لعمرون۔ ۸۶۶ھ

لے فتنہ عثمان سے پہلے جو زمانہ گذرا اس میں شاہ صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ اختلاف ہوا ہی
ہیں جس قدر اختلاف مروی ہے وہ مشورہ شروع کرنے میں جیسے اختلاف ہوتے ہیں اس نمونے کا
ہے۔ مگر فیصلہ میں اختلاف ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ایک چیز پر متفق ہو کر اٹھتے تھے۔ اس پر شاہ صاحب
نے ازالۃ الخفا میں بسط سے زور دیا ہے۔ اور یہ ان کی بہت بڑی علمی اساسی چیز ہے۔ اور شیخ الاسلام

(بقیہ صفحہ ۱۲۱) ابن تیمیہ نہایت میں اس کو ایک اور سطر میں لکھ جاتے ہیں۔ تو اس امر کا اعتراف نہ کرنا علمی طبقے میں مایوس ہے۔ ہم شاہ صاحب کی اس لئے عزت نہیں کرتے کہ وہ تمام چیزیں از خود ایجاد کرتے ہیں۔ وہ سلیم الفطرت ہیں۔ اور ائمہ متقدمین کی صحیح سے صحیح باتیں ہی لیتے ہیں۔ یہ ان کی عظمت کا راز ہے۔ وہ شیخ اکبر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے یکساں طریقے پر ان کی اچھی تحقیقات قبول کر لیتے ہیں۔

۱۱۔ امام ربانی کے بعض اقوال پر عرب و ہند میں سخت انکار کیا گیا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ خلعت میرے ذریعہ نصیب ہوا۔ شاہ صاحب اس کی توضیح فرماتے ہیں۔ کہ یہ بیان کی پیچیدگی اور الفاظ کی کوتاہی اور عدم مسامتہ ہے۔ در ذل ان کا مطلب صحیح ہے جس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو فتح کیا۔ اور یہاں اسلامی سلطنت قائم کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا غلبہ ممالک اور ادیان پر یہ آپ کے ذاتی کمالات میں داخل ہے۔ مگر ہندوستان پر غلبہ محقق ہونے میں سلطان محمود واسطہ بنتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تشریح میں امام ربانی واسطہ بن سکتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام ربانی کے بیانات میں الفاظ کی گونہ تنگی ہے امام ولی اللہ مکتوبات مک پر فرماتے ہیں۔ مکتوب در دفع شہادت مکتوب حضرت مجدد کہ در باب خلعت و حصول این مرتبہ عظمیٰ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ وساطت بعض افراد امت و آل افراد را مراد از نفس خود داشته اند۔ مکتوب چہارم از جلد ثالث وغیر ان تصریح کردہ اند کہ آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم بعد ہزار سال بواسطہ بعض افراد امت مقام خلعت حاصل شد و باشارہ مفہوم ہے گردد کہ مراد از ان فرو ذات مجدد است۔ و این مقدمہ بظاہر مورد اشکالات کثیرہ شدہ است۔ آنچہ پیش فقیر متحقق شدہ این است کہ غرض شیخ اثبات اصل خلعت است۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در اول امر بغیر توسط و اثبات توسط خود در فیضان خلعت بر بنی آدم باقی معنی کہ بہ توسط او بعد ہزار سال ہزار ہزار خلعت یافتند و مدین جاہلجہ شدہ لازم ہے آید زیرا کہ فضائل افاضیہ مثل مقداد و متیور بخ۔ شدن۔ بتوسط خلق متحقق

ایسا ہی مولانا محمد اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان جو حجة الله
البالغة سے ماخوذ ہے۔ شیخ محمد عبدالوہاب کی کتاب التوحید کی
طرح بعض مقامات پر ایک ہی سی بات لکھی ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۳۲۔ شدہ است۔ وہم جنیں ہر حالے کہ بسبب اور جمع ہندی شوزہ و اتباع آنحضرت علی
اللہ علیہ وسلم درست کنند۔ و ان عالم واسطہ عموم دعوت و مقتدا بودن آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم
مرآن قوم راغبند بود۔ ۹۰۸۔ نور الحق۔

ضرب دہلوی اور ضرب صادق پوری | قال الشیخ عم فیضہم
فی کتاب التہذیب ص ۳۸ الحزب

الدہلوی۔ یعیل انی الصدر الشہید والصدر الحامید (مولانا اسحق) اکثر
والحزب الصادق پوری انی الامیر الشہید والسید احمد اکثر و کلہم متفقون
علی امامہ الامام ولی اللہ الدہلوی۔ ثم الامام عبد الغفر۔ ثم الامیر الشہید
السید احمد۔ لکن بعد ما اشتیک بعض ائمة الصادق پورین مع الظاہرۃ
والمحمدین وزیدیۃ الیمن وحنابلۃ الفجہ وخرجوا عما کان علیہ الصدر
الشہید۔ حدث الاختلاف الكثير بين العلوم والمعارف بين الحزبين۔
واذا امكن النظر في تقوية الايمان للصدر الشہید۔ و کتاب
التوحید تجد الفرق بينهما ظاهراً في مسئلة عدم مغفرة المشرك و
مسئلة نفی التوسل۔ و كذلك اذا امكن في اصول الفقه للشہید وادشاً
القول الشوکانی وجدتهما متباينين في الاستدلال بالاجماع وغيره۔ و
لك اذا قرأت کتاب الحقائق للصدر الشہید وجدت مسلكه في فلسفة
ابن العربي مخالفاً لمسلك شيخ الاسلام ابن تيمية واصحابه من الحنابلة۔ و

ہندوستان میں جس قدر اہل علم حزبِ ولی اللہ کے مخالف ہیں، وہ ان
اشتراکی مواقع کی بنا پر دونوں تحریکوں کو ایک بنانے کے لئے کافی سے زیادہ
کوشش کر چکے ہیں۔

دعا، مگر جب اچھی طرح غور کیا جائے، تو یہ اشتباہ دور ہو جاتا ہے، امام
ولی اللہ کی عقلیت اور ان کا فلسفہ وحدۃ الوجود کے مسئلے پر مرکوز ہے۔ وہ
امام ربانی کی وحدۃ شہود کو بھی وحدت وجود سے تطبیق دیتے ہیں، اور شیخ الاسلام
ابن تیمیہ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں سے جس قدر شدید نفرت رکھتے ہیں وہ دنیا
کو معلوم ہے جب کہ دونوں تحریکوں کی ذاتیات میں اس قدر اختلاف ہو۔ تو
ان کو محض بعض امور کے اشتراک سے ایک نہیں کہا سکتا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۳) کان الشیخ السید نذیر حسین الدہلوی یقبح الصدراۃ المشہد فی
عدم تکفیر ابن العربی۔ قال فی کتاب الحجرات بعد المسامات: میاں صاحب طبقہ علماء کرام
میں شیخ محی الدین ابن العربی کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور ختم الولایۃ الحمدیہ کہہ کر پکارتے تھے۔
مولانا بشیر الدین قنوجی جو شیخ اکبر کے مخالف تھے۔ ایک مرتبہ وہی اسی غرض سے تشریف لائے کہ
ان کے بارے میں میاں صاحب سے مناظرہ کریں، دو چہینے دہلی میں پہلے روزانہ مجلس مناظرہ گرم
رہی۔ مگر میاں صاحب اپنی عقیدت سابقہ سے جو شیخ اکبر سے تھی۔ ایک تل برابر بھی پیچھے نہ ہٹے آخر
مولانا محمد زوج دو ماہ کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ علیٰ ہذا القیاس مولانا ابوالطیب شمس الحق نے بھی
شیخ اکبر کے متعلق کئی دن تک متواتر میاں صاحب سے بحث کی۔ اور خصوصاً انہم پر اعتراضات جھانکے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۴) میاں صاحب نے پہلے تو سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ ابھی لا نسلم ہی کے کوچے میں ہیں تو فرمایا۔ کہ فتوحات مکینہ شیخ اکبر کی آخری تصنیف ہے۔ اور اس لئے ان کی سب تصانیف مابقی کی ناسخ ہے اس جملہ پر وہ سمجھ گئے۔ انتہی۔ وکذا لکرجع الی عدم التکفیر الا میر القنوجی فی کتابہ التاج المکمل حیث قال المذہب الراہج فی مسلك ابن العربی علی ما ذہب الیہ العلماء المحققون الجامعون بین العلم والعمل۔ والشرع والسلوک۔ السکوت فی شأنہ۔ وصرف کلامہ الخالف لظاهر الشرع الی محامل حسنة۔ وکف اللسان عن تکفیرہ و تکفیر غیرہ من المشائخ الذین ثبت تقوہم فی الدین و ظہر علمہم بین المسلمین و كانوا فی الذروة العلیا من العمل الصالح محمد نور الحق۔

طریقہ امام ولی اللہ و طریقہ محمد بن عبد اللہ عرب النجدی | الامام ولی اللہ قد بنی طریقہ

علی عرض المجتہدات علی السنۃ الکتاب و تطبیق الفقہیات بہما فی کل باب ؟ و قبول ما یوافقہا من ذلک، و رد ما لا یوافقہا۔ کائنات ما کان۔ وکذا لک ابن ابنہ المولی محمد اسمعیل الشہید اقیقۃ اثر جیدہ و لہر یکین لیل الخیر طریقاً جدیداً فی الاسلام کما یرحمہ الجہال۔ و طریقہ ہذا اکلہ مذہب خفی۔ و شرعہ حقہ مضی علیہا السلف و الخلف و ہورحمہ اللہ اخی کثیر من السنن المعامات و امات عظیمات من الاشراک و المحدثات حتی قال درجۃ الشہادۃ۔ و لکن اعداء اللہ و رسولہ تعصبوا فی شأنہ و شان اتباعہ و اقرانہ حتی نسبوا طریقہ ہذا الی الشیخ محمد بن عبد الوہاب النجدی و لقبوہم بالوہابیۃ۔ و ان کان ذلک لا یجدیم نفعاً لانہم لا یعرفون نجد اولا صاحب نجد۔ بل ہم اہل بیت علم الخفیۃ و اصحاب النفوس النرکیۃ قالہ الامیر القنوجی فی الخطۃ۔ کتاب التہامید موقف ثالث فی شیوہ الحدیث فی الہدایہ اس کی مزید تفصیل کے لئے مش۔ م۔ منہ خط ہو۔

ایسا ہی مولانا شہید کی تقویۃ الایمان کا التوسل فی الدعاء کو جائز قرار دینا اور شرک اصغر کے مرتکب کو کافر نہ مانتے ہوئے غیر مغفور قرار دینا۔ دو اساسی مسئلے ہیں جو کتاب التوحید کے مناقض ہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے اتباع ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتے جو مولانا محمد اسماعیل شہید کے ان دو مسئلوں میں تابع ہوں۔ ایسی حالت میں دونوں تحریر کو کو ایک سمجھنا سرسری سمجھ کا مغالطہ ہے۔

التوسل فی الدعاء مثلاً خدا تاملے سے استدعا کی جائے۔ بحیرت فہاں یا بہتقی فلال کہہ کر تو اس توسل کو ابن عبدالوہاب نہایت مشرت سے ممتنع قرار دیتا ہے۔ مولانا محمد اسماعیل کے ہاں یہ توسل ناجائز نہیں ہے۔ تقویۃ الایمان میں اس کے حوازی کی تصریح کرتے ہیں۔ لیکن شیخ عبدالغفار شینا۔ جہاں ذات الہی کو توسل کے درجہ پر لایا گیا ہے۔ ہر دو کے ہاں ناجائز ہے۔ یہ ہے توسل فی الدعاء کا مسئلہ جس میں ہر دو طرف ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

دوسرا مسئلہ حسب ذیل ہے۔ آیت اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دوان ذلک لمن یشاء۔ کی تفسیر میں ہر دو کا اختلاف ہے۔ اس آیت کا ظاہری اقتضا یہی ہے کہ شرک غیر مغفور ہے۔ درمیان شرک دوسرے کہاں قابل مغفرت ہیں۔ یہ اس آیت کا ظاہری تقاضا ہے۔ اب شرک کا لفظ دو درجوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ شرک اکبر، شرک اصغر، شرک اکبر تو یقیناً کفر ہے کسی شخص کا اہل اسلام میں سے اس میں اختلاف نہیں کہ وہ غیر مغفور اور ابدی عذاب کا باعث ہے۔ شرک اصغر کو اہل علم کہاں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن الوہاب اس کو شرک اکبر سے ملاتا

بقیہ صفحہ ۱۳۶ چونکہ نص میں عموم ہے اس لئے وہ اس میں تخصیص کی اجازت نہیں دیتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو مسلمان شرک اصغر میں مبتلا ہو۔ اُس کا اسلام ان کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ مثلاً مسئلہ یاشیخ اور من احلنت بغیر اللہ فقد اشرک، وغیرہ امور یہاں عام اہل علم اور ابن جبر اللہ کا اختلاف واضح ہو گیا۔

حاکم مولانا شہید یہاں حکم کے طور پر ایک فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں شرک اصغر کی بھی جس قدر سزا مقرر ہے وہ معفو نہیں ہوگی۔ شرک اصغر کبار میں شامل نہیں۔ اس کی سزا اس کے مرتکب کو ضروری طور پر بھگتنا پڑے گی۔ مگر وہ کفر کے برابر نہیں۔ تاکہ ابدیت عذاب اس میں ثابت ہو۔ ابن جبر اللہ ابیت مذکورہ میں شرک کی تخصیص سے مانع تھا۔ ہم نے بھی اس کی تخصیص نہیں کی۔ بلکہ اس کا عموم پر حال رکھا۔ اور عموم بحال رکھ کر حکم میں جو اہل علم کا متفقہ مسئلہ ہے اصحاب اور تابعین کے حوالے سے لے کر، کہ شرک اکبر و اصغر میں فرق ہے۔ اُس کو قائم رکھا۔ مولانا محمد اسماعیل اس تحقیق میں متفق ہیں۔ مسلمانوں میں ہم نے اب تک کسی عالم کے کلام میں اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں دیکھا۔ **اِنَّ تَقْوِيَةَ الْاِيْمَانِ فِيْ اَنْ اَللّٰهُ لَا يَقْعُزُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهِ الْاَلْمُ** کے متعلق جو فائدہ لکھا، اس میں اس کی تصریح کر دی۔ ہم نے بخدی علما کو لحاظ سے اس پر متنبہ کیا۔ وہ سن کر حیران رہ گئے پھر بھی انہوں نے اس پر بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس سے اُن کے امام کی ساری اساس منہدم ہو جاتی ہے۔ مآثر ظاہر ہے کہ وہ مولانا شہید کی بات کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے انہوں نے اس بات پر کوئی انکار نہ کیا۔ اور مولانا شہید کی عظمت کا اعتراف کر لیا:

ان حالات کے بعد ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہر دو تحریکیں ایک ہیں: ہندوستان سے بعض اہلحدیث مکہ معظمہ میں آئے رہے۔ اور بخدیوں کو یقین دلاتے رہے۔ کہ مولانا اسماعیل شہید تھامس ہم مسلک میں ہم نے جب ان کو نابہ الفرق سمجھا یا۔ تو وہ حیران رہ گئے۔ کہ یہ اہلحدیث کیسے ہیں۔ کہ اپنے امام کی باتوں کو بھی نہیں سمجھتے۔ ہم نے کہا۔ یہ اور زیادہ تعجب انگیز ہے۔ کہ وہ کتاب سلیس اردو میں لکھی ہوئی ہے۔

دکا، یعنی تحریک کے ایک بزرگ امام شوکانی، محقق محدث ہیں۔ اور
 حزب ولی اللہ کے اتباع میں سے بعض فرقے مستقل طور پر ان کی اتباع کا دم
 بھرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اتباع سنت کی تفصیلی دعوت میں امام شوکانی
 حزب ولی اللہ کا سامہم ہے مگر حقیقت شناس جانتے ہیں کہ شوکانی زیدی ہیں
 اس لئے خفیہ سے گو بعض مسائل میں اشتراک ضروری ہے۔ پھر بھی وہ مجتہد اجماع
 پر صاف رائے نہیں رکھتے۔ قاضی شوکانی کی کتاب "ارشاد الفحول" اور مولانا شہید
 کا رسالہ اصول فقہ ملا کر پڑھئے تو فرق واضح ہو جائیگا۔

امام شوکانی | هو محمد بن علی بن محمد الشوکانی ولد ۲۸ ذی قعدة سنة ۱۱۴۲
 قد ساق سعة التبحر في العلوم على اختلاف اجناسها و
 انواعها واضافها وسعة التلازمة للتحققين وسعة التأليف المحررة ببلغ
 حد دها الى (۷۵) كتابا منها كتاب نيل الاوطار لا نظير له في تحقيق المسائل اعطى
 فيها المسائل حقها في كل بحث على طريق الانصاف وعدم التقييد بذهب الاسلاف
 وكان يقول انه لم يرض عن شي من مولفاته سوا ما هو عليه من التحرير البليغ
 وقرئ عليه مرارا وانتقم به العلماء وكان تاليفه في ايام مشايخه فبهوة على
 مواضع معتدرة وشوكان اسم بلدة هجرة توفى الشوكاني في جمادى الآخرة
 سنة ۱۲۵۰ انتهى ايجاد العلوم ۸۷

قال الشيخ عزم فيضهم اني اخذت فقه الامام محمد بن علي الشوكاني عن
 الشيخ الامام الحسين بن محسن اليماني عن محمد بن نصر الحارثي واحمد بن

بقية ص ١٣٨ - محمد بن علي الشوكاني - كلاهما عن الامام محمد بن علي الشوكاني واشتغلت
بالاستفادة عن كتب عدة طويلة في معارف بان الله اعانني تلك التضاف
على فهم طريقة المحققين. لكن ما وافقت الشوكاني في كثير من مجتهدااته
الذي اعتقد في حقه انه عالم منصف. مجتهد في الاصول والفروع. نويدى
ينصر السنة. لكن لا يوافق اهل السنة في تفقها ولا اهل الظاهر منهم في
جميع ما يعرضونه. ومن اجل اليد يهيات عند من وقف على طريقة الامام
ولي الله الهدى واتباعه انهم لا يوافقون الشيعة الا ما مية منهم والزيد
لا في الاصول ولا في الفروع. فلنذكر مثالا واحدا من كلام الشوكاني من
كلام الولي اللهيين حتى يتضح الفرق.

قال الشوكاني في ارشاد الفحول: اختلفت على تقدير اماكن الاجماع في
نفسه. وامكان العلم به. وامكان نقله النيا. هل هو حجة شرعية. فذهب
الجمهور الى كونه حجة. وذهب النظام والامامية وبعض الخوارج الى انه
ليس بحجة. وانما الحجة مستندة ان ظهر لنا. وان لم يظهر لنا لم نقد الاجماع
دليلا تقوم به الحجة. ثم ذكر جميع ما وصل اليه نظره من اولة القائلين بحجية
واجاب عنها. وقال في آخر تلك المباحث. والحاصل انك اذا تدبرت ما ذكرنا
في هذه المقدمات وعرفت ذلك حق معرفة تبين لك ما هو الحق الذي لا
شك فيه ولا شبهة. ولو سلمنا جميع ما ذكره القائلون بحجية الاجماع وامكان
وامكان العلم به ما فائده ما يلزم من ذلك ان يكون ما اجمعوا عليه حقا.
ولا يلزم من كون الشئ حقا وجوب اتباعه كما قالوا كل مجتهد مصيب ولا
يجب على مجتهد آخر اتباعه في ذلك الاجتهاد بخصوصه. واذا تقر ذلك علمت
ما هو الصواب وستذكر ما ذكره اهل العلم في مباحث الاجماع من غير

بقیہ صفحہ ۱۱۹۔ تعریض لرفع ذلک اکتفاء بھذا الذی قررنا۔ انتہی۔

وقال الشيخ الامام محمد اسماعيل الشهيد في كتابه اصول الفقه
 في نور الاجماع يثبت الاحكام والاجماع اما بسيط وهو اتفاق المجمعين على
 امر واحد او مركب وهو اتفاقهم على قولين او اكثر بشرط اشتراك الامر
 الواحد فيهما والاجماع اما حقيقي وهو اتفاق المجمعين قولاً او ما في حكمه
 كالسكوت الذي يدل على التقدير. واما حكمي وهو بخلافه والاجماع اما
 قوی وهو اتفاق جميع المأذنين والمحاضرين من المسلمين او متوسط
 هو اتفاق اهل الحق كذلك وذا لا يتصور الا باتفاق الصحابة او ضعيف
 هو الاتفاق بعد الصحابة والاجماع الحقيقي البسيط قوياً كان او متوسطاً
 قطعی. وهو مثل الخبر المشهور اثباتاً وتعارضاً. وعدا ذلك ظنی بالتشكيك
 انتہی۔ فان شئت تفصيل هذا الكلام فارجم الى كتب جده الامام
 ولي الله الدهلوی لا سيما ازالة الخفاء وعندی امثلة كثيرة لبيان الاختلاف
 الجوهري في الطريقتين. واکتفيت منها بهذا المثال الواحد لان مع هذا
 الاختلاف لا يمكن الاتحاد في تعيين الجادة القويمة. فالمسائل التي تثبت
 بالاجماع المتوسط داخلية في الجادة القويمة عند المولى اللهيين. وحي ان
 الامام الشوكاني. كتاب التمهيد ط ۱

ہجرتہ اجماع پر مدار ہے صدیق اکبر کی وفات کا معمف عثمان کے متبوع ہونے کا ہم جدید
 اصطلاح میں اجماع کے عوض جمیعہ مرکز کا فیصلہ سنہال کیتے ہیں۔ آج جس چیز کو جمعیہ مرکز کا فیصلہ
 کہا جاتا ہے وہی اس زمانے کا اجماع ہے۔ اس کی حقیقت کے بغیر کبھی کوئی سیاسی تحریک دنیا میں کامیاب
 ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا شیئہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر اہل سنت کا مدار ہی سراسر اسی پر ہے تو
 ان ہر دو مسلکوں کا فرق خود کرنے والے سے زیادہ دیر تک مخفی نہیں رہ سکتا۔

۱) امام ولی اللہ کی تحریک کے لئے اگر کوئی بزرگ سلف صالح کا تربیہ کرتا ہے۔ تو وہ فقط امام ربانی، شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی کے وجود میں منحصر ہے۔ اُن کو امام ولی اللہ اپنے طریقے کا ارٹھس مانتے ہیں۔ امام ربانی نے جو کام شروع کیا تھا۔ امام ولی اللہ نے اس کو مکمل کر دیا۔

لہ ۱۲ھ ص الحائظ بنی رھصہ۔ والھص من الحائظ۔ اول صفینہ والھص الطین الذی بیئنی بدہ۔ ہرق۔ ارٹھس سے مراد یہاں راہ صاف کرنے والا ہے۔ مثلاً ہمیں عمارت بنانا ہے۔ تو زمین میں جس قدر نشیب و فراز ہیں۔ ان کو ہموار کرنا ارٹھس کا درجہ رکھتا ہے۔ عمارت بعد میں کوئی دوسرا شخص اگر بنائے گا۔

مجدد الف ثانی | میں نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے استبعاذات ذکر کیا۔ کہ شاہ صاحب حضرت مجدد کو ارٹھس کہتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا۔ کہ بہت بڑی بات ہے۔ یعنی حضرت مجدد بہت بڑی ہستی ہیں۔ اس لئے شاہ صاحب کا یہ لکھنا خود شاہ صاحب کے حق میں یعنی اُن کی عظمت ثابت کرنے کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت نے یہ جواب میرے استبعاذ کے پیش نظر فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب مکتوبات میں فرماتے ہیں۔ پس غلامہ کلام آنست کہ بعد از الف فتح دورہ دیگر شدہ است، کہ بعض اعتبارات، اجمال فیوض مقدمہ است۔ مثلاً احوال قلب و روح و سر و غیر اُن ہمہ عمل شدہ ہیئت جمعیت پیدا کردہ۔ و بعض اعتبارات تفصیل فیوض مقدمہ است۔ مثلاً مسائل چرچت و امانیۃ کبریٰ دریں دورہ مفصل تر است۔ ازاو و اسباق و بالتجملہ شیخ محمد اسرار صاحب ایں دورہ اند۔ بسا معارف مختصر ایں دورہ۔ کہ از زبان شیخ بطریقی منقول و یاد سرزدہ۔ و شیخ قطب ارشاد ایں دورہ است۔ بروست شے بیائے از

۱۴۱ اس جمعیت مرکزیہ کی جدوجہد سے جب تحریک کے مبادی کا تعارف ملت سے اچھی طرح ہو گیا۔ تو امام جید الغریب ایک ایسے نوجوان کی راہ دیکھ رہے تھے جو عسکری معاملات سے طبعی دلچسپی رکھتا ہو۔ تاکہ انقلاب کے دوسرے حصے کی تکمیل کرائیں۔

بقیہ صفحہ ۱۴۱۔ مگر زبانِ بادیہ، طبیعت و بدعت خلاص شدہ، فقیر و اکثر معارف کہ شیخ زبانِ فتح دورہ آورہ مصدق اوست حضرت قتلت امام ربانی ارطاس میں، اسی پر ہم آپ کے ارشاد ذیل کو حل کرتے ہیں: "کارخانہ عظیم دیگر بن حوالہ کردند برائے پیری و مریدی نہ خریدہ اند۔ و مقصود از خلعت من تکمیل دارشاد خلق نیست۔ معاملہ دیگر است۔ و کارخانہ دیگر مکتوب ششم و قدر دوم۔ فسانہ طرازوں اور قصہ گو حضرات نے ان تعریجات کے دوسرے ادنیٰ محامل قرار دئے ہیں۔ ح۔ فکر ہر کس بقدر بہت اوست

عبارت مذکورہ بالا صریح ہے کہ امام مجدد اس دورہ کے ارطاس میں تفسیحات النبیہ کی عبارت ذیل میں یہ مذکور ہے کہ قیم اس دورہ کے امام ولی اللہ ہیں۔ قثم الامور للہ الحمد۔ قال فی التفسیحات۔ ومثال ذلک بحسب ہذا الدورۃ و ہذا الشان الذی نحن فیہ وبحسب قیم ہذا الدورۃ و اما حقا۔ ان السابقین توغلو فی وحدۃ الوجود و رجعت معرفتہم فی اللہ فانفقد فی الملاء الاعلیٰ علم و ہویات الفرق بین التنزل الذی ہو اتحاد حقیقہ و تفاءل اعتباری۔ و بین التنزل الذی ہو تفاءل حقیقہ و اتحاد اعتباری۔ و جاء الشیخ المحمد قحام حولہ لقال مرۃ العالم موجود خارجی و قال مرۃ اخری العالم موہوم متقن و قال مرۃ العالم ظل الاسماء ولم یبین الا مرۃ ما هو علیہ۔ فجاء قیم الدورۃ فکشف حقیقتہ الا مرۃ ما هو علیہ۔

اللہ کی رحمت سے۔ امام ولی اللہ سے مستفید مولانا ابوسعید دیکھ شاہ
علم اللہ کے خاندان کا ایک نوجوان سید احمد شہید ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۶ء میں امام
عبد الغزیز کی دعوت میں شرکت کے لئے آیا۔ موصوف انہیں اس مطلب کے
لئے زیادہ موزوں دیکھتے تھے۔ اس لئے اُن کی تربیت میں خاص توجہ صرف
کرتے رہے۔

(الف) سید احمد شہید نے عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد اسحاق، اور
مولانا محمد اسماعیل سے پڑھیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث مولانا عبد القادر کے
درس میں سنتے رہے۔ اور انہیں کی صحبت میں سلوک مکمل کیا۔

سید احمد الامیر الشہید کی تعلیم و تربیت | امام عبد الغزیز کے خواص اصحاب جن
کے رنگ و ریشہ میں حزب ولی اللہ

کی خصوصیات سرايت کر چکے ہیں۔ اور ایک لمبے زمانے سے اُن کی تربیت ہر توجہ مرکوز رہی ہو۔
وہ صرف وہی لوگ تھے جن کا تذکرہ ہم نمبر ۶۰، میں کر چکے ہیں۔ امیر شہید دراصل اُس حزب سے
نہیں۔ بلکہ بعد میں منعم کئے گئے۔ اُن میں کشفی کمالات تھے۔ سپاہ گری کی تعلیم تھی۔ سید تھے اس
لئے اُن کو امام عبد الغزیز نے امارت جہاد کے لئے موزوں قرار دیا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں حزب
مذکور کی راہ سے ہٹ نہ جائیں۔ اُن کے ساتھ دو وزیر اپنے مکمل تربیت یافتہ لگائے۔ مگر
اپنا صحیح اور پورے معنوں میں جانشین حضرت شاہ اسحاق کو مقرر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا
حم فیض تھے نمبر ۶۱، میں امیر شہید کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں نے بعد میں جب آپ سے اسکی وجہ

بقیہ صفحہ ۱۴۳۔ دریافت کی تو آپ نے مذکورہ بالا جملے فرمانے کے بعد اس نمبر ۱۰ کی طرف اشارہ کر کے میری استبعاد کو دور فرمایا۔ ۱۲ عدد نورالحق۔ ستمبر۔ ۱ نومبر ۱۹۴۱ء۔

کہتے ہیں کہ کتاب دیکھتے تھے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا اٹھ جاتا تھا۔ غرض کتاب و سنت سے زائد چیز کے دیکھنے سے اُن کی بصارت روک دی گئی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ شاہ ولی اللہ کے طریقے کا صاحب کشف اس سے زیادہ علوم کا محتاج نہیں ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ سید صاحب دینی علوم جس قدر ایک امیر کے لئے ضروری ہیں۔ اُن کی تحصیل کر چکے ہیں۔ اُن کی کشف سے نئی دینی تعلیم ثابت نہیں ہوگی۔ اب یہاں سید صاحب کو امی ثابت کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ یہ محض غلط ہے۔ شاہ اسماعیل صاحب کے اشارے سے مولانا عبدالحی اُن سے ملے اور بیعت کی۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی کے کہنے پر مولانا اسماعیل نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت نے مجھے فرمایا کہ پڑھنے سے امیر شہید کی طبیعت پر بوجھ پڑتا تھا۔ اور کشف طبعی پر یہ چیز گراں گذرتی تھی۔ اس لئے اُن کو سماع کے لئے حکم دیا گیا۔ تو اس طرح جس قدر شرعی علوم کی ضرورت تھی۔ انہوں نے حاصل کر لئے۔ گو وہ تحصیل عالمانہ طریقہ پر نہ تھی۔ ہم اس کا تجربہ سندھ کے اپنے دوسرے مشائخ میں دیکھتے ہیں۔ وہ عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ قرآن شریف کا ترجمہ اور حدیث کی کتابیں سنتے ہیں۔ ہر عالم انہیں سنا تا ہے وہ اُن سے بدرجہا زیادہ علم رکھتا ہے مگر جس وقت اُن کو ایک شرعی مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیقی ہو جاتا۔ تو جس طرح وہ اپنی جماعت میں انقلاب پیدا کر دیتے تھے۔ اس کا عشر عشر بھی وہ عالم پیدا نہیں کر سکتا۔ اس طرح پر ہم سید صاحب کو ایک عالم مانتے ہیں۔ اُن کے مناقب کہنے والے دھوکہ دیتے ہیں۔ کہ وہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ بلکہ سب چیزیں کشف سے اُن کو حاصل تھیں۔

اُن کی خواہش دراصل یہ ہے۔ کہ سید صاحب کا جو تعلق تلمذ شاہ عبد الغزیز سے ہے وہ کاٹ دیا جائے۔ اور وہ ایک امام ہمدی کے طور پر بننے جائیں۔ ان لوگوں نے اس تحریک کو بڑا نقصان پہنچایا شاہ علم اللہ جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ اُن کے فرزند سید محمد ضیاء اُن کے بیٹے سید

الف، سید احمد دہلوی آثار الصنادید میں لکھتے ہیں: سید احمد بریلوی اوائل حال میں شوق طالب علمی میں، وطن سے وارد شاہ جہان آباد ہو کر مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے۔ اور صرف و نحو میں فنی الجملہ سواد حاصل کیا۔ اکثر خدمت مسجد و اُس مقام کے واردوں خصوصاً درویشانِ پاک طینت کی جو تحصیلِ علم باطنی کے شوق میں، جناب مولانا عبدالقادر کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، خاطر داری اور سرانجامِ حرام میں اسے سرگرم ہوئے، گویا اس امر کو اہم مقام سمجھے ہوئے تھے۔

بقیہ صفحہ ۱۴۴۔ شاہ ابوسعید ہیں۔ آپ حضرت امیر شہید کے جرمادری، اور امام ولی اللہ کے خلیفہ ہیں، سید احمد یہ ۱۵۵ میں ہے۔ اس خاندان کے بہت سے بزرگوں نے شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں سے ظاہری اور باطنی استفادہ کیا۔ شاہ ابوسعید شاہ محمد واضح، سید محمد معین، سید محمد تقی، علم امیر شہید نے شاہ ولی اللہ سے، اور سید قطب الدی، سید محمد انجی، برادر اکبر امیر شہید نے شاہ عبدالعزیز سے اور شاہ عبدالقادر سے استفادہ کیا۔ اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سہندری اور مجدد دہلوی کی برکتیں جمع ہو گئیں۔ یہ خاندان اپنا خصوصی مشرب اور مخصوص فکر رکھتا ہے۔ یہ خصوصیت امیر شہید کے خاندان میں حضرت مجدد کے خلیفہ شیخ آدم بنوری سے متواتر چلی آتی ہے۔ بنا بریں سید امیر شہید کا حزب ولی اللہ کے رنگ میں پڑے طور سے رنگا جانا بعید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہیں موقع ملا تو انہوں نے اپنے امیر المومنین ہونے کا اعلان کر دیا، اور تحریکِ ناکام رہ گئی۔

مشرقی، مغربی ہند کی رقابت تاریخ میں قدیم سے چلی آتی ہے۔ چندرہنسی، سوج، ہنسی خاندان اسی مغربیت و مشرقیت کے دوسرے عنوان ہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ رقابت مذکورہ بعد از اسلام بھی قائم رہی، اور امیر شہید کے وقت بھی وہ بروئے کار آئی۔ امیر شہید مشرقی ہند رائے بریلی سے

(ب) ذکر اللہ جب اُن کی طبیعت میں راسخ ہو گیا۔ تو اُن کی عالی
دماغی اور اولوالعزمی سے ایسے کلمات صادر ہوتے جو ایک ایسے مصلح کی زبان
سے نکلتے ہیں جو تمام انسانیت کو راہ راست پر لانا چاہتا ہو۔ وہ کلمات سنکر
امام عبدالعزیز نے فرمایا۔ **تِلْكَ خِيَالَاتُ رَبِّي بِهَا أَطْفَالُ الطَّرِيقَةِ** یعنی
اسی طرح اُن کے فطری جوہر کی تربیت ہو رہی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۵) تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے حامد مریدین بھی بہار وغیرہ کے ہیں۔ اس کے بالمقابل مغرب
یعنی دہلی ہے۔ وہ لوگ دہلوی تحریک کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے مولانا ولایت علی بہاری نے
مولانا اسماعیل کے خلاف دوسری جماعت تیار کی۔ وہ مولانا اسحق اور حزب دہلوی کو اس میدان سے
دور ہٹانا چاہتے ہیں۔

تربی بھا اطفال الطریقۃ | جب کوئی پہلوان شاگردوں کو سکھاتا ہے تو اسے خود
اُن کے ہانگے گر جاتا ہے شاگرد سمجھتا ہے کہ میں نے اس
کو گرا لیا۔ اس سے اس کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح پر خیالات اُس کی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں
امیر شہید سے ہندو تہمتیں سرزد ہوتی ہیں کہ میں یوں کروں گا۔ اور اس طرح کر دکھاؤنگا۔ اس سے اُن میں
حالی حوصلگی پیدا ہو رہی ہے۔ سید صاحب کا ایک جملہ ہے جو سوانح میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنے
اہلبیت میں سے کسی آدمی سے کہا کہ اگر تمہیں کوئی کہے کہ سید احمد فوت ہو گیا ہے۔ تو جب تک تم
یہ نہ دیکھو۔ کہ ہندوستان سے کفر نکل گیا ہے اور افغانوں سے فلاں فلاں عیب جاتے رہے۔ اور
عروں سے فلاں خرابی دور ہو گئی۔ ترکوں کی فلاں کمزوری رفع ہو گئی ہے۔ جب تک یہ ساری باتیں
پوری نہ ہوئیں کبھی یقین نہ کرنا کہ سید احمد فوت ہو گئے ہیں۔ یہ ہے ترجمہ تِلْكَ خِيَالَاتُ رَبِّي بِهَا
اطفال الطریقۃ یعنی حالی حوصلگی۔

(ج) ۱۲۲۵ھ میں امام عبدالعزیز نے انہیں تربیت عسکری کے لئے امیر خاں (والے ٹونک) کے لشکر میں بھیجا۔ ۱۲۳۱ھ میں جب امیر خاں کی انگریزوں سے صلح ہو گئی۔ تو واپس امام عبدالعزیز کی خدمت میں دہلی پہنچے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۶) مجھے بڑا تعجب ہوا جب سوانح احمدیہ کے مصنف نے مکتوبات سید احمد کو شروع کرنے سے پہلے امام عبدالعزیز کا ایک خط نقل کیا جس میں یہ الفاظ ہیں۔ واقعہ ہے کہ کسی نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے دریافت کیا کہ سید صاحب بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، اس پر آپ نے اس کو لکھا ثلاث خیالات تروی بہا اطفال الطريقة ہمارے خیال میں سوانح احمدیہ کا مصنف اس خط کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکا۔ ورنہ وہ مکاتیب سید صاحب کی ابتدا اس خط سے نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اس رشتہ کو کاٹنا چاہتا ہے۔

الامیر الشہید کی تربیت عسکری | قال مولانا الشیخ عجم فیضہم نے کتاب الشہید۔ الامیر الشہید۔ قرء ترجمہ

القرآن علی الشیخ عبدالقادر۔ واخذنا الطريقة المحمدیة والقادرية و
النقشبندیة والمجددیة من الامام عبد العزیز۔ واسس الطريقة المحمدیة
وحیاء المجاہدة القویمة۔ من السنة النبویة و... سنة الامام عبد العزیز نے
تحصیل البہارۃ فی الامور العسکریۃ فی ۱۲۲۵ھ واستخلفہ الامام عبد العزیز
شیخہ الامامۃ الدعوة الی اتباع السنة والجمہاد وجعل معہ من العلماء مولانا
عبدالحی الصمد والسعید۔ ومولانا اسمعیل الصمد الشہید کالو زیرین
وکان امرہم بالشوری بینہم۔ واذ اتفق الثلثہ علی شی یكون مثل حکم
الامام عبد العزیز۔

فالعلو الدعوة بالجمہاد فی ۱۲۳۶ھ۔ ویدعوا باعمال الحج وفہغوا

(بقية صفحـ ١٢) منها في سنة ١٢٣٩^{١٨٢٢} وشرعوا في اعداد القوة الى سنة ١٢٣١^{١٨٢٥} ثم هاجروا الى بلاد الافاغنة وجيا لهم. واقاموا حكومة مؤقتة كان اميرها السيد احمد في ١٢ جمادى الآخرة سنة ١٢٣٢^{١٨٢٤} (نومبر سنة ١٨٢٤) وبايع الافاغنة اكثرهم بامانة الامير وصاروا يطيعونه في اوامر الشارع الاسلامي. وكل بايع امامة الامير. من كان من المولى اللهيين بالهند وكانوا يمدونهم بالاموال والرجال. و هذا الامر كان مركز ادارة الداهلي. وكان الصدر المحميد مولانا محمد اسحق مديرا.

فكان الحرب بينهم وبين المتغلبين على مسلمي الفنجاب من اجل حتى اندهش منهم ابناء جمعية التجارية الانكليزية فاستعانوا بالمسلمين المتخالفين للمولى اللهيين واعدواهم بالاموال فوصلوا الى بلاد الافاغنة وادفعوا الشقاق بين الهنديين المهاجرين وبين الافاغنة الوطنيين. وقتهم كانت راجحة اما الى اتهام المولى اللهيين بانهم ليسوا من الحنفية كفقهاء بلاد الانغليين واما الى الوسوسة بان الافاغنة كيف يرأسهم امام هندي.

فالجهال من الافاغنة اثرت فيهم الدعاية. والامير استبد برايه في بعض الامور وما قبل مشورة الناصحين فافترقوا من تار الافاغنة الى ان قتلوا احوال الحكومة ولا غيلة. واعانوا المهاجرين ثانيا فاستشهد الامير واصحابه في بالاكوث بايدي الكفار في ٢٤ ذيقعدة سنة ١٢٣٦^{١٨٣١} مايو سنة ١٨٣١.

الاختلاف وقع في اتباعهم الاختلاف في شهادة الامير فتابع الصديق المحمدي الشيخ محمد اسحاق اسسوا حزبا يعتقد شهادة الامير ويلدعون الى الجهاد

جملہ معترضہ | بدور بازخہ میں امام ولی اللہ نے اجتماع انسانی کی تمدنی ضروریات کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ قضا، شہادت، جہاد، نقابت، انذار و تبشیر ہر ایک کی تکمیل کے لئے ایک ایسے کامل کی ضرورت ہے جو اس ضرورت کو پورا کرنے میں خصوصی مہارت رکھتا ہو۔ ان پانچ رہنماؤں کے ساتھ ایک ایسا امیر بھی ضروری ہے جو ان تمام کاموں میں مہارت کا ملکہ رکھتا ہو۔ وہی حقیقی طور پر امام بننے کا مستحق ہے۔ "والرجل الواحد المتکفل بها جميعاً هو الامام الحق"

بقیہ صفحہ ۱۴۸ ولنسبہ الحزب الذہلوی۔ وادعی الشیخ ولایت علی الصنادیقور
ان الامام الامیر هو المہدی الموعود وانه لم یستشهد فی المعرکۃ بل اختفی
عن اعیان الناس وهو موجود فی هذا العالم الی الان حتی افراط بعضهم
فقال ان لقینا لا بمکنۃ حول المطاف ثم غاب بعد ذلک۔ وانه سيعود حیث
جعلوا جزء العقیدۃ ویمجادون من ینکرہ۔

وہو لاءہم الذین احتاجوا ان یخرجوا من الخفیۃ الرحیمۃ الولی
اللہیۃ الغیریۃ الاسمعیلیۃ الاسحقیۃ وما دخلوا فی محاربہ دہلی و
نسبہ الحزب الصنادیقوری۔ محمد نور الحق۔

ہدایت اجتماعیہ کے مدارج | ایک شخص اپنے طبعی جذبات، اور علوم کے متعلق ضروریات
اور جسمانی حاجتیں تنہا کبھی پوری نہیں کر سکتا۔ جماعت
میں یہ صلاحیت ہو کہ اس کا برزخ اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے اس کو ہدایت اجتماعیہ کہ جاتا

بقیہ صفحہ ۱۱۹۹ ہے۔ یہ انسانی ترقی کا پہلا ذریعہ ہے۔ اس ہیئت اجتماعیہ کو قائم رکھنے کے لئے یہی لوگ اپنی حکومت بنالیتے ہیں۔ حکومت بن جانے کے بعد افراد کی بناوت ہیئت اجتماعیہ کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ابھی حکومت پیدا کر لینا ہیئت اجتماعیہ کے بعد انسانیت کی ترقی کا دوسرا قدم ہے۔ جس جگہ یہ دونوں چیزیں مجتمع ہوں وہ مدینہ نامہ ہے۔ جہاں فقط ہیئت اجتماعیہ ہو۔ اور منظم حکومت نہ ہو۔ حکمران افراد سے تو کوئی ہیئت اجتماعیہ خالی نہیں ہوتی۔ مگر ان افراد کا ایک ایسا نظام جس کی وجہ سے ان میں ایک وحدت پیدا ہو۔ اور اسے حکومت کہا جائے۔ یہ ہر ہیئت اجتماعیہ کے لئے لازم نہیں ہے، اس کو مدینہ ناقصہ کہتے ہیں۔ اور بحکال کی اصطلاح میں سوسائٹی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انارکسٹ سوسائٹی کو مانتے ہیں۔ اور اسی پر انسانی ترقی کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہ سوسائٹی ہی اپنے اپنے حکومت کرتی ہے۔ مدینہ ناقصہ میں جو شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

..... یہ مذکورہ بالا ہیئت اجتماعیہ کا ایک عنوان ہے۔ چھوٹے گاؤں میں تو ہیئت اجتماعیہ اسی حاکم ہوتی ہے۔ جیسے ایک بڑے گھر میں ہیئت اجتماعیہ حاکم ہے۔ اسی طرح بعض بڑے گاؤں ہوتے ہیں جن میں کئی کئی آدمی نمبردار اور چوہدری ہیں۔ اصلی طریقے کے مطابق وہاں ایک چھوٹی سی حکومت ہونی چاہئے۔ مگر بعض اوقات حکومت کے بغیر بھی وہ لوگ اپنے توافقی سے کام چلا لیتے ہیں۔ پرانے راہپوتوں اور آج کے افغانوں میں پنچایت اور جرگے کی رسم اسی توافقی کی مثالیں ہیں۔

بعض بڑے شہر میں حکومت وہاں موجود ہے۔ حکومت کے بغیر ان کا کام چل ہی نہیں سکتا۔ تو ان کے حاکم اور نمایاں شخصیتیں سب ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں۔ عموماً اس اجتماع کا محل کوئی مقدس مقام ہوتا ہے۔ بحث کرنے کے بعد وہ ایک رائے قائم کر کے اٹھتے ہیں۔ یہ پارلیمنٹ ہے اور ہماری زبان میں اس کا نام اہل حل و عقد ہے۔ ہمدے متاخرین بادشاہوں نے اہل حل و عقد کی قوت کو برباد کر کے اپنی شخصیت کو نمایاں کیا۔ اور خود برباد ہو گئے۔ جب تک صالح بادشاہ رہے۔ جن میں بادشاہی چلانے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ اہل حل و عقد کے مشورہ

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ قلہما یوجد ذلک۔ والا کثر وقوعاً
 ہوان یكون القائم بامرین او ثلثہ رجلاً واحداً وبالباقی رجل
 ب، والمدن الناقصۃ قد یوجد ہناک بحسب کل حاجۃ سنۃ
 مصطلحۃ علیہا ورئیس کل اہل صناعتۃ یصدرون برائیۃ رج،
 واجتماع من عقلاء القوم ومبزریم۔ (مناہج۔ نور الحق،

ہم آج کی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ ایک حقیقی امام کا جوڈ کیسٹر بن سکے۔ پیدا ہونا آسان نہیں۔ اُس کے نہ ملنے پر حاکم بنانے کے لئے اُن تین صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ (۱) ایک بورڈ بنا دیا جائے (۲) اگر محدود سوسائٹی ہو تو اس کا ہر ایک حصّہ اپنے مُسَلّم قانون پر اپنے مُسَلّم

بقیہ صفحہ ۱۵۱ کے پابند رہتے تھے ہمارے خیال میں یورپ نے پارلمنٹری نظام کو نئی چیز پیدا نہیں کی۔ مگر اس نظام کا طریقہ منعبط کر دیا۔ ہمارے دماغ یہ چیز منعبط نہیں ہے۔

دو آدمی مساوی درجے کے مل کر حکومت کرتے ہیں۔ جب وہ کسی مشورے میں مل بیٹھتے ہیں۔ تو جیسے سفر کے رفیق ایک شخص کو وقتی طور پر امیر بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اس اجلاس میں ایک وقتی امیر بنایا جاتا ہے۔ اور اتفاق سے کام چلتا رہتا ہے، اس کی مثالیں ہمیشہ بڑے شہروں اور ملکوں میں ملتی رہتی ہیں۔ یہ انسانیت کے طبعی تقاضوں میں سے ایک شیئ ہے۔ یعنی کبھی وہ ایسا بھی کر لیتے ہیں جمعیۃ مرکز میں عموماً بورڈ کی روت کام کرتی ہے۔ کیونکہ وہ سب یکساں ہوتے ہیں۔ کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا۔ ہذا۔

رئیس کی اطاعت میں قومی قانون کی پابندی کرے گا۔ یعنی سوسائٹی کو حکومت بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ اُن میں اس قسم کے اختلاف پیدا ہی نہیں ہوتے جو امام بنانے کے لئے مجبور کر دیں۔ (۳۰) یا عقلمندوں یا عوام کے مقبول لوگوں کا اجتماع ہوگا۔ یعنی پارلیمنٹ بن جائے گی۔

امامت کے مسئلہ میں اس قدر تفصیل جس میں ڈکٹیٹر، بورڈ، سوسائٹی، پارلیمنٹ سے بحث کی جائے۔ ہم نے امام ولی اللہ کے سوا کسی اور محقق کی کتاب میں نہیں دیکھی۔
جملہ معترضہ پورا ہوا)

امام عبدالغفریہ کے آخری عہد میں ہندوستان کی سیاست میں سخت اتاری پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بعد کام کرنے کے لئے اپنے لوگوں میں سے کسی میں امامت کی صلاحیت نہیں دیکھی۔ تاکہ کسی کو ڈکٹیٹر بناتے۔ اسلئے دو بورڈ بنا دیئے۔

دالفا عسکری امور کے لئے سید احمد شہید امیر اور مولانا عبداللہ اور مولانا

محمد اسماعیل شہید مشیر مقرر ہوئے۔ امام عبدالغفریہ نے اپنی تمام جماعت کو حکم دیا کہ جہاں

۱۵ یہاں غلطی یہ ہوئی کہ شاہ صاحب کے فیصلے یعنی بورڈ کی سمت کو نہ سمجھ کر سید صاحب کو امیر مطلق یعنی امام کے درجے پر مان لیا گیا۔ اور یہ اُن لوگوں کی بدانتہائی سے ہوا جو امام عبدالغفریہ کے تربیت یافتہ نہ تھے۔ اس شہادت میں اس اصولی تبدیلی کو بہت بڑا دخل ہے۔ مولانا غلام فیض احمد ۱۲ ذوالحجہ۔ بعد مغرب ۴ نومبر ۱۹۴۰ء۔

معلیٰ پریسید احمد (شہید)، مولانا عبدالحی، مولانا محمد اسماعیل (شہید)، تینوں جمع ہو جائیں۔ اس کو امام، عبد الغزیز کا حکم سمجھنا چاہئے۔

اب تنظیمی امور کے لئے مولانا محمد اسحاق امیر اور مولانا محمد یعقوب ہلوی (برادر مولانا محمد اسحاق) مشیر مولانا محمد اسحاق کو ہر محلے میں اپنے ساتھ شریک رکھ کر شاہ عبد الغزیز نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ ان کا حکم میرا حکم ہے۔ امام عبد الغزیز کا یہ فیصلہ فقط امام ولی اللہ کے اصول پر ٹھیک اترتا ہے۔

امام عبد الغزیز نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت لینے کے لئے اور دوسری دفعہ ۱۲۳۶ھ میں بیعت جہاد لینے کیلئے دورہ پر بھیجا۔ اس کے بعد سالے قافلہ سمیت حج پر جانے کا حکم دیا تاکہ ان کی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ حج سے ۱۲۳۹ھ میں واپس آیا تو امام عبد الغزیز فوت ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے آخری وقت میں مولانا محمد اسحق کو مدرسہ سپرد کر کے اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ رضی اللہ عنہم و عنہم اجمعین۔

میں بادشاہوں کا اپنے ولی عہد کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ دو متمدن لوگ اس کو آسانی سے سمجھتے اور جانتے ہیں۔ امام عبد الغزیز نے مولانا محمد اسحاق سے وہی معاملہ کیا

بقیہ صفحہ ۱۵۳ جو بادشاہ اپنے ولی عہد سے کرتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو شاہ اسحاق کی امامت قبول کرنے میں کوئی غم نہ پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ سوانح احمدیہ کا مصنف شاہ اسحاق کی حیثیت کھلی کم کرنا چاہتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ دنیا کے اسلام میں ایک عالم بھی ایسا نہیں ملتا جو اپنا سلسلہ اسناد شاہ عبدالعزیز تک پہنچانے اور شاہ اسحاق درمیان میں واسطہ نہ ہوں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الصدِّ المجدِّ امام محمد اسحاقؒ

۱۲۳۹ھ تا ۱۲۶۲ھ

۱۔ جب ۱۲۳۹ھ میں امام عبدالغفری فوت ہوئے تو آپ نے اپنا مدرسہ مولانا محمد اسحاق کے سپرد کیا جو حزبِ ولی اللہ کی امامت کا عرفی دستور تھا۔ مسید احمد شہید کا قافلہ جب حج سے واپس آیا تو انہوں نے امام عبدالغفری کے بعد اس امامت کو تسلیم کر لیا۔ اس زمانہ میں اگر جمعیت کا اجلاس مدرسہ میں ہوتا تو مولانا محمد اسحاق صدارت کرتے اور مسید احمد شہید حلقے میں بیٹھتے اور جب مدرسہ سے باہر مجلس منعقد ہوتی تو مسید احمد شہید صدر ہوتے اور مولانا محمد اسحاق حلقہ میں شریک ہوتے۔

لے اس روایت کی اصل امیر الروایات کا بیان ہے۔ امیر الروایات اور ادراج ثلثہ

اس طرح حزب دلی اشد کی اساسی مصلحت کی حفاظت اور رجال و اموال جمع کرنے کے لئے دُعا کا سلسلہ امام عبد العزیز کے مدرسے سے متعلق رہا۔ اور عسکری اور سیاسی سرکاری سید احمد شہید کی جماعت سے وابستہ رہی۔

۲۔ ۱۲۸۱ھ میں ہجرت شروع ہوئی۔ ۱۲ اور ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۲ھ اور جنوری ۱۸۶۷ء کو افتائی قبیل نے بھی "ہند" میں سید احمد شہید کو اپنا امیر مان لیا۔ اس کے بعد ایک سال تک مولانا عجز لہی زندہ رہے۔ ان کی موجودگی میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۵) کی تصنیف کا تعلق امیر شاہ خاں صاحب سے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے خاص خادم ہیں۔ یہ کتاب ان کی میان فرمودہ حکایات کا مجموعہ ہیں۔ خان صاحب کا کمال یہ تھا کہ جملہ واقعات ان کو سداور حوالہ سے غلط بلقظ یاد تھے۔ خورجہ کے موطن، اور مینڈو و ضلع علی گڑھ میں رہتے تھے۔ بہت سے فضلاء و اکابر کے صحبت یافتہ تھے۔ بن کا التزام کرتے ہوئے حدیث کی طرح فہم و فہم دلی انہی نے بزرگوں اور اکابر کے حالات و واقعات سنائے آپ کا کوئی جلسہ مشکل اس تذکرے سے خالی ہوتا۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مولوی حبیب کیرانوی کے ذریعہ ان کی زبانی روایات کو قلمبند کرایا اور اس مجموعہ کو امیر الروایات کے نام سے شائع کرایا۔ بعد میں مولانا محمد حبیب صاحب متعلم دارالعلوم دیوبند کے جمع کردہ حالات مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا تھانوی کے موقوفات اور بعض دوسرے اتفاقات کے ساتھ یہ مجموعہ ارواح ثلاثہ کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں سید صاحب، شاہ اسماعیل صاحب اور مولانا عجز لہی صاحب کے متعلق نہایت کارآمد معلومات کا ذخیرہ ہے۔ میرت سید احمد شاہ و شاہ م ۳۸۹۔

امیر الروایات کی مذکورہ بالا حکایت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ اجتماعت ایک مرکز

سید احمد شہید اُن کے سامنے اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر سکتے تھے بلکہ اجتماعی فیصلہ حکومت کر رہا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۶) دکھتا ہے۔ تو وہ شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ ہے۔ اور شاہ اسحاق، رئیس، امیر شہید، چونکہ عسکری نظام کے سرکار ہیں۔ اور وہ زمانہ لشکر جمع کرنے کا ہے۔ اس لئے بیرونی مدرسہ انہیں کو صدارت حاصل تھی۔ ۱۲ محمد نورا الحق۔

۱۵۶ء | کا تعلق ہماری سیاسی تاریخ سے نہایت ہی قوی ہے۔ یہ ہندو ہی مقام ہے جہاں حاشیہ نمبر ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ھ فرقتِ ولی اللہیہ کے ”مقدمۃ الجیوش“ نے جسے امام عبدالعزیز دہلوی نے تیار کیا تھا۔ اپنی حکومت موقتہ قائم کی۔ اُس کے رئیس امیر شہید دہلوی تھے جو مسلمان نے بیعت کی اور انہیں امیر مان لیا گیا۔ اتفاق سے یہ تاریخ ۱۰ جنوری ۱۸۲۶ء کے موافق تھی۔ اسلئے ہمارا اٹھسی قومی نوروز اس واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ۱۰ جنوری کو منایا جائے گا۔ جس قدر ہندوستانی مسلمان کی قومی روح پیدا ہوگی اُسی انداز سے وہ ہماری تجویز کی تائید کریں گے۔

سرجان ایلینٹ نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہند دریلئے سندھ کے کنالے پر مشہور و معروف ہے ایک سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ لاہور اور پشاور کے قدیم شامع اعظم پر پشاور سے تیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہ مشرقی قندھار کا دار السلطنت تھا۔ ابو الغدار، البیرونی، بیہقی نے سکندر اعظم کو اس کا بانی قرار دیا ہے پہلے اس کو بھنڈہ سے یاد کیا گیا ہے۔ اب اس کو ہنڈ کہتے ہیں کتاب التہمید وقف ثانی ۱۲ محمد نورا الحق۔ سحر۔ ۷ نومبر ۱۹۴۱ء

۱۲ شعبان ۱۲۲۳ھ بروز یکشنبہ بمقام غار مولانا عبدالحی نے بعارضہ بواسیر انتقال کیا۔ جو اس جماعت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔ حدیث۔ م۔ ۴۵

سید احمد شہید ایک روز صبح کی نماز میں دوسری رکعت میں اگر شریک ہوئے۔ نماز سے فالج ہو کر موافقہ الحاج نے ”ما بائ اقوام انہ کے طور پر فرمایا۔ کہ ایسے لوگ جو سنت کے احیا

۱۵۸
ہندوستان کی وفات کے بعد تحریک میں ایک اساسی تغیر پیدا ہوا۔ ہندوستانی
انقلاب کی جو خصوصیت اس تحریک کے ذاتیات میں داخل تھی۔ وہ تقیید کمزور

(بقیہ صفحہ ۱۵۷) کے مدعی ہیں۔ وہ جماعت میں بھی صحیح طور پر حاضر نہیں ہو سکتے۔ سید صاحب نے فرمایا: مولانا! آپ کا یہ ارشاد سچی بات ہے۔ اور ہم سے پھر ایسی کوتاہی نہیں ہوگی۔ اور یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس طرح ٹولیں۔ مولانا عبدالحی نے کہا کہ یہ عذر صحیح نہیں ہے۔ آپ کو صحیح طور پر کام کرنا چاہئے۔ ہر روز کون ٹوک سکتا ہے، امام بنتے ہو تو آگے بڑھ کر کام کرو۔

جب مولانا عبدالحی کا آخری وقت تھا۔ تو سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ مولانا آپ کی اگر کوئی خواہش ہو تو میں اس کو پورا کر دوں۔ آپ نے کہا۔ آپ اپنا قدم بڑھا کر میرے سینے پر رکھیں یہی ایک خواہش باقی ہے۔ سید صاحب نے اس کی تعمیل کر دی۔ الغرض ادب بھی انتہا درجہ کا ملحوظ رہا۔ اور ان کو قاعدے کے اندر پابند رکھنے کی قوت بھی ہے۔

یہ ہر دو واقعے ہیں مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم نے سنائے۔ غالباً انہوں نے مولانا محمد قاسم یا مولانا رشید احمد صاحب سے سنے ہوں گے۔

۱۵۹
 ۱۵۹ یعنی ہندوستانی مجاہد اس لئے نکلے تھے۔ کہ شاہ عبدالغفر کا ایک فیصلہ پورا کریں جیسے امام ولی اللہ نے مرہٹوں کے خلاف افغانوں کو بلایا۔ اسی طرح امام عبدالغفر نے سکھوں کے خلاف افغانوں کو بلانا چاہتے تھے۔ پنجاب کی باغی حکومت کو ختم کر کے، کابل اور دہلی کا اتصال پیدا کرنا مستقبل کی ترقی کے لئے ایک ضروری اساس تھا۔ اسی پر ساری تحریک چل رہی تھی۔ اس کو دہلی اور ہندوستان سے خصوصی تعلق تھا۔ مذاہب صاحب اور ان کے مجاہدین کو دہلی کے مرکز کے تابع ہو کر کام کرنا چاہئے۔ اور کوہ پور اور آدمی دہلی سے بھیجے جاتے ہیں۔ یعنی سارا مقصد دہلی کی آزادی کو مستحکم بنانا ہے۔ سید صاحب غلیفہ کھلانے لگے۔ اور ساری دنیا کے ایک بڑے مہم جوئے کے لئے لگے۔ اگر افغان نہ ہوتے۔ نہ لئے ان کی اطاعت نہ بھی فرض ہے۔ تو بخارا، ترکستان اور دوسرے ممالک بھی

ہوتی گئی۔ یعنی ماوراء السند کا مرکز مستقل بنکر دہلی سے سرکشی اور بغاوت کر رہا ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ خرب ولی اللہ کی حکومت کا طریقہ بورڈ کی حکومت سے شخصی امامت (ڈکٹیٹر شپ) میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح امیر شہید امیر المومنین اور دنیا کے اسلام کے مصلح خلیفہ ملنے گئے۔

اب خرب ولی اللہ کی خصوصیات پر زور نہیں دیا جاتا۔ بلکہ نجدی اور یہی طریقوں پر کام کرنے والے ہندوستانی خفیہ فقہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے جس سے افغانوں کو ان مجاہدین سے مذہبی عداوت پیدا ہو گئی۔

امیر شہید نے بارہا کوشش کر کے علماء افغانہ اور عوام کو یقین دلایا کہ امیر اور اُن کا خاندان ہمیشہ محققین خفیہ کے طریقہ کا پابند رہا ہے۔ مگر خرب ولی اللہ کی امتیازی خصوصیات تسلیم نہ کرنے والے لوگ اس پابندی کو قبول نہ کرتے اور معاملہ روز بروز بگڑتا گیا۔

جملہ معترضہ | امام ولی اللہ اگرچہ اپنے والد کی طرح خفیہ مذہب کے

رہنما (صفحہ ۱۵۸)۔ اُن کی اطاعت سے سکدوش نہیں ہو سکتے۔ سب کے لئے اُن کا تسلیم کرنا مذہبی فریضہ ہے۔ امیر شہید کو اس طرح امام مہدی کے درجے کے قریب لانے کی کوشش کی گئی۔ اس سے مرکز یعنی دہلی کی حکومت جاتی رہی۔ ہمارے خیال میں اس تمام تر تغیر میں کہی بہادری، پوہنٹ پیل کو بڑا دخل ہے۔ علامہ ولی اللہ انفس انعامین منہ میں نکلتے ہیں۔ محفی نامہ کہ حضرت ریشاں دراکٹر امیر

بقیہ صفحہ ۱۵۹ ہوائی مذہب حنفی محل میں کر دے۔ الا بعض چیزیں کہ بحسب حدیث یا وجہ ان، ہند مذہب
دیگر ترجیح میں یا قندہ ازاں جملہ آنت کہ در اقداسورہ فاتحہ میں خوانندہ۔ و در جہانہ نیز۔
قال الامام فی فیوض الحرمین۔ و تاملتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ایّ مذہب
من مذہب الفقه یعیل لا یبعہ و اتہسل بہ فاذا المذاہب کلہا عندہ علی
السواء۔ لیس علم الفروع فی حالتہ ہذا من دیدن روحہ الکریمہ۔ م م م
عرفتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الخنفی طریقۃ ایقہ
ہے اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری اصحاباً
وذلك ان یؤخذ من اقوال الثلثة قول اقربہم بہا فی المسئلة۔ ثم بعد ذلك
یتبع اختیارات الفقہاء الخنفیین الذین كانوا من علماء الحدیث۔ قرب شئی سکت
عند الثلثة فی الاصول وما تعرضوا النفیہ و دلت الاحادیث علیہ۔ فلیس بد من
اثباتہ۔ و اکل مذہب حنفی۔ م م م

و نفیر فی نفیہ اخری۔ فبین ان مراد الحق فیہ ان یجمع شملاً من شمل الامة
المرحومة بک۔ فانک ان تخالف القوم فی الفروع فانه مناقضہ لمراد الحق۔ ثم کشف لی
انموذجاً ظہری منہ کیفیۃ تطبیق السنة بعقہ الخنفیۃ من الاخذ بقول الثلثة
و تخصیص عموماً اہم والوقوف علی مقاصدہم والاقتصار علی ما یفہم من لفظ
السنة و لیس فیہ تاویل بعید۔ ولا ضرب بعض الاحادیث ببعض ولا رفض حدیث
صحیحہ بقول احد من الامة و ہذا الطریقۃ ان الہما اللہ و اکلہا فہی الکبریٰ
الاحمر و الاکثیر الاکسیر الاعظم۔ م م م۔ م م م۔

تفصیلات کے لئے۔ رسالہ امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف: اور تذکرہ
شاہ ولی اللہ طبع الفرقان پبلیکیشنز سے ہو۔

پابند تھے۔ مگر حنفی اور شافعی دونوں مذاہبوں کی کتاب میں محققین کی طرح پڑاتے تھے انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے اصول حکمت کے موافق حدیث کی شرح لکھی ہے اس میں بعض اوقات وہ شافعی مذہب کو۔ اگر وہ حدیث اور حکمت کے زیادہ موافق ہو۔ راجح قرار دیتے ہیں۔

جب مولانا محمد اسماعیل شہید نے حجۃ اللہ امام عبدالعزیز سے پڑھی۔ تو اپنے جد امجد کے طریقہ پر عمل شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کی جو حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرے۔ اور وہ شافعیہ کی طرح رفع یدین۔ اور آمین بالجہر وغیرہ سنن پر عمل کرتے تھے۔ اس سے دہلی کے عوام میں شورش بھپیتی رہی۔ مگر مذہب دلی اللہ کا کوئی عالم ان پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

جب افغانی علاقے میں ہجرت کا فیصلہ ہوا۔ تو امیر شہید نے مولانا اسماعیل شہید سے دریافت کیا۔ کہ مولانا! آپ رفع یدین کیوں کرتے ہیں؟ مولانا نے کہا: رضائے

لے مولانا محمد خان راہ آبادی ایک دفعہ دہلی تشریف لائے۔ شاہ ولی اللہ صاحب سے ملاقات کرنا مقصد تھا۔ اتفاقاً ایک مسجد میں نماز پڑھی اور رفع یدین کر بیٹھے۔ عوام ان کے سر ہو گئے۔ نزاع نے نازک صورت اختیار کر لی۔ بیجوم ان کو شاہ صاحب کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے برا فروختہ بیجوم سے نہایت نرمی سے فرمایا۔ کہ احادیث صحیحہ میں اس طرح بھی وارد ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو کچلے گئے۔ بعد ازاں شاہ صاحب نے مولانا سے فرمایا۔ کہ حکیم وہ نہیں جو عوام کو خواہ مخواہ اپنے خلاف کرے۔

حاصل کرنے کے لئے امیر شہید نے کہا کہ مولانا اب رضا اللہی کے لئے رفع یدین کہنا چھوڑ دیجئے۔ اس کے بعد مولانا شہید کی خاص جماعت نے بھی اُن کی اطاعت میں اعمال چھوڑ دیئے۔

مگر وہ لوگ جو نجدی اور یمنی علماء کے شاگرد تھے، باز نہ آئے۔ اور انہیں لوگوں کے بیجا اصرار نے مشکلات پیدا کر دیں۔ امیر شہید نے اُن کے رہنما کو جو محمد اسمعیل اور امام شوکانی دونوں کا شاگرد اور زیدی شیعہ تھا۔ اپنی جماعت سے بٹکوا دیا۔ مگر فساد کی آگ بھڑک رہی تھی (جملہ معترضہ ختم ہوا)

جملہ معترضہ | اس کے ساتھ ایک دوسرا جملہ معترضہ بھی لکھنا ضروری ہے۔ تاکہ آج کی اصطلاح کے مطابق یہ نزاع سمجھنا آسان ہو جائے۔ آج کل نیشنل اور انٹرنیشنل جماعتوں کے اختلافات یورپ کی سیاست میں مرکزی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ ایک ملک میں ایک نیشنل پارٹی ہے۔ جو انٹرنیشنل رجحان رکھتی ہے دوسری پارٹی انٹرنیشنل نظریے کو اساس اولیں بناتی ہے، عام لوگوں کی نگاہیں ان میں فرق نہیں کرتیں۔ مگر وہ آپس میں مل کر کام کر نہیں سکتیں، بلکہ غالب پارٹی مغلوب جماعت کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

لے یہ روایت امیر شاہ خاں مرحوم کی زبانی ہم تک پہنچے۔
لے مثلاً روس میں ٹروٹسکی کی جماعت انٹرنیشنل نظریے رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ ٹروٹسکی

اسی طرح حزب دلی اللہ کو ایک نیشنل پارٹی سمجھنا چاہئے جو انٹرنیشنل رجحان رکھتی ہے۔ اور ان ہندوستانوں کو جو نجدی، یمنی، ذہنیت رکھتے ہیں ایسی پارٹی سمجھنا چاہئے جو انٹرنیشنل نقطہ نظر کو اساس قرار دیتی ہے۔ افغانی قومیں چونکہ خاص نیشنل پروگرام مانتی ہیں۔ وہ حزب دلی اللہ کے معتدل حصے سے متبدل ہو سکتی ہیں۔ مگر انٹرنیشنل اصول کو اساس اول بنانے والے لوگوں کے ساتھ مل نہیں سکتیں (دوسرا جملہ معترضہ بھی ختم ہوا)

شرفار افغانستان دوسری مسلم قوموں کے شرفار سے رشتہ ناطہ کرنا معیوب ہے نہیں سمجھتے۔ جمہورین اپنے ساتھ اہل و عیال تو لے نہیں گئے تھے جب افغانی علاقے

(بقیہ صفحہ ۱۶۴) یہودی النسل ہے۔ اس کے مقابلہ میں شالین جو خالص ہادی ہے۔ کی جماعت انٹرنیشنل میلان رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شالین نے ٹروٹسکی کی ساری جماعت کو جو عموماً یہودی تھے قتل کرادیا۔ اسی طرح اسلام ایک انٹرنیشنل تحریک ہے۔ اور عربی، ترکی، ایرانی ہندی نیشنل تحریکیں ہیں، ایک عرب جو اسلامی میلان رکھتا ہے۔ یا ایک ہندی جو اتحاد اسلام کی فکر رکھتا ہے۔ یہ تو مثال ہوگی شالین کی اور ایک ایسا آدمی جو سوائے اتحاد اسلام کے اور کوئی چیز نہیں مانتا۔ جیسے یمنی نجدی تحریکوں سے متاثر ہندوستانی۔ یہ مثال ہے ٹروٹسکی کی۔ کیونکہ وہ بحیرہ اسلام کے سب چیزوں کو نہیں مانتے ہندوستانی عربیت، وغیرہ ان کے ہاں کوئی چیز نہیں ہے۔

لہذا ان اردو جماعتوں میں دیکھئے امام عبد العزیز کی تربیت یافتہ جماعت، اور یمنی نجدی طریقے پر چلنے والے ہندوستانی، اختلافات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔

۱۶۴ کے جملہ میں سید شہید نے ایک خاتون سے نکاح کیا جس کو سلیمان بادشاہ شاہ شہزاد

میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ تو اُن کی شادی بیاہ افغانوں میں ہوتا رہا۔ مگر امیر شہید کے چوائے خلافت کی اشاعت کرنے والے ہندوستانی اپنی حاکمانہ قوت دکھا کر، برہمپوترا افغان لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے۔ اس بابے میں بھی زیادہ مجرم وہی لوگ ہیں جو حزبِ ولی اللہ کے تربیت یافتہ سپاہی نہیں تھے۔ اور اپنے مذہبی جوش میں اپنے فکر کے مقابلے میں امیر کی اطاعت بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ کلاطاحہ تلخوٹی فی معصیۃ الخالق کا اصول غلط استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی مثال یورپ کے انارکسٹوں کی سی تھی جو اس انقلابی جماعت کے ساتھ شریک ہو گئے تھے اور اُن انقلابیوں کو سخت نقصان پہنچا کر رہے۔

دقیقہ صفحہ ۱۶۲ نے سید صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اُن کے بطن سے ایک صاحبزادی کا جوہ پیدا ہوئی۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد یہ خاتون ٹونک چلی آئیں۔ سنہ ۱۳۰۰ھ میں ٹونک میں وفات پائی۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔

لے حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مذاق کے مخالف کوئی حکم بھی ہو۔ اس کو نہیں مانتے۔ خواہ وہ حکم امیر ہی کیوں نہ جسے۔ وہ افغان لڑکیوں سے بجز نکاح کرنے کا واقعہ سیرت احمدیہ میں ان گول مول الفاظ سے مذکور ہے۔ ہندوستان کے عام خاندانوں کی طرح افغانستان اور سرحد میں عام وواج تھا کہ سچاؤں کا نکاح ثانی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود نکاح میں اس قسم کی پابندیاں قائم تھیں۔ کہ کنواری لڑکیاں بیٹھے بیٹھے عمر گزار دیتی تھیں۔ سید صاحب نے نکاح بچگانہ اور دوسری برہمنی رسم کے قطع قیص کے لئے حکم دیا۔ اس سے بہت سے خاندان اور امرانا راض ہوئے۔ اُن کی مخالفت کے آباب میں سے ایک یہ بھی بڑا سبب تھا۔ ۱۸۹۰۔

۵۔ جس دن سے امیر شہید افغانوں کے امیر بنے۔ اُسی وقت سے بغاوت کا چنگاری اس اجتماع میں علقتی رہی ہے۔ اگر معاہدہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم افغانوں کا امیر افغان بناتے اور اُسے امیر شہید کے پورڈ کا ایک ممبر بنا دیتے۔ اس طرح دونوں قومیں مل کر جہاد کرتی رہتیں۔

سید احمد الامیر الشہید کو زہر دیا گیا | جب افغانی علاقے میں ایک آزاد پناہ حاصل ہو گئی۔ تو ضرورت تھی۔ کہ قلم و نسق اور شرعی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک امام مطلق (امیر المؤمنین۔ امیر عسکر سے بہت بڑا۔ نور) منتخب کیا جائے تاکہ مال عقیمت کی تقسیم میں بے قاعدگی نہ ہو۔ بالاتفاق امیر شہید کو امامت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو آپ کے ہاتھ پر امامت اور خلافت کی بیعت ہوئی۔ اور خطبہ آپ کے نام کا جاری ہوا۔ عید الفضحیٰ ۱۲۴۲ھ کو آپ نے پنجاب کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ ۵۰ ش۔ ۴۳ھ۔ ۴۴ھ۔ ۴۵ھ بقاؤ کی چنگاری الخ اعلان امامت کے بعد چند روز سرداران پشاور شکر اور توپ خانے کے فوجیوں کے قریب سرداران مقام پرسکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے سید صاحب کا زیر قیادت حفر ہوئے۔ ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس وقت سرداران پشاور سرداران سہہ اور مجاہدین ہند کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ جو امیر شہید کے حکم سے ہر قربانی کو تیار تھے سرداران پشاور کو بظاہر سید صاحب کے ہمراہ تھے۔ مگر وہ ان کی امامت کو اپنی سرداری کے لئے پیام مرگ یقین کرتے تھے اس بنا پر وہ سکھوں سے بھی ساز باز رکھتے تھے۔ تاکہ سرداری بہر حال باقی رہ سکے۔ عین اسی وقت جبکہ میدان کا زار گرم ہونے والا ہے۔ بعضیں آناستہ ہیں۔ جولانا اسماعیل سید صاحب کو لینے کے لئے خیمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ سید صاحب بیہوش پڑے ہیں۔ قے جاری ہے۔ بظاہر یہ زہر کا اثر ہے۔ جمعہ کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ اور صبح لڑائی شروع ہوئی۔ تو سرداران پشاور کے جو دستے

ہم نے اپنے فکر کا عملی تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کہ اس سے وہ تمام فسادات
رک جاتے ہیں جو امیر شہید کی جماعت کے لئے سوا بان و مرج بنے رہے۔ باوجود
ان قتلوں کے سکھوں سے لڑائیاں بھی ہوتی رہیں! اور افغانوں سے بھی لڑتے رہے۔

بقیہ صفحہ ۱۶) پہاڑیوں سے سکھوں پر بند و قول اور توپوں سے خاکہ کر رہے تھے۔ افسوس کہ ان میں خالی بارود بھری جاتی تھی۔ سید صاحب گو میدان جنگ میں گئے۔ مگر اس نے آپ پر آٹھ روز تک بیہوشی طاری رہی۔ سائرس کے متعلق موجب تفتیش شروع ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ زہر کھلانے والے دلی محمد اور نذر محمد کشمیری شیعہ تھے۔ جو بارود خاں سردار پشاور کے نوکر تھے۔ کھانا پکانے کے لئے یا محمد نے ان کو امیر شہید کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کچھ مٹی اور گندہ بریوں میں زہر ملا کر عین جنگ کے وقت کھلا دیا۔ مگر امیر شہید نے گرفتاری کے بعد ہر دو مجرموں کو معاف کر دیا۔ مگر ان پشاور کی خداری کے بعد آپ نے تبلیغ و تالیف کا سلسلہ وسیع کر دیا۔ تاکہ قلوب کو زیادہ مائل کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ نے مع فوج علاقہ نمبر سوات وغیرہ کا دورہ کیا۔ ۱۰۔ ش۔ م۔ ۱۳۲۶ھ۔

لے کابل میں جب ہم افغانی حکومت کے اندر رہ کر کام کرتے تھے۔ تو ہمارے دست و بازو ہندوستانی، افغانی تعلیم یافتہ نوجوان ہر دو تھے۔ ہم نے اس میں اسی طرح کے معاملات پیدا ہوتے دیکھے۔ جیسے امیر شہید کے لشکر میں پیدا ہو چکے تھے۔ تو ہم نے اُن کے انداد کے لئے مسیحی کی۔ ہم نے بجز افغانوں کے۔ اُن کا سرواڑہ کسی اور کو بننے نہیں دیا۔ اور ان کی تمام ضرورتوں میں ہم اُن کے ویسے ہی معاون رہے۔ حکومت ہم نے اُن پر نہیں کی۔ اور امداد کرتے رہے۔ اس سے ہمارے سارے معاملات درست رہے۔

(فائدہ) جب ہم ہندوستان سے نکلے تھے۔ تو اتحاد اسلام کے حامی تھے یعنی انٹرنیشنل پروگرام رکھتے تھے۔ مگر جب ہم واپس آئے۔ تو اس وقت فالس نیشنلسٹ ہیں۔ یہ سبق ہمیں کابل کی زندگی نے سکھایا ہے۔

شیخ احمد الامیر الشہید کی افغانوں سے لڑائیاں | (ڈنگہ کا شجر، مولانا شہید کی قیادت میں ہری سنگھ نلوہ کی

فوج پر مارا گیا۔ اور تین سو سکھ اور سات بھادر کام آئے۔ بعد ازاں بیگ شکاری واقع ہوئی۔ چاہرین سنگھ جب روانہ ہو چکے۔ تو ابھی باقی ماندہ حضرات کھانے پینے میں معروف تھے کہ سکھوں کے ہڈے لشکر نے حملہ کر دیا۔ حضرت شہید نے بارہ آدمیوں سے اُن پر حملہ کیا جس سے تقریباً سو سکھ مارے گئے۔ اور بارہ آدمی سلامت رہے۔ البتہ مولانا شہید کی انگلی پر گولی لگی۔ ۲۴ مئی ۱۸۴۲ء ش۔ ح

(افغانوں سے جنگ اتان زئی کی لڑائی، سرداران پشاور کا جذبہ غنا بڑھتا گیا۔ چار ہزار فوج اور دو توپیں لے کر دیانے نڈل سے عبور کر کے بمقام اتان زئی آپہنچے۔ امیر شہید بمقام غنا قیام فرما تھے۔ سید صاحب ارباب بہرام خاں۔ ارباب مجید خاں وغیرہ خوانین۔ اور سمر و سوزات کے سرداروں سے شروع کر کے دو جانب سے سرداران پشاور کے لشکر پر بجوں مارا۔ اور غنیمت کو شکست ہوئی۔ اس کے علاوہ غادی کی بغاوت، انٹور افرانسیسی کی جنگ۔ جسے سکھوں نے فوج کی کمان دے کر بھیجا۔ اور اس نے شکست کھائی اور پنجوین ہند جس میں غادی خاں گولی کا نشانہ بنا۔ یہ واقعات تفصیل سے ش۔ ح ۲۴ مئی میں موجود ہیں۔ وہاں ملاحظہ ہوں۔

غادی خاں کے قتل کے بعد اس کے بھائی امیر خاں نے اندرونی طور پر سرداران پشاور کو دبا دھوکا دیا۔ اور غیرہ سے ساز باز شروع کر دی۔ مگر نظر اہر سید صاحب کی خدمت میں رہتا تھا۔ یا ر محمد خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر امیر خاں کی ریاست میں اپنے لشکر جمع کرنے شروع کر دیے۔ بعدہ ایک لشکر لے کر حدو توپ۔ اور کچھ فوجی اور اونٹ لے کر نہایت کرد فخر سے خود بھی میدان میں آپہنچا۔ اور اعلان جنگ کر دیا۔ (جنگ زیدہ) ۵ ربیع الاول ۱۲۶۵ھ کو بروز دوشنبہ یا ر محمد خاں کا لشکر زیدہ پہنچا۔ مولانا محمد اسماعیل نے جاننا زوں کا لشکر لے کر یکایک حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے اُن کی توپوں پر قبضہ کر لیا اور توپوں کی مشکلیں کس لیں۔ یا ر محمد خاں اس اثناء میں عالم بے خبری میں نوگزاتار حسینوں کے ساتھ پیش و طرب میں مشغول تھا۔ کہ زخمی ہوا۔ اور موضع دو ڈھیر میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو گیا۔ پشاور نہ جاسکا۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) یار محمد خاں کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد خاں جوش انتقام سے اٹھ اٹھا ہو گیا اور قلعہ ہٹھک پر قبضہ کر لیا۔ سید صاحب باوجود یکہ سکھوں سے تربیلا کے مقام پر آڑا لٹھے، آپ سنتے ہی ہٹھک کی طرف متوجہ ہوئے۔ سلطان محمد خاں سید صاحب کی آمد سنتے ہی بھاگا۔ مگر سکھوں نے امیر خاں برادر خاں کی آغوش پر ہٹھک پر قبضہ کر لیا (جنگ میاں ہوتی ہوان کا خان، مہسی احمد خان نکاح ہو گان اور دوسرے غیر شرعی رسوم پر جو نکاح کے متعلق افغانوں میں رائج تھیں، سید صاحب سے ناواقف تھا۔ وہ سردارانِ پشاور کے پاس پہنچا۔ اور اُن کو بھڑکا کر جنگ کے لئے تیار کیا۔ افغانوں کا یہ لشکر پڑھتے پڑھتے میاں پینچا اور سید صاحب مولانا اسماعیل وغیرہ کے ساتھ خود غورچے لے کر میدان میں آئے۔ چند گھنٹے کی جنگ کے بعد پشاور کی سرداروں کو شکست ہوئی۔ وہ لوگ مردوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جنگ پشاور، میاں کی فتح کے بعد ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ پشاور کو تسخیر کر لیا جائے۔ جو ان کا مرکز تھا۔ پشاور کی سلطان محمد خاں وغیرہ کی حیثیت سے متنفر تھے۔ سب سے سید صاحب کو سرانگھوں پر رکھا۔ سابقہ جنگوں میں شکست اور عوام کی بڑھتی ہوئی حقیقت نے سلطان محمد خاں کی ہمت پست کر دی۔ اس نے اربابِ فیض اللہ خاں احمد کے ذریعہ توبہ کی درخواست کی۔ جماعت کی مرضی کے خلاف آپ نے یہ درخواست بردار دیر منظور کر لی۔ اب حاکم پشاور کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا۔ اس موقع پر ارباب بہرام خاں وغیرہ نے خود اپنے لئے درخواست کی۔ مگر سید صاحب نے پشاور کی حکومت اور ولایت کا پروانہ اس کو عطا کر کے پشاور کا حاکم بنا دیا۔ سید صاحب نے مولانا سید ظہیر علی کو شہر کا قاضی مقرر کیا۔ اور مولانا قمر الدین کو محبہ خیل اور حضرت کے محل کی امداد کے لئے پشاور بھیج دیا۔ اب سید صاحب اور مجاہدین کی حدود حکومت سرحد کے بڑے علاقہ پر محیط ہو گئی اس کے بعد سلطان محمد خاں نے خدایا کی کہ سب سے پہلے قاضی صاحب نذکور کو مع ارباب فیض اللہ خاں کے قتل کر دیا۔ یہ فیض اللہ خاں وہی ہے جس نے سلطان محمد خاں کی توبہ منظور کرائی تھی۔ (قتل عام، ایک رات مجاہدین نے دیکھا کہ پہاڑیوں پر اور قریہ بقرہ اونچے مکانات پر جاگ جلائی جا رہی ہے۔ اور عوام خوشیاں منا رہے ہیں۔ مجاہدین نے اس کا سبب دریافت کیا تو بتایا گیا۔ کہ یہ سب مایہ سرکار کی ادائیگی کی تیاری ہے تاکہ فصل صاف کر کے کل حشر ادا کیا جائے۔ لیکن ایک ہی رات میں

۴۔ پشاور کے افغان سردار نے امیر شہید سے راکر شکست کھائی۔ اس کے حزب
 ولی اللہ کا ایک صوبے کی حکومت پر قبضہ ہو گیا۔ امام عبد الغفر نے کے تربیت یافتہ علماء
 حکومت کے مناصب پر مقرر ہوئے۔ چند دنوں میں حزب ولی اللہ نے ایسے نمونے
 کی حکومت قائم کر دی جس کی نظیر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ یہ حکومت باسانی سندھ تک
 وسیع ہو کر ماوراء السند کو انقلاب کا مستقل مرکز بنا دیتی۔

۵۔ شکست خوردہ افغان خاندان امیر شہید کے پاس تائب ہو کر آیا۔ اور معافی
 مانگ کر اس نے ملک واپس لینا چاہا۔ اس پر امیر شہید راضی ہو گئے۔ اس موقع پر
 جماعت مجاہدین کے خواص و عوام سب کے سب متفق الکلمہ تھے۔ کہ فیصلہ غلط
 ہے۔ مولانا اسماعیل امین دوستانی اور افغانی اہل الرائے نے پورا زور صرف کیا۔ کہ
 امیر شہید یہ غلطی نہ کریں۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی :

دقیقہ صفحہ ۱۶۸، کہیں عشا کی نماز کے وقت۔ کہیں نصف شب کے وقت، کہیں صبح کی نماز کے وقت
 تمام مجاہدین تحصیلداروں وغیرہ حکام کو ذبح کر دیا گیا۔ حدیث۔ م ۱۵۔

لے سوانح احمدیہ کا مصنف امیر شہید کا خاص دلدادہ ہے۔ مگر یہاں پنچکر اس نے واقعات
 نہیں چھپائے۔ امیر شہید پر جماعت جس قدر زور دیا۔ سب کو اس نے مفصل لکھ دیا ہے۔ بہرام خاں
 افغان مہند تھا۔ اس نے امیر شہید سے کہا کہ اگر آپ حکومت نہیں چھو سکتے تو مجھے امیر بنا دیجئے میں
 اپنی قوم کے زور سے اس خاندان سے لڑونگا۔ اور مجاہدین کے کام کے لئے آپ جس قدر امداد میرے
 ذمہ لگائیں گے۔ میں اس کو پورا کروں گا۔ بہرام خاں نہایت غلط شخص ہے۔ اور اپنی قومی طاقت

۸۔ اس خاندان نے حکومت واپس لیتے ہی افغانوں کے قومی جذبات کو ابھار کر ایسی سازش کا انتظام کر لیا کہ ہر ہر قریب کے لوگوں نے ایک ہی رات میں انقلابی حکومت کے تمام سرکاروں اور سپاہیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ کابل میں قیام کے زمانے میں ہم نے اس فتنہ کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لی ہیں اس کی ابتدا خویشگی کے اس خان سے ہوئی جس کی لڑکی کا جبر انکسارچ ہوا تھا۔ اس میں زیادہ رہنمائی کرنے والا خشک کا خان تھا جس سے خویشگی خان نے صلح کر لی تھی۔

بقیہ صفحہ ۱۶۹، لکھتا ہے مولانا شہید کا خاص رفیق اور ولی دوست ہے۔ بقولی مولف سوانح احمد امیر شہید نے اس کی بھی نہ سنی۔ اول تو افغانوں سے لڑنا ہرگز نہیں چاہئے تھا۔ اور جب لڑکر مرکز فتح کر لیا تھا۔ تو واپس دینا ہر صورت غلط تھا۔ یہ ایسی غلطی ہے کہ کوئی اہل الرائے اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ان ہردو خواتین کی باہمی پشتی عداوت تھی جب خویشگی کے خان کی لڑکی کا ایک ہندوئی سے جبر انکسارچ کیا گیا۔ تو اس نے خان خشک سے کہا کہ میں نے اب اپنا دعویٰ چھوڑ دیا ہے۔ اب سوال تنگ افغانی کا ہے۔ بہاری باہمی صلح ہے۔ تم میری امداد کرو۔ خان خشک کی نوجوان لڑکی تھی۔ خان خشک نے پیغام پہنچتے ہی اسی مجلس میں اپنی دو شیرہ لڑکی کو بلایا۔ اور سر دربار اس کے سر سے کپڑا اتار دیا۔ اہد کہا کہ آج سے تیری کوئی عزت باقی نہیں رہی۔ جب تک اس افغان لڑکی کا انتقام نہیں لیا جاتا تیری عزت ہیچ محض ہے۔ اس کے بعد خان خشک کی یہ لڑکی اس فتنہ کے خاتمہ تک ہموارنگے سر رہی ہے۔ آج کو ایک جماعت اس کے ساتھ جاتی اور ایک گاؤں میں عورتوں مردوں کو جمع کر کے پشتو میں تنگ افغان کے متعلق لوگوں کو بھڑکاتی۔ دوسری رات دوسرے گاؤں میں جاتی۔ اس طرح اس نے تمام افغانی علاقہ میں شورش منظم کر دی۔ اس پر ایک مہینہ رات میں سب سرکاروں کو قتل کر دیا گیا۔ اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

۹۔ امیر شہید اس واقعہ سے (کہ قاضی مفتی۔ حاکم۔ سپاہی۔ غرض ساری جماعت قتل کر دی گئی،) بہت متاثر ہوئے۔ اور اپنا فوجی مرکز کشمیر میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ بالاکوٹ ریلوے کی ایک منزل تھی۔ سکھوں کے ولی عہد شیر سنگھ نے حملہ کر دیا۔ فوج ایسے میدان میں گھمچکی تھی۔ کہ نہ کوئی سردار باقی رہا تھا۔ نہ سپاہی تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امیر شہید کا سر کاٹ کر رنجیت سنگھ کو دکھانے کے لئے لاہور لایا گیا۔ بغیر سر کے امیر کا جنازہ مولانا محمد اسماعیل شہید کے جنازے کے ساتھ بالاکوٹ میں دفن ہوا ہے۔

امیر شہید کی شہادت | اس خونین واقعہ کے بعد سید صاحب نے ارادہ کر لیا۔ کہ اس بد نصیب سرزمین سے ہجرت کر لی جائے۔ جس قدر مجاہدین موجود تھے۔ ان کے روبرو اپنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں اب اس سرزمین کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ نہیں بٹا سکتا کہ کہاں جاؤں گا۔ میں آپ کو رخصت دیتا ہوں۔ آپ مجھے رخصت دیں۔ مجاہدین نے کہا کہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اس پر اپنے کشمیر کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۱۲۶۶ء کا ہے۔ پختہ راور محمد کے غلصہ عقیدت مند کئی منزل تک آپ کے ساتھ گئے۔ سید صاحب و مہمانان میں پہنچے۔ وہاں سے اپنے چار سو مجاہدین کا لشکر زیر قیادت مولانا شہید اور مولانا خیر الدین شیر کوٹی درہ بھوکر منک روانہ کیا۔ یہاں شیر سنگھ میں ہزار فوج کے ساتھ مال گزاری وصول کرنے کے لئے پڑا ہوا تھا۔ مجاہدین کا شجون کامیاب رہا۔ اور وہاں کے لوگوں نے مالیر سکھوں کی بجائے مجاہدین کو ادا کیا۔ جو ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ درہ مذکور سے بڑھ کر مولانا شہید نے بالاکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ ان ایام میں شیر سنگھ سلطان نجات خاں رئیس مظفر آباد کے ساتھ پٹنہ وریا ہوا تھا۔ مظفر آباد سکھوں کا فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔

یہ واقعہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو پیش آیا۔ جب امام ولی اللہ کی تحریک پر پورا
سو برس گزر چکا تھا۔ امام ولی اللہ نے ۵ مئی ۱۸۳۱ء کو کام شروع کیا تھا۔ اور
صدی کے آخر میں، اُس کے بے نظیر پوتے، اور اُس کے رفقاء نے شہید ہو کر
تحریک کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ ۵

ہرگز نہیں رو آنکہ دلش زندہ شد بمشقت

ثبت است بر جسریدہ عالم دوام ما

۱۰۔ ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر

(بقیہ صفحہ ۱۶) مولانا شہید نے خیر الدین، ملا قطب الدین اور منصور خاں قندھاری کو فوج دے کر مظفر آباد
ردانہ کیا۔ غوریز جنگ کے بعد مظفر آباد فتح ہوا۔ شیر سنگھ کو جب اس کی اطلاع پہنچی، تو وہ گڑھی حبیب
آیا جو مظفر آباد اور بالا کوٹ کے درمیان ہے۔ بالا کوٹ گویا ایک قدرتی قلعہ ہے جس کو چاروں طرف
سے بلند پہاڑوں کی دیواروں نے گھیر رکھا ہے۔ ایک بد بخت مسلمان کی رہنمائی سے شیر سنگھ دشوار گزار درو
سے چھٹنگتا ہوا ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں صرف ستر چار ہڈ پرہ دے رہے تھے۔ ان سب کو شہید کر کے شیر سنگھ
کی میں ہزار ایک محصور مقام پر ہزار بارہ سو کی جماعت سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ نشیبی علاقہ میں مجاہدین
تھے۔ اور بندیوں پر سکھ دست بدست لڑائی کے علاوہ سکھوں کی بھاری جمعیت پہاڑوں سے گولیوں
کی بارش برسا رہی تھی۔ سید صاحب مولانا شہید ارباب ہرام اور دوسرے جان نثار مجاہدین سکھوں کی فوج
میں گھس گئے۔ اور سب نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۳۱ء کا ہے
بروز جمعہ وقت نماز جمعہ شہادت کے وقت سید صاحب کی عمر ۴۶ سال کی تھی۔ اور مولانا شہید
کی عمر ۳۵ سال۔ ۵۔ م۔ ش۔ م۔ ۱۲۴۶ھ۔

رہی تھی۔ مگر اس نے بیک تجارتی لباس میں ستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا۔ واقعہ بالاکوٹ سے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں ایک سخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اُن فی ذلک لعدۃ اولی الالباب۔

اس تحریک کے متعلق ہم نے المسوی کے مقدمہ میں ایک حاشیہ لکھا تھا۔ اُسے یہاں نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ یہ نسخہ مکہ معظمہ میں طبع ہو چکا ہے۔
 النهضة التي قام بها الامام عبدالعزیز الدہلوی ارتقت
 من سنة ۱۲۴۲ الى الحكومة الموقرة الهندیة فی جبال الافغانین

لے دو سال تک یہ لوگ دیکھتے رہے کہ آیا یہ تحریک پھر اٹھتی ہے یا نہ؟ جب دیکھا کہ تحریک قطعاً ختم ہو چکی ہے تو انہوں نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔

الامیر الشہید کی تحریک کے حقیقی بانی | یعنی سید صاحب کو برہی کشف و کرامت کا مالک بنا کر اس ساری جماعت کا امام بنوا یا

گیا ہے۔ یہ چیز حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں کشف و کرامت کا تذکرہ ہی کیا ہے! اصل امام عبد العزیز ہے۔ وہ امام عبد العزیز کی جماعت کے سپاہی تھے۔ وہ فوجی جرنیل کے فرائض اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں۔ ان سے غلطی ہوئی، خدا تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ غرض ہم مدت سے اصل شاہ عبد العزیز کو مانتے ہیں۔ یہی غرض اس قطعہ کے نقل کرنے سے ہے۔ سید صاحب کی بزدلی میں مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل کا اشتراک ہے۔ کیا ان کو سید صاحب نے تیار کیا تھا؟ ہرگز نہیں یہ لوگ امام عبد العزیز کے تربیت یافتہ تھے۔ سید صاحب کو روپوش شاہ اسحاق صاحب بھیجتے ہیں۔ کیا ان کو سید صاحب نے تیار کیا تھا؟ یہ سدا کام امام عبد العزیز کا تھا۔ انہوں نے آدمی تیار کئے۔ پروگرام بنایا۔ انہوں نے

من حدود الهند۔ ورئیس تلك الحكومة الشرعية كان
 امیر المومنین السيد احمد الدهلوی (الامیر الشہید) و
 صدارة وزرائها تستند الى مولانا عبدالحی الدهلوی (الصد
 السعید) والامور الحربية والسياسية كانت موكولة
 الى مولانا محمد اسماعیل الدهلوی (الصد الشہید) واما الامو
 التي تشبه الداخلية من جميع الاموال وحشد الرجال

بقیہ مقررہ کام شروع کیا۔ پھر غلطیاں اس قدر ہوئیں کہ ان کا لفظی نتیجہ شکست تھا۔ پہلے زمانے
 میں ہم یہاں پہنچ کر رو لیتے۔ اور زمانے کی شکایتیں کرتے کہ لوگ اسلام سے بہت دور ہو گئے ہیں مگر
 یوں ہی انقلابی تحریکوں کی تاریخ پڑھنے سے ہماری تمام خدشات رفع ہو گئے ہیں۔ اس طرح کی
 انقلابی تحریکیں بار بار شکست کھاتی ہیں۔ تب جا کر کہیں برگ وبار لاتی ہیں۔ اور اپنا مقام حاصل کرتی ہیں
 ہم اس سلسلے کو زندہ ملتے ہیں۔ مولانا شیخ الہند کی محبت کا یہی خصوصی فیض ہے جو ہماری
 سیاسی حاجت کو پورا کر گیا۔ مولانا شیخ الہند کی محبت میں رہ کر ہم اس تحریک کے خفیہ کاموں سے
 کافی واقفیت رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تحریک اپنے آپ کو دوبارہ تیار کر رہی ہے
 ہمیں مولانا شیخ الہند نے قابل بھیجا۔ تو ان کی پچاس سالہ محنت کا نتیجہ کامیابی سے ہم نے دیکھ لیا۔
 امیر امان اللہ خاں کا بروئے کار آنا۔ مولانا شیخ الہند کی جماعت کے کام کی ایک برکت ہے۔
 وہ پھر شکست کھا جاتا ہے۔ مگر ہم نہیں گھبراتے۔ اس کی شکست کا نتیجہ ہمارا وہ مستقل پروگرام ہے
 جسے ہم انڈین نیشنل کانگریس میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس کے انخفا کی کوئی ضرورت
 نہیں ہے۔

وغيرهما فكان وكيلها في الدلهي مولانا محمد اسحاق الصديق
 الحميد، وفي السابع والعشرين من ذي القعدة سنة ١٢٧٢ هـ الموافق
 ١٨ مايو سنة ١٩٥٣ استشهد الامير واصحابه في بالاكوٹ قريته
 على حدود کشمير۔ کتبہ عبید اللہ بن الاسلام السندھی
 الدیوبندی۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین +

یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعہ بالا کوٹ پر امام ولی اللہ اور امام عبدالغفریہ
 کی اجتماعی تحریک کا لیکر دور ختم ہو گیا۔ لیکن چالاک ماریخ نویس اس واقعہ کو خود
 تحریک کا خاتمہ قرار دینا چاہتا ہے۔ وہ پہلے امیر شہید کی عظمت پر زور دے کر
 اُن کو ساری تحریک کا ماں باپ ثابت کرتا ہے۔ اُس کے خیال میں اس تحریک
 کی اس قدر کامیابی میں نہ امام عبدالغفریہ کا دخل تھا۔ اور نہ امام ولی اللہ کا۔
 اور نہ پشاور کی حکومت موقتہ کو دہلی میں مولانا محمد اسحاق کی امامت یا صدارت
 سے (جو روپیہ اور مجاہدین پہنچانے کی ذمہ دار تھی) کوئی تعلق تھا۔ اس کے بعد
 وہ آسانی سے امیر کی شہادت سے تحریک کے ختم ہونے کا نتیجہ نکال لیتے ہیں +

۱۷۵۔ سبھی عین کی تاریخ محفوظ ہے۔ اسے انگریزی جرنل میں تطبیق دی جائے۔ تو پہلے ہم ماہ مئی ۱۹۵۳
 کرتے رہے، مگر دوسری جرنل کی جگہ سے وہ ۶ مئی عین ہوتی ہے۔

عبید اللہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

امام ولی اللہ کی تحریک کا دوسرا دور

(جو صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی نے ۱۲۴۶ھ میں شروع کیا اور ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کی وفات پر ختم ہوا)
صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی نے بالاکوٹ کے واقعہ کے بعد گیارہ سال کے غور و فکر سے امام ولی اللہ کی اجتماعی تحریک کا نیا پروگرام مکمل کر لیا۔

لے امیر شہید اور مولانا شہید کی شہادت سے تقریباً گیارہ سال بعد ۱۲۶۶ھ میں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب دُن کے بھائی نے اپنے متبعین اور متوسلین سمیت ہندوستان سے ہجرت کر کے حرم محترم کو اپنا نشیمن بنالیا۔

مولانا شاہ عبدالغنی بن ابی سعید غری کو اجماع ہندوستان ہی چھوڑا گیا۔ آپ کی عمر منور پچیس سال کی تھی۔ تقریباً ۱۲۶۵ھ ۱۸۵۲ھ میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی اور شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہی نے سلسلہ احادیث نبویہ شاہ عبدالغنی سے فیوض و کمالات کا اکتساب کیا۔

اُن کے پروگرام کے دو اصول زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

الف، حنفی مذہب کی پابندی۔

ب، اورتر کی سلطنت سے اتصال۔

الف، صدر الحمید کا قطعی فیصلہ تھا کہ سب سے پہلے تحریک کو اس عنصر سے پاک کر دیا جائے جو امام ولی اللہ امام عبدالعزیز کے اصول اور طریقہ کار کو کاملاً تسلیم نہیں کرنا۔ اس طرح حزب ولی اللہ کا نظام عرب کی مبنی بخدی تحریکوں سے علیحدہ ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے اہم عنصر پشتونوں کو بھی مطمئن رکھ سکتا ہے۔

مدرسہ دیوبند پہلی درس گاہ ہے جس نے مدرسہ دہلی کے بعد اس اصول پر کام شروع کیا۔ دیوبندی نظام نے پچاس سال میں جس طرح کامیابی حاصل کی ہے

واقعہ منقولہ ۱۷۷۷ء اور خدمت میں رہ کر وہ تمام برکتیں حاصل کیں جو ایک مقدس استاد سے حاصل کی جاسکتی ہیں
شاہ عبدالغنی اور شاہ احمد سعید دہلی میں مولانا محمد اسحاق کی نایندگی کرتے رہے۔ اس اثنا میں سنہ ۱۸۵۷ء کا
ہنگامہ پیش آیا ماسی ہنگامہ میں اپنے ہندوستان سے ہجرت فرمائی۔ اور ۶ محرم ۱۲۹۵ھ بمطابق سال مذہبیہ
طبیعیہ میں وفات پائی۔ ۵۶۲ھ و ۶۶۹ھ۔ شاہ عبدالغنی کا ترجمہ ایجاد العلوم ص ۹۲۹ میں ملاحظہ ہو۔

مدرسہ دیوبند کی تاسیس | ائمۃ الحزب الدہلوی اجتماع نے انجاء و اسمعوا
علی تاسیس مدارس و دینیۃ جامعۃ فی الہند علی

بقیہ صفحہ ۱۷۸) تمثال المدرستہ الدہلویۃ۔ الیٰی اسست فی زمان الامام عبد العزیز
وكان المدرسون بها الصدر السعيد مولانا عبد الحی الدہلوی ثم شیخ
مشائخنا الشیخ رشید الدین الدہلوی ولہ ترحیمۃ فی اربع العلوم وقد تربی عن
منہ نور، ثم استاذ الاساتذہ مولانا مملوک العلی الدہلوی۔ وُسدت
بعد المحاربتہ فی سنہ ۱۲۷۰ھ۔

فما قدروا علی ذلک الا فی دیوبند قریباً من دہلی۔ فاشتغلوا بتاسیس
المدرستہ وتکمیلہ من ۱۵ محرم سنہ ۱۲۹۹ھ مئی سنہ ۱۲۹۹ھ ومن تلک الا یام
سمیت الطائفتہ بالدیوبندیۃ وقبل ذلک لا یعرفون الا بالہلویۃ۔
وامراء الطائفتہ کانوا مجتہدین بالحجاز۔ منهم الامیر امداد التانوی و
منہم الامام عبد الغنی الدہلوی۔ وكانوا یریدون تثبیت المکرز الاسلامی فی
الحجاز وتجدید النهضة الهندیۃ فی جبال الافغانہ۔ وكان وکیل الامیر امداد اللہ
فی الہند شیخ شیعنا شیخ الاسلام محمد قاسم النانوتوی۔ توفی سنہ ۱۳۹۶ھ ذکرہ
فی الکملات الامدادیۃ۔ حضرت حاجی صاحب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایسے
سان عطا فرماتے ہیں جنہیں شمس تبریزی کے واسطے مولانا رومی کو سان بنایا۔ اور محمد کو مولانا محمد قاسم سان
عطا ہوئے ہیں جو میرے قلب میں آنا ہے مولانا اس کو بیان کر دیتے ہیں۔ ہ۔ تقام مقامہ شیخ
الاسلام شیخنا رشید احمد النکوہی۔ رئیس الجامعۃ القاسمیۃ۔ وكان شیعنا
شیخ الہند نائب رئیس الجامعۃ ولما توفی شیخ الاسلام رشید احمد فی سنہ ۱۳۲۳ھ
صار شیخنا شیخ الہند رئیس الجامعۃ القاسمیۃ۔ قلت ذکر الشیخ حسین احمد
الدیوبندی عن الامیر امداد اللہ التانوی اند قال۔ مولوی محمود احسن کو کم
نہ سمجھو۔ وہ اپنے زمانے کا شیخ ہوگا۔ ہ۔ کتاب التہذیب فی ائمۃ التجدید مولانا عظیم فیض
محمد نور الحق۔

وہ اس تجدید کی صداقت کے لئے شاہد عدل ہے۔

دب، اس نظام کو پختہ بنانے کے لئے عوام کو بتلایا گیا۔ کہ جس قدر رہنما فقہ حنفی اور ہندوستانی تصوف چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ حقیقت میں شیعہ پارٹی کا کام کرتے ہیں۔ اس زمانے میں ضربِ ولی اللہ کا متوسط طبقہ ہر ایسے انسان کو جو فقہ اور تصوف کا انکار کرتا۔ چھوٹا رافضی سمجھا جاتا ہے۔

دج، اس نظام کو اور زیادہ مستحکم بنانے کے لئے صدر الحمید نے ترکی خلافت سے اشتراک پیدا کرنا ضروری سمجھا۔ اور وہ اپنا مرکز مکہ معظمہ لے گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ کہ بیمینی نجدی تحریکیں دوبارہ معاملہ بگاڑ نہیں سکیں گی۔

۲۔ صدر الحمید مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی کو اپنے

لے چھوٹا رافضی۔ شاہ اسحاق کے متبعین جس کو اس قسم کا پاتے عوام سوکتے۔ کہ یہ چھوٹا رافضی ہے۔ یہ جملہ دراصل امیر شہید کا بنایا ہوا ہے۔ مگر کثرت سے استعمال اس کا شاہ اسحاق کے متبعین نے کیا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۲۱ء۔

۳۔ قول جلی شیخ محمد عاشق سے ہم امام ولی اللہ کا ایک امام شاہ اسحاق اور شاہ یعقوب کے بارے میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں اس پر ہم اتنا اضافہ کرتے ہیں۔ کہ امام ولی اللہ کی سیاسی تحریک جو ان کی اولاد ذکور کے ہاتھ میں تھی۔ اس کا سلسلہ مولانا شہید کی شہادت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کو امام ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ پھر ان کی اولاد انات سے شروع ہوگا جیسے امام ولی اللہ نے کام حجاز سے شروع کیا۔ اور ہندوستان آکر اس کی تکمیل میں مل گئے۔ یہ نیا سلسلہ بھی اسی طرز کام کرنے کے لئے حجاز ہی سے اقدام کرے گا۔

اپنے ساتھ لے گئے۔ اور دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت سے مولینا
 قطب الدین دہلوی، مولینا مظفر حسین کاندھلوی، مولینا عبد الغنی دہلوی کو ملا کر
 ایک بورڈ بنا دیا۔ جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی
 نظام پیدا کرے گا۔ یہی جماعت آگے چل کر دیوبندی نظام چلائی ہے۔

مولانا مملوک علی مولانا مملوک علی الشیخ محمد ہاشم الذی ینتہی نسبہ
 الی قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق۔ خطہ السلطان
 شامیہ ان خطا بکورة نانوۃ فاستوطمتها وینع من اولادہ جماعة وھم كانوا
 عمدة الحزب الدہلوی بعد ہجرت الصدار الحمید مولانا محمد اسحاق الی الحجاز۔
 منهم الشیخ العلامة مولانا استاذ العصر مملوک العلی۔ بن احمد بن
 علی۔ بن غلام شرف بن عبد اللہ بن فتم بن محمد مفتی بن عبد السمیع بن الشیخ
 محمد ہاشم۔ النانوتوی الدہلوی۔ اخذ عن الشیخ رشید الدین۔ تقدم فی
 العربیة والفقه وفنون التحصیل علی علماء عصرہ۔ ونصب مدرسا فی دہلی کالج
 بعد شیخہ مولانا رشید الدین۔ اخذ عنہ مولانا محمد مظہر النانوتوی والشیخ
 عبد الرحمن الغانی فتی۔ والشیخ احمد علی السہارنپوری وشیخ الاسلام مولانا
 محمد قاسم النانوتوی وشیخ الاسلام مولانا رشید احمد الکنکوی، والشیخ
 محمد یعقوب ابن مملوک علی وجماعة۔ واخذ عنہ السید احمد الدہلوی مؤسس
 الجامعة الاسلامیة فی علی گڑھ۔ والشیخ نذیر احمد الدہلوی مترجم القرآن
 ولاستاذ ذکاء اللہ۔ وغیرہم من نوابہ العصر فی انار الصنادید۔ جناب مولوی مملوک
 شاگرد مولوی رشید الدین خاں۔ علم مقول ومنقول میں استعداد کامل۔ اور کتب درسیہ کا ایسا اختصار ہے۔

دقیقہ صفحہ احمد کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینہ عالم خالی ہو جائے۔ تو ان کے لوح حافظہ سے پھر ان کی نقل ممکن ہے۔ چودہ پندرہ سال سے مدرسہ شاہ جہان آباد میں عمدہ مدرسہ رکھتے تھے۔ لیکن اب کئی سال سے سرکردہ مدرسین ہیں۔ سو توفی الشیخ ۱۲۷۴ھ۔ ودفن فی مقبرۃ الامام ولی اللہ الدہلوی قلات وولداۃ الشیخ محمد یعقوب صار رئیس المدرسین بالمدارسہ
الدیوبندیۃ۔ وعند اخذ شیخنا الہند۔ تہمید۔

مولانا ملک علی سرکاری مدرسہ کے لازم تھے۔ ان کی نگرانی میں یہ کام شبہات سے بالا رہ کر چل سکتا تھا۔ ورنہ ریڈیٹنٹ کی نظر نہایت تیز تھی۔ مگر مولانا ملک علی کو آزاد کام کرنے والے ساتھی چاہئیں امیر امرا و دانشور اسحاق کے مدرسہ کے پرانے طالب علم اور ان کے دادا مولوی نصیر الدین کے شاگرد ہیں۔ ان کی طبیعت عالمانہ رنگ کی نہ تھی۔ امیر شہید سے ملتی جلتی طبیعت رکھتے تھے۔ اس لئے وہ سید صاحب کا نمونہ تھے۔ مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد ان کے ساتھ اس طرح کام کرتے رہے۔ جیسے امیر شہید کے ساتھ مولانا عبدالحی اور مولانا شہید تھے۔

الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی | شیخ قطب الدین وہی نواب قطب الدین خاں
ہیں۔ وقد مر ترجمتہ۔ توفی ۱۲۸۵ھ

بالمدينة المنورة۔ واما الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی فكان ورعاً تقياً اما زاً بالمعروف وناهياً عن المنکر اخذ عن حمہ المقتی الہی بخش وعن الصبر والحمید مولانا محمد اسحاق واسترشد عن مولانا محمد یعقوب الدہلوی۔ وكان ثابته في الہند۔ وهو الذي اجلس شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم الدیوبندی علی منبر الوعظ۔ توفی ۱۲۸۳ھ ودفن بالبقیعہ کتاب تہمید۔ رہے مولانا عبد الغنی ان کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ مزید حالات کے لئے دیکھو یا نعم جانی ۱۵ قلات اخذ عند الحدیث من مشائخنا الدیوبندیۃ۔ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم وشیخ الاسلام مولانا رشید الدیوبندیۃ۔ وكان مأمورة مولانا رفیع الدین مدنی الامور العامة في دار العلوم الدیوبندیۃ۔ تہمید ۱۲ محمد نور الحق۔ ۹ نومبر ۱۳۹۲ھ

دیوبندی نظام | دیوبندی جماعت اور اس کی سیاسی مصلحت سمجھنے کے لئے اس حقیقت کو مستحضر کر لینا چاہئے۔ کہ جس دیوبندی جماعت کا تعارف ہم کرنا چاہتے ہیں وہ اس دہلوی جماعت کا دوسرا نام ہے جو مولانا محمد اسحاق کی ہجرت کے بعد اُن کے متبعین نے اُن کی مالی اعانت اور اُن کے افکار کی اشاعت کے لئے بنائی تھی۔ اس جماعت کی صدارت سب سے پہلے استاذ اساتذہ العند مولانا مملوک علی صدر مدرس دہلی کالج کے لئے مخصوص رہی اُن کے بعد مولانا اسحاق نے مولانا امداد اللہ کو اس کام کے لئے مقرر کیا:

مولانا امداد اللہ | مولانا امداد اللہ بالجوامع بین الشریعة والطریقة المجتہد فی اعلاء کلمۃ اللہ۔ الشیخ الامام امداد اللہ الفاروقی۔ ولد سنہ ۱۲۳۰ھ فی نانوتہ اخذ عن الشیخ محمد قلندر۔ والشیخ محمد بخش الکا ندھلوی واخذ عن الشیخ نصیر الدین الدہلوی الامیر بعد شہادۃ الامیر الشہید امداد اللہ استشهد الامیر واکابر اصحابہ فی بالاکوٹ۔ اجتمع من بقی منهم علی امارۃ الامیر نصیر الدین وهو الذی پایعہ الامیر امداد اللہ اولاً حاشیہ تنہید، واخذ عن الشیخ نور محمد الجنبیا نوری عن الامیر الشہید تقی فی الشیخ نور محمد سنہ ۱۲۵۹ھ ورجع الامیر امداد اللہ الی الحرمین فی سنہ ۱۲۵۷ھ وبقی الشیخ محمد اسحاق واخذ عن طریق الدعوة۔ ثم عاد الی الهند فی سنہ ۱۲۶۲ھ رکان اسمہ الشیخ امداد حسین۔ فغیرہ الشیخ محمد اسحاق وسماہ امداد اللہ حاشیہ تنہید، وقصدۃ الناس من اطراف البلاد واجتمع علیہ اکابر من اهل العلم

مولانا محمد اسحاق نے اولاً مکہ معظمہ پہنچ کر پوری آزادی سے اپنی ہندوستانی
تحریک کی بہمائی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس پر دولت عثمانیہ کی وزارت خارجہ
کو ان کے اخراج پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس بیرونی دباؤ کے غمضہ سے
نجات حاصل کرنے کے لئے مولانا محمد اسحاق نے شیخ الحرم کو واسطہ بنایا اور

بقیہ صفحہ ۱۸۲، مثل مولانا محمد قاسم و مولانا رشید احمد۔ والشیخ فیض الحسن
السیہارنفوری۔ و جمیع کبیر من علماء الہند۔ وفی ایام محاربتہ دہلی کان
امیران غزوہ شاملی۔ ثم خرج مختصیلاً مہاجراً فوصل الی الحرمین
فے ۱۲۶۶ و اقام بمکہ و کان امیر المائتۃ الدیوبندیہ۔ توفی ۱۳۱۳
کتاب تہمید *

لے حضرت سید صاحب اور مولانا شہید نے ۱۲۳۸ھ و ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۶ء و ۱۸۲۷ء یعنی
ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک حجاز میں قیام فرمایا۔ اس سے پہلے حجاز پر ترکوں کا ۱۸۱۸ء میں کامل
تسلط ہو چکا تھا۔ مولانا شہید نے نجدیوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا تھا، مگر وہ چونکہ حجاز میں نہیں آسکتے تھے
انہوں نے نامہ برد کو واپس کر دیا کہ ہم اس وقت دھلے سوا اور کوئی اعانت نہیں کر سکتے۔ یہ واقعہ مکہ معظمہ
میں نجد کے ثقہ عالموں سے معلوم ہوا۔

وہی تحریک کو جس قدر زور بخند تحریک سے ملاتے ہیں۔ ان میں سے موافقین تو ناواقفی کا
شکار ہوئے۔ اور مخالفین نے اپنی سیاسی شرارت کے لئے اسے وسیلہ بنایا۔

ہا کوٹ کے بعد علاوہ علمی اختلافات کے سیاسی اصول پر بھی دونوں تحریکیں نہیں مل سکتیں
نجدی اور مبنی عرب ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوست ہیں۔ اور ترکوں کے مخالف تھے۔ صدر الحمید نے
دوست عثمانیہ سے تعلق پیدا کر کے عربی تحریکیں سے قطعاً علیحدہ رہنا ضروری سمجھا۔

ایک پناہ گیر کے طور پر حجاز میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس اجازت کے شروط میں یہ ضروری فیصلہ بھی داخل تھا کہ مولینا محمد اسحاق دولت عثمانیہ کی سیاسی رہنمائی پر کمالاً اعتماد کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے اتباع میں ان کی معاون دہلی جماعت نے بھی اس فیصلہ کو قبول کر لیا۔ تاکہ انہیں اپنے کام سے ربط رکھنے میں آسانی ہو۔

یہ دہلوی جماعت اس وقت تک اپنے گھر ہی میں کام کرتی رہی۔ جب تک دہلی کا شاہی اقتدار بحال رہا۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں جب اس پرانی انقلابی تحریک کو جو تعلیمی لباس میں کام کرتی رہی تھی۔ اپنے موطن میں اپنا وجود سمجھانا ممکن نہ رہا۔ تو اس کا مرکز ایسے شہر میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جو انگریزی حکومت کے قانونی احاطہ میں واقع ہو۔

اس جماعت کی مرکزی قوت ایک اختلاف کی بنا پر (جو ایام محاربہ میں سلطان کی طرفاری اور غیر جانبداری سے پیدا ہوا تھا)، دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور دہلی کے حوض۔ دیوبند علی گڑھ۔ دو مرکز بن گئے جس طرح مولینا محمد قاسم دہلی کالج کے عربی حصہ کو دیوبندے گئے اسی طرح سر سید احمد خاں نے دہلی کالج کے انگریزی حصہ کو علی گڑھ پہنچا دیا۔

کالج پارٹی انگریزی حکومت کے ساتھ پورے اشتراک کے بغیر اپنا کام شروع ہی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اُس نے برٹش گورنمنٹ کی وفاداری کو اپنی سیاسی مصلحت کا جز بنا لیا۔

مگر دیوبندی جماعت دہو مولینا محمد اسحق کے زمانہ سے دولت عثمانیہ کو اپنی سیاسی رہنما مان چکی تھی، اضطراری حالات کے سوا حکومت کی کامل وفاداری کا اعلان نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے معتدل حالات میں برطانوی سیاسی مصالح سے بغیر جانب داری کو اپنا مسلک بنایا۔ لیکن یہ بغیر جانب داری بھی اس وقت قطعاً ختم کر دی جائے گی جب دولت عثمانیہ اور دولت برکات میں لڑائی کا فیصلہ ہو جائے گا۔

ہم مولانا شیخ السند کو اپنے مشائخ اربعہ مولانا امجد الدین مولانا محمد نسیم

رحمۃ اللہ علیہ اخذ عن استاذ الاساتذہ مولانا معلول علی۔ اخذ عن
الشیخ رشید الدین۔ اخذ عن الامام عبد العزیز طریقۃ التحریر ویرج فیہ
واخذ عن الامام عبد القادر والصدر السعید عبد الحی۔ لکنہ لازم الامام
دفع الدین۔ فالسید احمد الدہلوی مؤسس الجامعة فی علی گڑھ مولی اللہ
فیہ کتاب التہدید۔

مولانا محمد قاسم | هو الشیخ ابو الہاشم محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ

مولانا محمد یعقوب یوبندی اور مولانا رشید احمد کا جانشین ملتے ہیں۔ ہم اٹھارہ سال تک ان کی صحبتِ خاصہ میں رہ کر ان کے سیاسی مسلک کو سمجھتے اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں جس قدر ہم اس یوبندی مسلک کو سمجھ سکے ہیں اس کا خلاصہ ہم نے اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے، واللہ المستعان

بقیہ صفحہ ۱۸۶، بن محمد بن علاء الدین بن محمد قثم بن محمد مفتی بن عبد السمیع بن محمد ہاشم النانوتوی، تولد ۱۲۳۰ھ۔ واخذ عن عمہ مولانا مملوک علی و الشیخ عبد الغنی و الشیخ احمد علی و الامیر امداد اللہ و جماعۃ۔ اسس دارالعلوم الدیوبندیہ فی ۱۲۸۳ھ و شرعوا فی تاسیس مدرستہ العلوم بعلی گڑھ من ۲۲ مئی ۱۳۵۵ھ موافق ۱۳۹۲ھ و کان من المجتہدین علی راس المائۃ الرابعۃ عشر و هو الذی وفق لتقمیص العلوم الولی اللہیۃ بالعقصر الجدیدۃ الہندیۃ۔ واخذ عنہ جمع منہم شیخنا شیخ الہند و کان امام الحریکۃ الملیۃ فی درجتہا الثالثۃ۔ الی یخلص فیہا عن اختلاط الامراء۔ فان الاحتماد فی دعوتہ مولانا محمد قاسم ما کان علی الامراء و اصحب الثروتۃ بل علی اللہ و علی الضعفاء۔ توفی ۱۳۹۴ھ و کان شہیداً بالصبر و الشہید۔

مولانا رشید احمد گنگوہی | و اما شیخ الاسلام گنگوہی
فہو ابو مسعود۔ رشید احمد

بن ہدایت اللہ الانصاری۔ ولد ۱۲۴۲ھ۔ واخذ عن مولانا مملوک علی و الشیخ عبد الغنی و الشیخ احمد سعید و الامیر امداد اللہ و جماعۃ۔ انی

وبقية من ١٨٤٤ أخذت عنه قطعة كبيرة من سنن أبي داود - تفقهها - ونفعني الله
 بها. ولصحة الشيخة أثر في نفسي - يمنعني عن التحول عن مسلكه وتجلى لي
 الطريقة الولي اللهية فعرفت مواضع الفقه والسلوك - ومواضع العربية
 والاصول والمعقول من الكتاب والسنة - ورايت بعيني راسي اما ما متقنا
 مجتهدا في مذهب الامام أبي حنيفة - وكان شيخنا جليل الاستقامة على طريقة
 شيخه الامام عبد الغني الدهلوي وكان في الهيا شبيها بالصديق الحميد مولانا محمد علي
 الدهلوي - اخذت معنى السنة والبدعة عن كتابه البراهين القاطعة وصنفه
 ذبا عن ايضاح الحق للصديق الشهيد (١) كان امير الطائفة الديوبندية بعد
 الامير امداد الله - واما ما بعد الامام محمد قاسم اخذ عنه اكثر من ثلث فاية
 مشائخ علوم الدين - توفي سنة ١٣٢٣ هـ.

واما شيخ الهند فهو استاذي وفي العلوم
مولانا محمود الحسن عليه اعتمادى مولانا محمود الحسن بن

دي القادر على الاموي الديوبندي - ولد سنة ١٢٦٨ هـ سنة ١٨٥٢ اخذ عن ابيه وعمه
 مبادئ الكتب - ولما اسس المعهد العلمي بديوبند سنة ١٢٨٣ هـ اخذ عن مولانا
 محمد يعقوب بن معلوك العلي - ومولانا محمود الديوبندي - ولازم شيخه
 الاسلام محمد قاسم وبرز تخرج واستجاز من مولانا احمد علي والشيخ محمد مظفر
 النانوتوي - والشيخ عبد الرحمن القايتي ساطين الطائفة الديوبندية -
 فاجازوه - وكل استجاز له شيخ الاسلام محمد قاسم عن الشيخ عبد الغني لما حضر
 عنده في المدينة المنورة فاجازوه - وكل اخذ عن الامير امداد الله تبعا لمرشخه
 الذين تخرجوا على مولانا محمد قاسم قاق عليهم ثلثة منهم - وكان شيخنا شيخ
 الهند اسد الثلاثة حبا للشيخه - واكثرهم معرفة به وابقا قاله - وانا قرأت عليه -

جملہ معترضہ | واقعہ بالا کوٹ کے بعد امام عبدالعزیز کی جمعیت مرکزیہ کا کوئی رکن، بجز صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی کے باقی نہیں رہا تھا۔ انہوں نے حقیقت حال سے واقف ہو کر اپنے رفقا کے ساتھ مشورہ کیا۔ اور ابقاء تحریک کے لئے راستہ بنایا۔ اور اپنی عقل اور ہمت کے موافق اس کو چلایا۔ خدا نے اسے قبول فرما کر اس میں برکت دی۔ اُن کے اتباع جیسے حالات پیش آتے گئے۔ اپنے قدم آگے بڑھاتے گئے۔ اس سوسائٹی نے تقریباً سو سال تک اس راستہ پر چلنے کی محنت برداشت کی ہے۔ تب اُن کی نوٹے سالہ مشقتوں کا نتیجہ دیوبندی نظام نکلا ہے۔

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ دہلی سے باہر جس قدر جماعتیں خربہ لی اللہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُن تمام جماعتوں نے صدر الحمید کی رہنمائی پر اتفاق کر

»بقیہ صفحہ ۱۸« مسجۃ الاسلام الشیخ الاسلام محمد قاسم۔ قرأت فی بعض الاجیان ان العلم والایمان ینزل فی قلبی والذی اعتقد فی حق شیخ الہند انه کان ذکی الفطرة من المفہمین فی اصطلاح الامام ولی اللہ۔ وكان الغالب علیہ اتباع الشیخ نسبة التواضع والانکسار التي سیمیها الامام ولی اللہ نسبة اهل البيت توفي شیخ الہند فی ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بعد مائتہ سنۃ من وفات الامام عبد العزیز الدہلوی۔ کتاب التتمہ ص ۲۲۵۔

کیا تھا۔ بلکہ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ کہ بالاکوٹ کی مصیبت عظمیٰ اپنے پیچھے اپنی مستقل یادگار چھوڑ گئی ہے۔ وہ بڑے انشقاق الجماعۃ یعنی اس کے بعد حزبِ ولی اللہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گیا جس تفصیل کے ساتھ ہم دہلوی (دیوبندی)، پارٹی کے حالات جانتے ہیں اس قدر صداقتپور، ٹپنہ کی تحریک سے آشنا نہیں۔ ترمیم بحث کے لئے ہم اس دوسری پارٹی کے محل حالات بیان کرتے ہیں۔

مولانا ولایت علی رئیس حزبِ صداقتپوری

بعد ملك الواقعة
الهائلة راي

شہادۃ الامیر، بايع من بقى منهم في بالاکوٹ علی امارۃ الامیر نصیر الدین الدہلوی ختن مولانا محمد اسحاق۔ وحدث في جماعة الامیر نصیر الدین الانشقا الفکری بسبب عدم وجدان جنازة الامیر الشهيد في القتلى فانقسموا الى طائفتين اهل الحل والعقد منهم استيقنوا بالشهادة وشرذمة قليلة اصروا علی الانكار وشبوا الدعایة لا نشطاً رجعتہ۔ وهذا الذي حدث في المعركة تاثر منه الانصار في الهند۔ فالصدر محمد اسحق واصحابہ في دہلی كانوا قائلين بالشهادة۔ والامیر ولایت علی العظیم ابادی۔ صداقتپوری کان یعتقد بغیوبة الامام۔ ومولانا ولایت علی کان من عظماء خواص اصحاب الصدر الشهيد وكان لامیر الشهيد یرسلہ داعیاً الى الجهاد في الهند۔ وما كان حاضراً في بالاکوٹ فما استیقن بالشهادة۔ فعظم الافتراق۔ والمخالفون من

رَبْقِيَّةً صَغِيرَةً ١١٩٠ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا يَفْخُحُونَ عَلَيْهِمْ. وَالْكَفَّارُ يَتَغْلِبُونَ عَلَى الْيَلَادِ يَوْمًا
فِي يَوْمًا. وَالصِّدِّيقُ رَمَوْلًا نَاحِدًا اسْتَحَقَّ وَاصْحَابُهُ. دَاوُدُ وَمُوسَى عَلَى أَعْمَالِهِمْ إِلَى سَنَةِ ١٢٥٥
لَكِنْ مَا قَدَّرُوا عَلَى رَفْعِ الشَّقَاقِ فَهَاجَرَ الشَّيْخُ إِلَى الْحِجَازِ فَتَوَفَّى فِي مَكَّةَ سَنَةَ ١٢٦٢
وَبَعْدَ مَا تَوَفَّى ظَهَرَ فِي الْمَقْتَسِبِينَ إِلَى الطَّرِيقَةِ الْوَلِيِّ اللَّهِ الطَّائِفَاتِ -
الْحَزْبُ الدَّهْلَوِي. وَالْحَزْبُ الصَّادِقِي بَوْرِي -

وَالْأَمِيرُ وَلايَتِ عَلَى انْضَمَّ إِلَيْهِ عَامَّةُ الشَّرْقِيِّينَ مِنَ الْبَهَارِ وَالْبَنْتَالَةِ وَ
قَامَ إِلَى تَجْدِيدِ بَيْعَةِ الْجِهَادِ بِحُلٍّ أَقَامَتْهُ صَادِقِي بَوْرِي فِي سَنَةِ ١٢٦٥ وَدَعَا إِلَى نَفْسِهِ لَدَى
خَلِيفَةِ الْأَمِيرِ الْغَائِبِ وَانْضَمَّ إِلَيْهِ الشَّيْخُ عَبْدُ الْحَقِّ بْنُ فَضْلِ اللَّهِ الْبَنْتَالِي رَسَى
الَّذِي يَنْتَسِبُ إِلَى الصِّدِّيقِ الشَّهِيدِ. وَاخْذَعَ عَنْ الْأَمَامِ الشُّوْكَانِي. فَاسْتَعْلَوْا
فِي تَنْظِيمِ الْحَزْبِ الصَّادِقِي بَوْرِي. لَكِنْ بِسَبَبِ احْتِرَامِ الصِّدِّيقِ مُحَمَّدٍ اسْتَحَقَّ
مَا كَانُوا يُجَاهِرُونَ بِالْدَّعْوَةِ فِي دَهْلِي وَطَرَفِهِ وَالْأَمِيرُ وَلايَتِ عَلَى جَاءَ إِلَى
الْحِجَازِ سَنَةَ ١٢٦٥ وَسَارَ إِلَى الْيَمَنِ وَاخْذَعَ عَنْ الشُّوْكَانِي -

وَبَعْدَ مَا هَاجَرَ الصِّدِّيقُ رَمَوْلًا نَاحِدًا اسْتَحَقَّ أَوْفَدَ الْأَمِيرُ وَلايَتِ عَلَى إِخَاةِ
عَنَائِتِ عَلَى فِي سَنَةِ ١٢٦٥ إِلَى الْبُونِيرِ مَرْكَزِ الْمُنْتَظَرِينَ لِرَجْعَةِ الْأَمِيرِ. وَبَعْدَ مَا تَوَفَّى
الصِّدِّيقُ مُحَمَّدٌ اسْتَحَقَّ. ذَهَبَ الْأَمِيرُ وَلايَتِ عَلَى بِنَفْسِهِ إِلَى الْبُونِيرِ فِي سَنَةِ ١٢٦٢
فَاسْتَقَامَ لَهُ الْأَمْرُ. وَتَوَفَّى الْأَمِيرُ وَلايَتِ عَلَى فِي سَنَةِ ١٢٦٩ ثُمَّ قَامَ مَقَامَهُ الْأَمِيرُ عَنَائِتُ
لَكِنْ مَا حَصَلَ الْإِتْفَاقُ عَلَى الْجِهَادِ وَالْقِتَالِ بَلْ جَلَسُوا مُنْتَظَرِينَ تَوَفَّى سَنَةَ ١٢٦٣ -
وَكَانَ لِأَصْلِ السِّيَاسَةِ لِلصَّادِقِ بَوْرِيِّينَ اعْتِقَادُ غَلِيبِيَّةِ الْأَمِيرِ الشَّهِيدِ
وَمِنْ لَوَازِمِ هَذَا الْأَصْلِ عَدَامُ الْأَشْتِرَاقِ مَعَ أَمْرَاءِ الْمُسْلِمِينَ، وَسُلَاطِينِهِمْ إِذَا
أَقَامُوا لِلْمَحَارِبَةِ الْكُفَّارِ قَبْلَ ظُهُورِ الْأَمَامِ لَكِنْ حَدَثَ فِي أَصْحَابِ الْأَمِيرِ عَنَائِتِ عَلَى
جَمِيعٍ مِنَ الْجَاهِدِينَ مَا وَافَقُوهُمْ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ بَلْ تَوَلَّوْا إِلَى الدَّهْلَوِيِّينَ -

واقعہ بلا کوٹ میں یقینہ السیف مجاہدین کو امیر شہید کا جنازہ نہیں ملا۔
 اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ سکھوں نے امیر شہید کا سر کاٹنے کے بعد مقامی ملاؤں
 کی معرفت فوجی اعزاز کے ساتھ اُسے دفن کرا دیا تھا۔ اس طرح شکست فاش
 کا تصور مجاہدین کے فکر سے کوسوں دور تھا۔ اس اضطراب میں یہ خیال پیدا
 ہوا کہ ہونہو، امیر کہیں غائب ہو گئے ہیں۔

دقیقہ صفحہ ۱۱۹، من اکابر الطائفة الصادقہ واثمہم شیخ الاسلام السید
 نذیر حسین الدہلوی البہاری۔ ولد سنہ ۱۲۲۲ھ واستقر علی اخذ العلوم من سنہ ۱۲۳۳ھ
 فی صادقپور۔ ثم جاء الی دہلی فی سنہ ۱۲۳۳ھ فاخذ عن اصحاب مولانا محمد اسحاق
 ثم استفاد الکثر الطیب من الصداۃ نفسہ۔ وكان من اذکیاء عصرہ۔ جامعاً بین
 العلوم النقلیۃ العقلیۃ والادبیۃ۔ وكان بفتی علی طریقۃ شیخہ متقیماً بالمدھب
 الحنفی وكان نقاداً العالمگیرۃ بین عینیہ کانه یحفظها۔ ولا یمیل الی الصادقپور
 الا قلیلاً۔ لکن بعد سنہ ۱۲۴۲ھ استقل بالاجتہاد۔ وانتسب الی الصداۃ الشہید فی
 اکثر الامور۔

ومنہم الامیر القنوجی لقی الامیر ولایت علی۔ واخذ عن الشیخ عبدالحق
 البنادسی واخذ عن علماء الیمن وكان مشغولاً یجب الشوکافی مکتاب التہجد
 لہ چنانچہ سکھوں کا رسالہ جنازہ کے ساتھ تھا۔ شہر سکھ نے اپنا خاص دو شاہ جنازہ پر ڈالنے کے
 لئے بھیجا۔ اور مقامی ملاؤں سے جنازے کی نماز پڑھوائی اور فوجی اعزاز سے دفن کرایا۔ لیکن مجاہدین اس وقت
 سخت پریشان اور آشفۃ دماغی کا شکار ہو چکے تھے میر میر اپنے معتمدین کے قوت ہو چکے ہیں۔ اسلئے اگر
 ان کو یہ اعزاز اور دفن کا واقعہ معلوم نہ ہو۔ تو حیران بعید نہیں۔

بعض اتفاقی واقعات اس کے مولید بن گئے۔ امیر شہید بالا کوٹ کے واقعہ سے چند روز پیشتر اپنے اصحاب کو وصیت کرتے رہے ہیں۔ کہ اگر بالفرض کسی ضرورت کیلئے ہم چند روز غائب ہو جائیں تو آپ لوگ مایوس نہ ہونگے بلکہ اپنے کام پر مستقل طور پر قائم رہیں۔ درحقیقت وہ اس اشارے اور کٹے سے پیش آنے والے واقعات کے لئے ذہنیتوں کو تیار کرتے تھے۔ مگر پریشان دماغی اس قدر سوچنے کا موقع کب دیتی ہے؟ اس طرح یہ روایت پیدا ہوئی۔ اور محافلوں نے سارے ہندوستان میں پھیلا دی۔ تاکہ تحریک اپنے عمل کے اعتبار سے ختم ہو جائے۔

پٹنہ کے مولانا ولایت علی مرحوم معرکہ بالا کوٹ میں حاضر نہیں تھے۔

دقیقہ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳، قال النواب القنوجی فی ”سج الکراہۃ“ جمعی از عظیم آباد و بیگانہ دربارہ سید برطی مرحوم نیز اس گمانی کردہ اند۔ البی منصب ہمدویت انا کہ بعض از مریدان ایشان پہل حدیث دیں بجمع نمودہ و ایشان را ہمدی وسط قرار دادہ۔ قائل لغیبوبت ایشان در جبال مغربیہ ہند شدہ۔ منتظر عود بودہ اند۔ و اس ذلت عظیم است۔ و کیف کہ سید مرحوم اس دعویٰ کردہ۔ و ایما بہ عود نہ نمودہ۔ و اگر نہ کردہ بیکس تصدیق نہ نمودہ۔ و از کتاب تمہید ص ۲۱۱ مولانا شہید نے حجۃ اللہ پر پٹنہ کے بعد فقط حجۃ اللہ پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنا ئی جو رفیع بدین اور امین بالجہ کیا کرتی تھی۔ مگر امیر شہید کے سمجھنے سے مصلحت عامہ کیلئے وہ جماعت ختم کر دی گئی۔ مولانا ولایت علی اس جماعت کے ممبر تھے۔ اب وہ علمدہ ہو کر دراصل اس جماعت کا احیا مقصد بناتے ہیں۔

وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے۔ جو مولانا شہید نے دہلی میں امام ولی اللہ کے اتباع کے لئے بنائی تھی۔ اور ہجرت کے موقع پر مصلحت عامہ کی رعایت میں ختم کر دی گئی تھی +

مولانا ولایت علی نے مولانا محمد اسحاق صدر حمید کا اصلاحی فکر قبول نہیں کیا۔ اور اس روایت غلبہ کی آڑ میں اپنی مستقل جماعت بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے حجاز کا سفر کیا۔ اور یمن و نجد کی عربی تحریکوں کا مطالعہ کرنے کے لئے اُن ممالک کی سیاحت کرتے رہے۔ اُن کے فکر میں ترکوں سے اتصال کے عوض عربی تحریک سے اتصال زیادہ محبوب تھا جبوقت صدر الحمید دہلی سے حجاز پہنچ گئے۔ اس کے بعد مولانا ولایت علی نے ٹپٹہ میں اپنی مستقل پارٹی کا اعلان کر دیا۔ بخلاف اس کے صدر الحمید نے دہلی میں جو انتظام کیا تھا۔ اُسے کمپنی کے کارندوں سے مخفی رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنا مرکز مولانا مملوک علی کو بنایا تھا۔ جو ایک سرکاری ملازم تھے۔ اور اپنے خاص اصحاب کی جماعت اُن کے تابع کر دی۔ اس طرح مولانا

۱۔ اصلاحی فکر یعنی حنفی مذہب کی پابندی اور ترکوں سے اتصال۔ وہ حنفی مذہب کی پابندی کو حجۃ اللہ کے خلاف اور ترکوں سے اتصال کو منہجیوں اور نجدیوں کے خلاف جانتے تھے۔

ولایت علی کی پارٹی زیادہ نمایاں ہوگئی جس ہندوستانی عالم کو ہندو دنیا
 زیدی شیعہ تھا، امیر شہید نے اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا۔ وہ بھی مولینا
 ولایت علی کے ساتھ شامل ہو گیا۔ نواب صدیق حسن خاں اُسی استاد کے
 توسط سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں مولینا نذیر حسین دہلوی اور مولینا
 عبداللہ غزنوی بھی مولانا ولایت علی کی پارٹی سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔
 اس پارٹی کا مرکزی فکر بھی بتایا جاتا ہے۔ کہ امیر شہید غیر معین عرصے
 کے لئے غائب ہو گئے ہیں۔ اُن کے انتظار میں جہاد کی تیاری کرتے رہنا
 چاہئے۔ وہ ضرور آئیں گے۔ اور انہی کی امامت میں کام کرنے سے ہمیں
 نجات مل سکتی ہے۔

بظاہر یہ فکر نہایت غیر معقول ہے مگر بڑے بڑے عالموں اور صوفیوں
 کا جو ضرب ولی اللہ سے اختصاص رکھتے ہیں۔ اس تحریک کی شمولیت میں
 اُن کا نام بھی لیا جاتا ہے اس لئے اس کی تاویل ہی ہو سکتی ہے کہ عوام دنہ
 خواص کو تحریک کے ساتھ وابستہ رکھنے کیلئے یہ ایک سیاسی چال تھی۔

لے کیونکہ بظاہر مولانا اسحاق ہندوستانی کام چھوڑ گئے تھے۔ اور ان کے بجائے مولانا دلاچیلے
 نے ہم بنی مال بنی مال۔ مگر درحقیقت مولانا اسحاق نے وہاں پہنچ کر بھی وہی کام کیا جو یہاں کیا کرتے تھے۔

مولانا ولایت علی نے ہندوستان کے مشرقی حصہ پر اپنا اثر قائم کر لیا اور افغانی پہاڑوں میں اپنا مستقل مرکز بنایا۔ اُن کی اولاد اب تک اس علاقے میں اپنی امارت اور اپنا مرکز رکھتی ہے۔ مخالفوں کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک چھوٹے پیمانے پر امیر شہید کی حکومت موقتہ کی یادگار ہے ۛ

ہمارا اپنا خیال مولینا ولایت علی کی تحریک کے متعلق یہ ہے کہ وہ مولینا شہید کی اس خاص جماعت کو زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اسی لئے مولانا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن خاں جیسے عالم بھی اُن کا ساتھ دیتے ہیں ۛ
 ۱، مولانا نذیر حسین مولینا ولایت علی کے مدرسہ (صدا و تنہا) پٹنہ کے ابتدائی طالب علم ہیں۔ بہار سے جب دہلی پہنچے تو الصدر الحمید اور اُن کے اصحاب کی صحبت میں ہی علمی تکمیل سے فارغ ہوئے۔ غزوہ دہلی تک مولانا محمد اسحاق کے مسلک کے پابند رہے۔ اُس کے بعد اگرچہ بہ ضرورت نجدی تحریک اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف میلان ظاہر کرتے رہے۔ مگر فتاویٰ عالمگیری کا مشغلہ اور ہدایہ کی تدریس اور وحدۃ الوجود کا فلسفہ اُن کی پرانی ذہنیت کا عنوان آخر تک قائم رہا ۛ

اگر عوارض سے قطع نظر کر لی جائے۔ تو وہ مولانا شہید کی اُس مذکورہ

سوسائٹی کے احیاء کے سوا اور کوئی مقصد نہیں رکھتے تھے +
 حکومت کے اثرات کا ایک نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ کہ مولانا احمد علی سہارنپوری
 کلکتہ میں۔ اور مولانا ندیر حسین دہلی کے مرکز میں بیٹھتے ہیں۔ تاکہ ہر ایک اپنے
 اپنے مرکز میں کام نہ کر سکے +

(۲) نواب صدیق حسن خاں کے والد ماجد مولانا رفیع الدین کے خواص

۱۔ مولانا احمد علی بن لطف اللہ الانصاری۔ اخذ عن مولانا
 عماد علی وعن وحید الدین السہارنپوری۔ وعن الصدراحمید۔ مولانا
 محمد اسحاق الدہلوی ثم بعد الفراغ اشتغل بالتدريس برهة من الزمان۔ ثم
 انشاء المطبعة الاحمدية في دہلی وطبع فيها القرآن العظيم وكتب الحديث بالتعريب
 التام۔ فكان حافظا للحديث على تيجد الحالات في ذلك العصر وكتب تعليقا على
 الصحيح للإمام البخاري۔ واشترك في شيخ الاسلام محمد قاسم الديوبندی وكتب الشيخ
 ذيولا على اكثر كتب الحديث واستفاض به علم الحديث في اطراف الهند۔ واخذ عنه شيخ
 الاسلام مولانا محمد قاسم وشيخنا شيخ الهند۔ توفي سنة ۱۲۹۶ھ۔ تہمید ص ۲۲۶۔
 ۲۔ مولانا حسن بن علی بن لطف اللہ الحمیدنی ذکر تہ ترجمہ حافظہ فی اتحاف
 النبلاء۔ سافر الی دہلی فی سنة ۱۲۳۳ھ وتلمذ علی الشیخ عبد العزیز والشیخ رفیع الدین
 وصحب السید الکبیر العادف السید احمد البریلوی وجاہد معہ فی سبیل
 اللہ۔ توفي سنة ۱۲۵۳ھ

اصحاب میں سے ہیں۔ نواب صاحب نے مولانا صدر الدین ہلوی سے تحصیل کتابیں پڑھی ہیں اور مولانا محمد یعقوب ہلوی سے سند حدیث حاصل کی الحظہ کی تصنیف تک حزب ولی اللہ کے معارف کی ترجمانی کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد اُن کی سیاسی مصلحت نے ان کو امام شوکانی کے اتباع پر مجبور کر دیا۔
 آخر میں اس پارٹی کے مرکزی فکر کے متعلق مولانا ٹمس الحق عظیم آبادی تلمیذ خاص سید نذیر حسین، کی "عون المعبود" سے چند جملے نقل کر کے ہم اس جملہ معترضہ کو ختم کرتے ہیں۔

زعم اکثر العوام وبعض الخواص في حق الغازی لشهيد
 الامام الامجد السيد احمد البريلوي رضي الله عنه انه
 المهدى المحمود، وانه لم يستشهد في معركة الغزويل انه

لہ قلت مراده من بعض الخواص الشيخ الجليل الامير ولايت علی المذکور
 الى هذه العقيدة دعوة حثیثة وتبعه علو ذلك جماعة كبيرة اضلحت
 بالتدريج وهؤلاء هم الذين احتاجوا الى ان يخرجوا من الخفية الحمیة
 الولی اللہیة العزیزة الاسمیة الاسحاقیة، وما دخلوا في محاربة
 دہلی ونسبهم الحزب الصادق پوری واللہ الهادی۔
 کتاب التہید

اختفی عن اعدین الناس وهو حی موجود فی هذا العالم الی
 الان حتی اخرط بعضهم فقال انا لقینا ه فی مکه المعظمه
 حول المطاف ثم قاب بعد ذلك، و یزعمون انه سيعود،
 وهذا غلط وباطل۔ والحق الصحیح ان السید الامام استشهد
 ولم یخف عن اعدین الناس قط والحکایات المردیة فی
 ذلك كلها مکذوبة مخترة۔ وما علم منها فهو محمول علی
محمد حسین۔ وقد طال النزاع فی الامیر السعید الشہید
 من حیاته واختفائه حتی جعلوا جزء العقیدة ویجادون
 من ینکره۔ والی الله المشتکی من ضیع هؤلاء ونعوذ
 بالله من هذه العقیدة المنکرة الواهية۔

۱۳۰۰، الصدر الحمد مولانا محمد اسحق دہلوی کی نئی تنظیم پر پورے تیس
 برس بھی نہیں گزرے تھے۔ کہ دہلی کے آخری بادشاہ کی انگریزی کمپنی
 سے لڑائی ہو گئی۔

الف، سلطان دہلی اگرچہ بظاہر ایک وظیفہ خوار رئیس کی صورت
 میں نظر آتا تھا۔ مگر عام لوگوں کی نظروں میں وہ اب تک سارے

ہندوستان کا موروثی سلطان مانا جاتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی چونکہ اسی کے نام سے عوام پر حکومت کرتی تھی۔ چنانچہ ڈھنڈورے میں کہا جاتا تھا "خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا" اس لئے عوام الناس کی رائے اُسے ملک کا حقیقی مالک ماننے میں تامل نہیں کرتی تھی۔

سقوطِ دہلی کا یہ واقعہ جو ۱۵۵۶ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اسلامی دنیا کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مگر ہماری رائے میں ہندوستانی وہی ہے۔ جو اس ہندوستانی سلطنت کے زوال کو اپنی قومی مصیبت سمجھتا ہے۔ اب، اس داہمیہ کبریٰ میں مولانا محمد اسحاق کی نئی جماعت پھر و حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ الصدر الحمید نے جس طائفہ کو نئی تنظیم میں مرکزی اختیار دے دیے تھے۔ وہ طائفہ تو سلطان دہلی کا طرفدار ہو گیا۔ اور سلطانی تحریک کی شکست کے بعد مولانا محمد اسحاق کی طرح حجاز میں ہنچ گیا۔ چنانچہ امیرِ مدائن اور مولانا عبد الغنی، مولانا محمد یعقوب دہلوی کے ساتھ حجاز میں بیٹھ کر اپنی ہندوستانی تنظیمات کی رہنمائی کرتے رہے۔

(ج) اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا محمد اسحاق کے متبعین کی پہلی صف میں سے علماء اور صوفیہ کا کثیر حصہ سلطان دہلی کی

لڑائی میں غیر جانب دار بن گیا۔ اس کا حاصل یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ الصدر الحمید کی تنظیم کے بالمقابل اگر ٹپنہ میں پارٹی قائم ہو چکی تھی۔ تو اب خود الصدر الحمید کے اپنے فرقہ میں سے ایک مخالف جماعت دہلی میں بھی پیدا ہو گئی مولانا سید نذیر حسین دہلوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی اس دوسری جماعت کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں *

مولانا شیخ محمد تھانوی | تھانہ بھون کے یہ بزرگ مولانا شیخ محمد تھانوی محدث کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی رائے

اس تحریک حریت کے خلاف تھی۔ مولانا حسین احمد صاحب صدر دیوبند نے ایک مرتبہ سہارن پور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ امیر امداد اللہ اور شیخ الاسلام محمد قاسم اور حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ حضرات نے ایک مرتبہ مولانا شیخ محمد کی مسجد میں جا کر جہاد حریت کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ مولانا شیخ محمد نے اہل ہند کی بے سرو سامانی کا ذکر فرما کر جہاد کی مخالفت کی مولانا محمد قاسم نے فرمایا۔ کہ کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ کمزور ہیں؟ امیر امداد اللہ نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا۔ کہ الحمد للہ انشراح ہو گیا۔ اور واپس آکر جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ امیر امداد اللہ نے امامت قبول کی۔ اور شیخ الاسلام نانوتوی سپہ سالار قرار پائے۔ اور شیخ الاسلام گنگوہی قاضی مقرر ہوئے۔ اس طرح قصبہ تھانہ بھون ایک دارالاسلام بنالیا گیا۔ پھر پیش قدمی کر کے قصبہ شاہی متلع مظفر نگر بھی فتح کر لیا۔ حدیث۔ م ۶۷

شیخ محمد تھانوی وہ بزرگ ہیں جن کے مسلک پر مولانا اشرف علی صاحب کار بند ہیں۔ اور شیخ احمد کی جماعت کی سیاست کو حفظ مانتے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب کے سوانح حیات جو شائع ہو چکے ہیں ان میں تصریح ہے۔ کہ آپ مولانا شیخ محمد صاحب کے مسلک کے پیرو ہیں۔ مولانا شیخ محمد اور امیر امداد اللہ ایک

جملہ معترضہ عجیب بات ہے کہ امام عبدالعزیز کے حزب میں الشقاق کا جو بیج، بانائوٹ کی ہریمیت کے نتیجے میں بویا گیا تھا۔ اس کے تلخ ثمرات کا تسلسل کسی طبقہ میں نہیں ٹوٹتا جیسے مولانا محمد اسحاق کی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اسی طرح پرامیر امداد اللہ کی جماعت میں، اور پھر ان کے بعد مولانا شیخ الہند کی جماعت میں مخالف پارٹی کے افراد اور گروہ مخلوط چلے آتے ہیں۔

امام عبدالعزیز کی حزب کو اس قسم کے مخالف عناصر سے قطعی طور پر پاک کرنے پر جب تک دانشمند نوجوان کمر ہمت نہیں باندھیں گے۔ تحریک کبھی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔

دقیقہ صفحہ ۲۰۱، ہی مرشد کے خلیفہ ہیں۔ اور اسی مسئلہ جہاد پر آپس میں مخالف ہو گئے اور جماعتیں دو حصوں میں منقسم ہو گئیں۔ تو اب امیر امداد اللہ کی جانشینی کا استحقاق مولانا اشرف علی صاحب گوکس طرح پہنچ سکتا ہے؟ یہ ایک نہایت ہی خطرناک استادی ہے۔ جو مولانا شیخ الہند اور ان کے اساتذہ کے خصوصی کاموں کو بے کار بنا دینا چاہتی ہے۔

۱۔ یہ حکم اس لئے نکاتے ہیں کہ ہم یورپ کی سیاست کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان کے ٹاں پارٹی کے نظام کو مخالف عنصر سے پاک رکھنا سب سے اول درجہ کا فرض ہے۔ اور وہ اس بارے میں کشت و خون سے ذرہ برابر نہیں گھبراتے۔ اسی میں ان کی فلاح اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔

۴۱، الصدر المجید کی بنائی ہوئی جمعیۃ مرکزہ حجاز میں بیٹھ کر پروگرام کی تکمیل میں رہنمائی کرتی رہی ہے *

(الف) مولانا محمد اسحق، اور ان کے بعد امیر امداد اللہ کو مکہ معظمہ میں بیٹھ کر اپنی تحریک جاری رکھنے میں جب قدر مشکلات پیش آئی ہیں۔ ان پر غالب آنا ان کے حزم اور حلم کی روشن دلیل سے۔ اور ہم اُسے امام عبدالعزیز کی تربیت مسلسلہ کی برکات میں شمار کرتے ہیں۔ اگر یہ حضرات امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ نہ ہوتے۔ تو کبھی اپنا کام جاری نہ رکھ سکتے *
ہم اگر مکہ معظمہ میں اس قسم کی زندگی کا خود تجربہ نہ کرتے۔ اور حضرت

لے مکہ معظمہ میں کوئی خفیہ تحریک پیدا نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ چلائی جاسکتی ہے۔ ہر کام کرنے والے کے سر پر اس قدر غیر منظم عوام کا ہجوم مسلط رہتا ہے۔ کہ اُسے سر کھانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ مگر جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔ میں حیران رہ گیا جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ مولانا اشرف علی صاحب جو مولانا شیخ محمد کے مسلک کے متبع ہیں وہ امیر امداد اللہ کے مخصوص اصحاب میں رہ چکے ہیں۔ اس کے بعد مولانا شیخ محمد کے اسی طرح قریبی دوست حجاز کے سفر میں ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے۔ تاکہ وہ کوئی خفیہ کام نہ کر سکیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس قسم کے کام کرتے رہے۔ اور انہوں نے اپنے لئے اوقات فرصت نکال لئے۔ تو اس سے مجھے قیاس کرنے میں آسانی ہوئی۔ کہ اسی طرح امیر امداد اللہ بھی اپنے لئے وقت نکال لیتے ہونگے میں خود بھی اسی طرح کی مصیبت میں مبتلا رہا ہوں۔ اگرچہ میرا ہندوستان سے کوئی تعلق باقی نہیں

مولانا شیخ الہند کے واقعات ہمارے سامنے نہ ہوتے تو ہم ان اکابر کی محنت کی قدر نہ کر سکتے۔

_____ دل من داند و من دانم و داند دل من _____
۵۱، سقوط دہلی کے نو برس بعد ۱۲۸۳ھ - ۱۸۶۶ء میں مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہوئی۔

_____ (الف) امیر امداد اللہ نے مکہ معظمہ میں ۱۲۷۶ھ سے فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عید الغریریہ کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔
اب، مولانا محمد قاسم سات سال مسلسل کوشش کرتے رہے تب کہیں ایک جماعت کو دیوبند میں مدرسہ بنانے پر آمادہ کر سکے اس کے بعد ان کی

(بقیہ صفحہ ۲۰۳) رہا تھا۔ مگر یورپ میں میرے دوست کافی موجود تھے۔ اور کابل کے لوگ بھی مجھ سے ملتے رہے۔ تو مجھے اس میں نہایت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا میں ان اپنی تکلیف اور مولانا شیخ الہند کی مجبوریوں کو سامنے رکھ کر حاجی امداد اللہ صاحب کے کام کی حقدار میں اہمیت سمجھتا ہوں۔ دوسرا شخص اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

لے اب تک امیر امداد اللہ کی رہنمائی تھی۔ جو مکہ معظمہ میں بیٹھ کر کام کرتے رہے۔ تو اس جماعت نے مدرسہ دیوبند کو مرکز بنالیا۔ اور اس کی تمام چیزیں امیر امداد اللہ کی مصلحت پر چلتی رہیں۔ دیوبند کی روح دراصل امیر امداد اللہ کی مصلحت پر چلتی ہے۔

دوڑ دھوپ سے اسی طرز پر ایک مدرسہ سہارنپور میں، اور ایک مراد آباد میں بن گیا۔ جو مدرسہ دیوبند کی شاخیں ہیں۔

(ج) مدرسہ دیوبند کے لئے ہفت سالہ نصاب تعلیم اور مستقل نظام تعلیم

اور اس سب سے قواعدا مولانا محمد قاسم نے بنائے انہوں نے اپنی سکیم میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ اور خرب ولی اللہ کے مقاصد کو محفوظ کر دیا ہے۔

جملہ معترضہ | اس کے بعد دوبارہ اس نصاب پر نظر ثانی

ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ مولانا محمد یعقوب دیوبندی کے زمانہ میں بہشت سالہ نصاب کی صورت میں دوسری بار مولانا شیخ الہند کی جمعیت الانصار کی تحریک پر الحمد للہ کہ دونوں دفعہ خرب ولی اللہ کی تعلیمات کی روح محفوظ رہی۔

لہ دارالعلوم دیوبند اسس فی سنتہ فاقدی الناس فی تاسیس الفروع۔ ناول فروع تأسس بعد سنتہ اشہر فی سہارنپور حتی وصلت الی اربعین فرعاً۔ لکن نظامہا علی اللامرکزیہ وکنت فی اول زمان تنظیم جمعیت الانصار احب ان اغیر نظام الفروع المذکورۃ الی المرکزیہ۔ ولکن شیخنا شیخ الہند ما کان یلتفت الی ذلک الا قلیلاً۔ و بعد ثلاث سنین تبینت لی حکمت اللامرکزیہ بالتجارب۔ فان الحكومة لا تسهل لها ان تتحكم وتغلب علی ذلک النظام۔ وحفظ الحریۃ مقدم علی تحسین الصورۃ۔ کتاب التہجد ص ۱۵۵

اس کے بعد جب کبھی ترمیم نصاب کا سوال پیدا ہوتا ہے تو میں اس پہلے ہفت سالہ نصاب کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ مصر و شام کی تقلید میں قطع و برید کرنے سے اس نصاب کی وہ استعداد ختم نہ کر دی جائے جس کے سبب سے اب تک وہ امام ولی اللہ کی حکمت کے مطالعہ کے لئے مقدمہ بنتا رہا ہے۔

(۶) مدرسہ دیوبند کے لئے مرکزی فکر اور سیاسی مصلحت کے اصول امیر امداد اللہ اور ان کے رفقاء مولینا محمد قاسم، مولانا رشید احمد، مولانا محمد یعقوب دیوبندی کے اجتماع نے معین کئے ہیں۔ اس لئے دیوبندی پارٹی کی مرکزی جماعت میں وہ شخص شامل نہیں ہو سکتا جو یہ اصول کا ملا تسلیم نہ کرتا ہو۔
 (الف) مدرسہ دیوبند کا اساسی اصول یہ ہے کہ خرب ولی اللہ نے اپنے پہلے دور میں جب قدر علوم و معارف کی اشاعت ضروری سمجھی۔ جنفی فقہ کی پابندی سے ان علوم و معارف کو تدریس و تصنیف کے وسائل سے زندہ رکھا جائے۔

ب، اس مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم سے جب قدر علماء تیار ہوں گے، تو

۶۔ مولانا شرف علی صاحب کے اتباع کا مرکز قریباً رے طے شدہ اصول کے بالکل خلاف ہے۔

مساجد اور مدارس میں کام کرنے کے لئے پوری استعداد رکھتے ہیں ۞
 دج، اس تعلیم کے بعد جب قدر علماء، امام و اولیاء اللہ کے جادہ قوم پر اور حکمت
 کی حفاظت کرنا چاہیں یا حکومت کے مناصب عالیہ کی اہلیت پیدا کریں
 تو ان کے لئے کوئی خاص نصاب معین نہیں۔ بلکہ درسی کتابوں سے
 فارغ ہو کر اساتذہ کی صحبت میں رہیں مثلاً مولانا محمد قاسم کی صحبت میں
 امام ولی اللہ کی حکمت سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ مولانا رشید احمد کی خدمت میں
 فقہ اور تصوف کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب دیوبندی کی فاقہ
 میں سیاسی اصول سمجھ میں آسکتے ہیں اور امیر ایداد اللہ کی بیعت سے پارٹی
 میں منسلک ہو جاتے ہیں ۞

۱۷۔ مدرسہ دیوبند کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کابل میں اپنا وقار
 ثابت کرتا رہے۔ اس لئے ماوراء النہر کے لئے یہ قدر طلبہ دیوبندی نظام
 میں تعلیم پائیں۔ انہیں ہدایت دی جائے گا کہ اپنی اقوام کے نظام اور اپنی
 حکومت کے نظام کو برہم نہ کریں ۞

دالفت، جسٹس، ام ہند میں دیوبندی جماعت مسلمانوں کی دوسری

۱۸۔ یعنی دہلی، جاکراہیں بدعت اور اہل لادینہ کے دو کئے جہگڑے پیدا نہ کریں۔

جماعتوں کے ساتھ بالاضطرار منازعت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ ان بھگڑوں کو
ماوراء السند میں پھیلنے سے روکا جائے۔

(ب) مدرسہ دیوبند کے لئے ضروری ہے۔ کہ مکہ معظمہ کے مرکز کے توسط
سے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ اپنا ربط زیادہ مستحکم کرتا رہے۔

(ج) مدرسہ دیوبند کے لئے ضروری ہے۔ کہ اضطراری حالات کا
استشد قائم رکھ کر حکومت انگریزی کے مصالح سے غیر جانب داری اختیار
کرتا رہے۔

(۸) مدرسہ دیوبند کی تاریخ کا پہلا دور مولانا رشید احمد کی وفات ۱۳۲۳ھ
میں ختم ہوتا ہے۔ اس چہل سالہ دور کا سب سے بڑا کارنامہ، علمی تحریک کی
توسیع اور مرکزی فکر کی حفاظت ہے۔

دالف، علمی تحریک اطراف ہند سے نکل کر افغانستان و ترکستان
تک۔ اور حجاز و قازان تک پہنچ گئی۔

(ب) دیوبند کے مرکزی فکر پر جس قدر حملے ہوئے۔ وہ نصاریٰ اور ہندو
کی طرف سے ہوں یا شیعہ و مبتدعین کی طرف سے۔ یا نجدی و مہنی ذوق رکھنے
والے ہندوستانیوں کی طرف سے یا یورپین ذہنیت رکھنے والے نوجوانوں

کی طرف سے اُن میں سے اکثر اعتراضات کے جوابات محققانہ اور محاذِ انتہا تیار ہو گئے ۛ

(۹) ۱۳۲۳ھ سے حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی شیخ الہند کی صدارت میں مدرسہ دیوبند کا دوسرا دور شروع ہوا۔ جو ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند کی وفات پر ختم ہوا۔ اگر امام عبد الغزنی کی وفات پر ۱۲۳۹ھ میں خرب ولی اللہ کا پہلا دور ختم کر دیا جائے۔ اور امام ولی اللہ کے کام کو ۱۲۴۲ھ سے پانچ سال پہلے سے (جب انہوں نے ترجمہ قرآن لکھنا شروع کیا) شروع مان لیں۔ تو پہلا دور بھی سو سال ہجری کا بن جاتا ہے۔ اور دوسرا دور بھی پورے سو سال کا قرار پاتا ہے ۛ

(الف) سب سے پہلے مولانا شیخ الہند نے مدرسہ دیوبند کے پرانے فارغ شدہ عالموں کو جمعیتہ الانصار میں جمع کرنا شروع کیا۔ اس طرح دیوبندی نظام کی تعلیمی فتنہ جماعتوں کی ساری اجتماعی طاقت منظم ہو گئی۔ اس نظام میں جس طرح ہندوستانی ممالک کے علماء داخل ہوئے۔ اسی طرح اضافی اور ترکستانی علماء بھی شامل ہو گئے ۛ

(ب) درجہ تکمیل جواب تک غیر منظم صورت میں تھوڑے سے

افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے قواعد و ضوابط منضبط ہو گئے۔ مولانا شیخ الہند نے امام ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم کی کتابوں کو اس درجہ کی تعلیم کا لازمی عنصر قرار دیا گیا۔

(ج) مدرسہ دیوبند کو دارالعلوم کے درجے تک پہنچایا۔ دارالحدیث کو اس کی مرکزی درسگاہ (کالج) قرار دیا۔

(۱۰) ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں ٹرکی کے شامل ہونے کے بعد جمعیۃ الانصار کے توسط سے اپنی پارٹی کی پوری طاقت کو دولت عثمانیہ کی تائید میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ عثمانی سلطان خلافت اسلامیہ کا حامل تھا۔

(الف) مولانا شیخ الہند کی تحریک (باوجودیکہ ایک مذہبی اساس پر مبنی تھی) دنیا کی انقلابی تاریخ کا اہم واقعہ ہے جس طرح انقلاب فرانس بھی ایک مذہبی عالم کی تحریک سے شروع ہوا تھا۔ اور اس سے اس کی انقلابی طاقت کی توہین نہیں ہو سکتی۔ اس وقت مولانا شیخ الہند کی تحریک کی تفصیل ان صفحات پر نہیں لکھنا چاہیے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ آنے والے دور کے بہترین مورخ اسے نہایت صفائی سے لکھیں گے۔ ہندوستان، انگلستان

لے پہلے ہمارا خیال تھا کہ مولانا شیخ الہند کے ان واقعات سے متعلق اجمالی اشارے حاشیے میں لکھوا

افغانستان، ترکستان کی تاریخ تو اس واقعہ کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے ساتھ یورپ کی انقلابی طاقتیں بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔
 اب، الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق نے ^{۱۲۳۹} ۱۳۹۰ء کے بعد دوسرے دور کو دولت عثمانیہ کے اتصال سے شروع کیا تھا۔ اور مولانا شیخ الہند کے مشائخ

دیں گے جس بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ لیکن بعد میں ہماری رائے بدل گئی۔ کیوں کہ اس بڑے معاملہ میں اشاروں سے کام نہیں نکلے گا۔ اب ہمارا فیصلہ ہے کہ اس موضوع پر مستقل رسالہ انگریزی میں لکھوائیں گے۔ جس میں پہلے تو مولانا شیخ الہند کا اس تحریک میں اصل مقام کیا تھا۔ اسے معین کریں گے۔ مولانا محمد قاسم حکیم الہند امام ولی اللہ کی حکمت اور انقلاب کے مجدد تھے۔ اور مولانا شیخ الہند اپنے استاد مولانا محمد قاسم کے علم و عمل کے آرگن نر۔
 اس کے بعد سر پریسے کا کس اور سٹرانٹیک وغیرہ برطانوی مدبرین کے بیانات نمایاں کر دئے جائیں گے۔

مولانا شیخ الہند حبيب ماٹن میں اسیر ہوئے۔ تو وہاں دول یورپ کے مختلف نمائندوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ حیران تھے کہ ایک ہندوستانی جو برطانوی سبکدوش ہے گورنمنٹ سے لڑائی کا اعلان کرتا ہے وہ کس طرح سزائے موت سے بچ گیا۔ اور پھر اسے جگہ قیدی کا اعزاز کیوں دیا گیا۔
 مولانا شیخ الہند کے خدام جو یورپ میں کام کر رہے تھے۔ ان حکومتوں کے لوگ جب ان سے ملے تو انہیں اس تحریک کی تحقیق کا موقع ملا۔ ہم سے بھی جب کبھی یہ لوگ کابل میں یا یورپ میں ملے تو انہی مسائل کے متعلق بحث کرتے رہے۔ اس رسالہ میں ان مباحث کا خلاصہ بھی دے دیا جائے گا۔
 مضمون کی نوعیت کا تقاضا ہے کہ یہ کتاب انگریزی میں شائع کی جائے۔
 عبید اللہ سندھی

نے اسے تکمیل تک پہنچایا۔ مگر دولت عثمانیہ گزشتہ حرب عمومی میں ساقط
 گئی۔ اس لئے دولت عثمانیہ کی شکست پر حزب ولی اللہ کا دوسرا دور ختم ہو
 مولانا شیخ الہند نے دولت عثمانیہ کی تائید کے لئے جو تحریک شروع
 کی تھی۔ اس کی مرکزیت چونکہ دہلی میں تھی۔ اس سے ضمنی طور پر ہندوستان
 انقلاب کی تائید میں ایک غیر متوقع صورت پیدا ہو گئی۔ دولت عثمانیہ کی
 کے بعد مولانا شیخ الہند نے اس ہندوستانی تحریک کو اپنا مستقل موضوع
 بنالیا۔ اس سے ہم حزب ولی اللہ کا تیسرا دور شروع کرتے ہیں ۴

(۱) مولانا شیخ الہند نے (۱) امام ولی اللہ کی حکمت پر ایمان ضروری
 قرار دیا ہے۔ اس سے ہم ایک خاص نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم
 امام ولی اللہ کی فلاسفی کو اپنی مستقل پارٹی کا اساسی اصول بناتے ہیں۔ یہ
 فلاسفی غیر مسلم ہندوستانی کو اپنے ساتھ لاسکتی ہے۔ یہ فلاسفی پورپین ازم کی
 لا دینیت کو فنا کرسکتی ہے۔ یہ فلاسفی اپنی اقتصادی مصلحت سے دنیا پر
 تفوق حاصل کرسکتی ہے ۵

(۲) مولانا شیخ الہند نے کالج پارٹی کے انقلابی عنصر کو اپنی تحریک

لے کیونکہ اس دور کی ابتدا ترکی اتصال سے شروع ہوئی جب ترک حکومت ختم ہو گئی۔ تو وہ پرانا پروگرام بیکار ہو گیا

میں شامل کر لیا تھا۔ اُن کے پارٹی پروگرام کو چلانے والے مولانا کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد کے ساتھ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا محمد علی مساوی درجے پر شریک تھے۔ اس سے ہم ایک خاص نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ ہم یورپین ازم کو اپنی مستقل پارٹی کے پروگرام میں داخل کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ کلچ پارٹی کا انقلابی عنصر ترقی کر کے کمالی پروگرام منظور کرے گا۔ البتہ شرکی کی طرح ہم لا دنییت پر سکوت نہیں کرتے۔ بلکہ امام ولی اللہ کی فلاسفی سے اس کا علاج کر لیتے ہیں۔

(۳) مولانا شیخ السند نے انڈین نیشنل کانگریس کی شرکت منظور کرنی اس سے ہم ایک خاص نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ ہم عدم تشدد کی پالیسی سے ڈومینین اسٹیٹس حاصل کرنے کو اپنی مستقل پارٹی کے پروگرام میں داخل کرتے ہیں۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ عدم تشدد کا پابند ڈومینین اسٹیٹس ہی حاصل کر سکتا ہے۔

ہمارے تیسرے دور کے پروگرام کا خلاصہ یہی تین اصول ہیں۔
(۱۲) جس طرح پہلے دور کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد اسماعیل شہید اور اُن کے رفقاء کے کارناموں سے تحریک کو زندگی بخشی۔ اسی طرح

ہم امید کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دوسرے دور کے خاتمہ پر مولانا شیخ الہند اور ان کے مشائخ کی خدمات قبول فرمائے گا۔ اور ان کے عزائم میں اس قدر برکت نازل کرے گا۔ کہ امام ولی اللہ کی تحریک اپنے تیسرے دور میں ہند کی اصلاح کے توسط سے دنیا کی رہنمائی کا ذریعہ بن جائے۔ واللہ الموفق۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

۲۱۵ جنما، نمدبرا، سندھ ساگر پارٹی کا مختصر اساسی پروگرام

(۱) دہوارشاد کے پرانے کارکن جو وطنی خدمت کو اپنا غریبی فرض سمجھتے ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے اندر ایک مستقل پارٹی تشکیل کرتے ہیں۔ جسے شمال مغربی ہند کے محدود و قبیحہ جات سے تعلق ہوگا۔
(الف) اس پارٹی کا نام جنما نمدبرا، سندھ ساگر پارٹی ہوگا۔

(ب) اس پارٹی کا میدان عمل چار حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) آج کا صوبہ سندھ جس کا مرکز کراچی ہے۔ (۲) دریائے سندھ اور اس کے معاونین کی زمین جس کا مرکز لاہور ہے (۳) دو آبگنج جنما اور اس کا زیر اثر بحیری۔ بنارسی علاقہ جس کا مرکز دہلی ہے (۴) ہند کا ایسا حصہ جو اپنے فیصلے سے پارٹی میں شامل ہو۔
۲۔ اس پارٹی کے نظری اصول یہ ہیں۔

(الف) عدم تشدد کی پابندی سے کامل آزادی حاصل کرنا (ب) کاشتکار اور دستکار محنت کش کی معاشی حالت درست کرنا۔ اور اسے ترقی دے کر یورپ کے محنت کش کے برابر بنانا (ج) ہند کو ایک بے نیس۔ بلکہ یورپ کی طرح عجمی ممالک ماننا۔ زبان اور معاشرت کو ملکی تقسیم کا اساس بنانا (د) ہر ایک روستائی ملک میں مستقل سکونت رکھنے والے ہر مرد و عورت کا مساوی حق ماننا۔ اور جمہوری نظام پر قومیت قائم کرنا۔ نسل، مذہب، قدامت کو تفوق کا ذریعہ نہ بنانا (د) ہر ایک ہندوستانی ملک کی علم آبادی ہلکی مادری زبان میں تعلیم دے کر ووٹ کی قیمت سمجھانا (و) ترقی یافتہ یورپ کے صنایع کو اپنے ملک ہا کرنے کے لئے اور وطن کی خدمت و حفاظت میں ہر مرد و عورت کو جو انفرادی سکھانے کے لئے یورپ میں مہارت اختیار کرنا (ذ) فکر اور اخلاق اور سیاست میں یکسانی پیدا کرنے کے لئے امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت اور فلسفے کو پارٹی کا عقلی اساس ماننا۔ اور اس راستے سے انسانیت کی خدمت کے لئے تیار کرنا۔
(ح) ہندوستان کی وحدت کو فیڈریشن میں مختصر سمجھنا (ط) فیڈریشن کی تشکیل کے لئے ایک کافی لمبی مدت تک برٹش کابینہ و ملت میں رہنے کا فیصلہ کرنا (ی) فیڈریشن کی زمان ترقی یافتہ ہندوستانی (اردو) اور انگریزی کو ماننا۔

۱۔ پارٹی کے عملی اساسی اصول یہ ہیں۔

الف، پارٹی اپنے نظریات کو پھیلانے کے لئے خاص تعلیم گاہوں میں خدام خلق تیار کرے گی۔
 وہی لوگ پارٹی کے ممبر بن سکیں گے۔ جو انسانیت کی خدمت کو اپنا فرض قرار دیں گے۔ اور عہد تشدد کی
 سے اس فرض کی تعمیل میں ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کا جہد کریں گے۔ کہ وہ تکلیف دینے والوں پر
 مسرت میں ماتہ نہیں اٹھائیں گے۔ ب، پارٹی کے جس قدر ممبر حکومت میں شریک ہوں گے۔ وہ اپنی کڑ
 پر مبنیہ کڑ ملک کے ہر ایک فرد کے ساتھ یکساں معاملہ کریں گے۔ اور رشوت لینا بند کرائیں گے (ج، پارٹی
 تجارت پیشہ ممبران اور تول میں کمی بیشی نہیں کریں گے۔ حساب لکھنے میں خیانت نہیں کریں گے۔ اور ربا
 کرائیں گے (د، پارٹی کے زمیندار ممبر کا شکار سے جو معاہدہ کریں گے۔ اس کے پابند رہیں گے۔ کاشتکار
 کے خاندان کی بڑھتی ہوئی ضروریات زندگی ہم پہنچانے میں پوری مدد دیں گے (لا، پارٹی کے کاشتکار
 حکومت کا مقررہ خراج اور زمیندار کا حصہ معاہدے کی پابندی سے پورا ادا کریں گے (و، پارٹی کے
 دمتکار ممبر جس سے معاملہ کریں گے۔ امانت کو اپنا اشتعار بنائیں گے (ز، پارٹی کے جس قدر ممبر علمی یا اخلاقی
 خدمت کرنے کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ اپنے ملک کی جہالت دور کرنے میں اتھرائی جہد و جہد کریں گے۔
 ادنیٰ ضروریات زندگی پر اکتفا کریں گے (ح، پارٹی کے ہر علمی ممبر کا فرض ہوگا۔ کہ وہ ہر ایک مرد و عورت
 کو کھانا پلچھنا سکھائے (ا، اپنی ملکی زبان میں (۲، اپنی بین الاقوامی زبان میں (۳، ہر ایک پابند مذہب کو
 اس کی مذہبی تعلیم میں (ط، پارٹی کے ہر اس ممبر کو اخلاقی استاد یا مرشد مانا جاتا ہے۔ فرض ہوگا کہ وہ اپنے
 ملکی بھائیوں کو حقوق کا احترام سکھائے۔ یہاں تک کہ اس کے ملک کا ہر ایک شخص کسی انسان کی جان و مال عزت
 کو نقصان پہنچانا اخلاقاً حرام سمجھے (ی، پارٹی کا ہر ایک ممبر اپنی ضروریات زندگی خود کما کر حاصل کرے گا۔
 اس کا خرچ ہوگا۔ کہ ملک سے بیماری کی زندگی کو ختم کرے۔ ہر میر و غریب کو کو کسی نہ کسی طریقے سے
 محنت کش بنایا جائے۔ و اخو مولانا ان الحمد للہ راجت العالمین۔

علیہ السلام سندھی
 مؤسس۔ ج۔ ن۔ سندھ سائیکس پارٹی